

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226416

UNIVERSAL
LIBRARY

سلسلہ دارالارامین اعظم گڑھ نمبر ۲

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتُوبُ اِلَیْکَ اِنِّیْ اُظْلِمْتُ لَکَ اَعْمٰمًا مِنْ
فَاہِکَ

جن لوگوں نے پڑو جہان سلیم کو بے اعتدالیوں یا رعیت

بیجا سے غلط ملط نہیں کیا، وہی ان میں ہیں،

نفسیات

مولفہ

سید وہاب الدین احمد کنہوری

پروفیسر عثمانیہ کالج، اورنگ آباد دکن،

باہام مولوی مسعود علی ندوی

مطبعہ دارالارامین اعظم گڑھ

بنامِ انجمنِ دانشِ عربِ جاہلست،

ہدایہ

زبانِ اُردو کی اس سچی اور قابلِ قہر خدمت کی یاد میں،

جو میرے محترم دوست،

جناب مولوی عبدالماجد صاحب بی اے (دریابادی)

نے کی اور کر رہے ہیں،

نیز

اس ”عہدِ کہن“ کی یادگار کے طور پر جب انھوں نے پہلی مرتبہ

اُردو بولنے والی دنیا کو،

نفیات جیسے اہم اور دلچسپ علم سے روشناس کیا،

یہ کتاب انھیں کے نام نہی پر صدقِ دل اور اس آرزو کی تھامغون کیجاتی ہو کہ

”شاید کہ بجوے رفتہ آبِ آید باز“

گر قبولِ افتد زبے عز و شرف،

فہرست ابواب

از جناب مولانا عبدالماجد صاحب بی سٹے دریا بادی صنف فلسفہ جذبات: مکالمات، پرسکھ، پیام امن وغیرہ،	ویباچہ ۴-۱
عمل ترغیب کی ماہیت اور اس کے اجزائے ترکیبی، ترغیب کی تعریف اور اسکی نفسیاتی تشریح، ترغیب کے عناصر ثلاثہ جذبہ، ذہن، تجل، عقل ترغیب میں ان کا دخل،	ویباچہ مؤلف ۱۰-۵ باب اول ۲۶-۱۱
خود ترغیبی، اسکی اہل فرمایان، جذبات کے اثر سے ترغیبات ذاتی کی قلب ماہیت، تلون، باطل ترغیبات تلبیس حیلہ اور مکالمات نفس کی نفسیاتی شرح جماعات کی ترغیب کے طریقوں سے بحث، افراد جماعت پر ان کے معزز اثرات تہدید و انتفاع ناجائز،	باب دوم ۴۰-۳۷ باب سوم ۸۴-۶۱
ترغیب کا صحیح استعمال صحیح و باطل ترغیبات کا فرق، اخلاقی، عقلی، منطقی نقطہ نگاہ سے ترغیبات اجتماعی و انفرادی کی بحث کا وسیلہ ترغیبات کے رد یا قبول کے متعلق مفید علمی نتائج ترغیب خاموش، اس کے اقسام، اشارات، سطوت، شخصیت موسیقی، نقاشی، بانسکوپ وغیرہ کے ذریعہ سے ترغیب، ان کے صحیح اور فریب دہ اثرات سے بحث،	باب چہارم ۱۰۹-۸۵ باب پنجم ۱۳۱-۱۱۰

باب ششم
۱۳۲-۱۴۲

باب ہفتم
۱۴۳-۲۰۰

باب ششم
۲۰۱-۲۱۱

لفظی ترغیبات، مکالمات، بیع، اشتہارات اور اجارات کی ترغیب،
ہر ایک کے ضمنی مباحث اور ان کے متعلق عملی ہدایات،
ترغیب لفظی، کتابوں اور تقریروں کی ترغیب، ان میں ترغیب
کے ساتھ عناصر جدید، ذہن اور تخیل کا استعمال، دلائل، توضیحات
طرافت، خوش طبعی، التزم تشیع، عمل ترغیب کا موضوع،
مستقبل کی ترغیبات، زمانہ جدید کا رجحان، شخصیت کی عظمت،
آئندہ ترغیبات کا رخ،



تفصیلی فہرست مباحث

باب اول

جذبہ اور استدلال کا تعلق (ص ۱) (ترغیب کی اساس (ص ۲)؛ منطق اور ترغیب کا فرق (ص ۳)؛
 ترغیب کا اثر اعمال و افعال انسانی پر (ص ۴) (ترغیب کے عناصر ترکیبی (ص ۵)؛ جذبات و جذبات کا عمل (ص ۶)؛
 وجدان اور عمل ترغیب (ص ۷) (ترغیب کا دوسرا عنصر ذہن کا عمل (ص ۸)؛ جذبہ اور ذہن
 کا باہمی تعلق (ص ۹) (ترغیب کے تیسرے عنصر تخیل کا عمل (ص ۱۰)؛ تخیل کا ترغیب کے بقیہ دو عناصر پر اثر (ص ۱۱)؛
 خلاصہ (ص ۱۲)؛

باب دوم

خود ترغیبی میں جذبات کا حصہ (ص ۱۳)؛ متلون المزاجی (ص ۱۴)؛ خود ترغیبی میں استدلال کا حصہ
 حیلہ و مکائد نفس (ص ۱۵)؛ مکائد نفس میں زیادہ تر اس عقیدہ سے مدد لی جاتی ہے کہ انجام خیر کے
 حصول کے لیے وسائل شرعی جائز ہیں (ص ۱۶)؛ خود ترغیبی اور خود فوجی میں تخیل کا حصہ (ص ۱۷)؛
 خود ترغیبی کی اہل فریبیان (ص ۱۸)؛

باب سوم

عصر جدید کا جماعت بندی کی طوط رجحان (ص ۱۹)؛ تشکیل جماعت میں نفس انسانی کی صفت
 اثر پذیری کا حصہ اور اس کے اثرات (ص ۲۰)؛ افراد جماعت کی ناجائز ترغیبات، مکائد
 نفس و تلبیسات (ص ۲۱)؛ بقائے جماعت کے زبردست ترین موید جذبہ خوف و جذبہ حصول
 اقتدار ہیں (ص ۲۲)؛ جماعتوں کی باطل ترغیبات اور ان کے طریقے (ص ۲۳)؛

باب چہارم

عمل ترغیب کے متعلق ایک بدنی کامکان (۷۵)؛ معجز ترغیب کے لیے جذبہ کا صحیح استعمال پہلی شرط ہے (۷۶)؛ ترغیب کی صحت کا اخلاقی معیار (۷۷)؛ ذہنی اور عقلی اعتبار سے صحیح ترغیب کا معیار (۷۸)؛ ترغیب کا صحیح استعمال منطقی نقطہ نگاہ سے (۷۹)؛ خلاصہ (۸۰)؛

باب پنجم

ترغیب خاموش اور اس کے طریقے (۸۱)؛ اشارات (۸۲)؛ اسطوت (۸۳)؛ شخصیت (۸۴)؛ موسیقی، نقاشی، سنائی (۸۵)؛ بالمشکوب یا متحرک تصاویر کے ذریعہ سے ترغیب (۸۶)؛

باب ششم

مکالمات یا عام گفتگو (۸۷)؛ بیج، بائع کی گفتگو (۸۸)؛ اشتہارات (۸۹)؛ اخبارات (۹۰)؛

باب ہفتم

کتب اور تقریروں کی ترغیب (۹۱)؛ غصہ عقلی کا استعمال کتابوں اور تقریروں میں (۹۲)؛ دلیل استخراجی، ترغیب کا استعمال (۹۳)؛ ترغیب میں دلائل استقرائی اور ان کے اقسام کا استعمال (۹۴)؛ کتابوں اور تقریروں میں غصہ عقلی کا استعمال، توضیحات (۹۵)؛ مقابلہ و موازنہ (۹۶)؛ قصہ گوئی، روایت، حکایت (۹۷)؛ غصہ جذبی کا کتب اور تقریروں میں استعمال (۹۸)؛ ترغیب کے لیے جذبہ لازمی ہے (۹۹)؛ ترغیب میں جذبات کو بالواسطہ تحریک دیا جاتا ہے (۱۰۰)؛ جذبہ کی بالواسطہ تحریک کے طریقے (۱۰۱)؛ ظرافت اور خوش طبعی (۱۰۲)؛ کتابوں اور تقریروں کی ترغیب کے موضوع سیاسی، قانونی، مذہبی، تاریخی (۱۰۳)؛ انسانی طرز عمل پر مذکور

بالا موضوعات کا اثر مختلف ہوتا ہے (ص ۱۹۳) مستقبل کی طرف اشارہ (ص ۱۹۵)؛

باب ہشتم

چند حالیہ تغیرات (ص ۱)؛ فن تعلیم، اور سائنس پر ان تغیرات کا اثر (ص ۳۲) ترغیب
میں کمی طریقوں کا استعمال (ص ۲۰۰)؛ ترغیب کے دو اصول، (ص ۲۰۱)؛

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

از

(مولوی عبدالمجید صاحب بی لے)

ہندوستان اس وقت جس دور سے گزر رہا ہے، اُس کا قدرتی تقاضا یہ ہے، کہ مغرب کے تمام علوم و فنون اس میں بھی پھیلین، اور پھیلائے جائیں، چنانچہ جدید فلسفہ اور سائنس کی تمام شاخیں اُردو میں بھی ایک ایک کر کے آرہی ہیں، اور لائی جا رہی ہیں، یہ صورت کس حد تک مفید ہے، اس بحث کا یہ موقع نہیں، بہر حال ایک امر واقع ہے، مغربی انداز پر ترجمہ، تالیف، تصنیف کا کام تیزی کے ساتھ ہو رہا ہے، اور بظاہر احوال، زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھتا جائے گا،

فلسفہ جدید کی ایک صنف، نفسیات بھی ہے، جس کا نام پُرانے مترجمین نے علم النفس رکھا تھا، مگر اب مغرب کی درسگاہوں اور محفلوں میں اس فن کو جو ترقی ہو رہی ہے، اس کے لحاظ سے اس کا شمار اب اگر بجائے فلسفہ کے سائنس کے اصناف میں کیا جائے، تو زیادہ صحیح ہوگا، اپنے نفس کی کیفیات کا مطالعہ کرتے رہنا، باطن کی طرف رجوع کرنا، اپنے اعمال ذہنی پر غور و فکر کرتے رہنا، تحقیقات جدید ان سب طریقوں کو باطل ٹھہرا رہی ہے، اور اب مغربی علم و فضل کا فتویٰ یہ ہے کہ، ان متروک اور دُقیقہ طریقیوں کے بجائے نفس۔ ذہن و شعور کو بھی مثل مادیات کے خوردبین اور دیگر آلات مادی کی مدد سے جانچنا چاہیے، حکمت قدیم یہ تھی، کہ مادیات کو نفس پر کہہ کر کی وساطت سے پہچانا جائے، دانش جدید یہ

کہ نفسیات کو آلات مادی کے ذریعہ سے جانچا جائے، مشرق کی معراج کمال یعنی کہ مادہ کو نفس روح کے حکم میں لے آیا جائے، مغرب کا منہٹائے ترقی یہ ہے کہ نفس روح کو آیات کی شلخ بنا دیا جائے پہلے ظاہر کو باطن کے ماتحت رکھا جاتا تھا، اب باطن کو ظاہر کا محکوم کر لیا گیا ہے۔ مغرب کی یونیورسٹیوں میں جہان طبیعات، کیمیا، نبات، وغیرہ کے مہمل ہیں، انہیں کے پہلو میں نفسیات کے تجربہ گاہوں میں مہملوں کی عمارتیں بھی کھڑی نظر آتی ہیں۔

فن نفسیات، اب بجائے خود، متعدد اور مستقل شاخوں میں تقسیم ہو گیا ہے، مثلاً نفسیات نظری، نفسیات عملی، نفسیات حیوانی، نفسیات قومی، نفسیات اجتماعی، دس علی ہذا، اور یورپ نے انہیں سے ہر شلخ پر تصانیف کا ایک طوارنگہ دیا ہے، اردو میں اس سارے ذخیرہ، یا کم از کم اسکے بڑے حصہ کو منتقل کرنا، ایک دن یا ایک شخص کا کام نہیں، صد ہا قابل و متعدد کارکن ہوں، اور مدت دراز تک یہ کام برابر ہوتا ہے، جب کمین جا کر مغرب کا سرمایہ سرزمین ہند پر منتقل ہو سکتا ہے، اُس وقت تک یگنتی کے چند افراد، جو باوجود اپنی بے بضاعتی کے محض اپنے ذوقِ علم اور ذاتی جوش کی بنا پر اس کٹھن کام میں لگے ہوئے ہیں، اون کی محنت کی وادہ دینا، انصاف کی آنکھ پر پٹی باندھ لینا ہے،

نفسیات میں ایک اہم اور پچھلے بحثِ ترغیب، کی آتی ہے، عملِ ترغیب کی ماہیت فنی کیا ہے؟ انسان کو خود کیونکر کسی فعل کی جانب ترغیب ہوتی ہے، اور وہ دوسروں کو کیونکر ترغیب دیتا ہے؟ جذبات اور عقل کا ترغیب سے کیا تعلق ہے؟ دلائل منطقی اور ترغیب نفس کے درمیان کس قسم کا رشتہ ہے؟ مؤیدات ترغیب و موانع ترغیب کیا ہیں؟ ترغیب کے صحیح مواقع استعمال کیا ہیں؟ غلط رجحانات و باطل ترغیبات کیونکر بچنا چاہیے؟ اس قسم کے سارے مباحث کے لیے ایک جامع نامِ نفسیات ترغیب ہے، اور مغربی زبانوں میں مستقل اسی

موضوع پر تصانیف تیار ہو چکی ہیں، پروفیسر سید و ہاج الدین صاحب نے (عثمانیہ کالج
اننگز باؤدکن) جن کا ذوق خالص علمی ذوق ہے، اور جو مسائل و مباحث نفسیات سے خاص پسند
رکھتے ہیں، ہمت کر کے اردو کے خزانہ میں یہ سرمایہ منتقل کر دینا چاہا ہے، چنانچہ اُن کی سعی و
کوشش کا نتیجہ اگلے صفحات میں موجود ہے،

ہمارے جوان عروج و ان ہمت دوست نے اپنا اصلی ماخذ، میکرفسن کی انگریزی کتاب
سائیکالوجی آف پرسوائسشن، کو رکھا ہے، لیکن اس کے علاوہ اور بھی متعدد تصانیف و مضامین
سے استفادہ کیا ہے، اور اس لحاظ سے اُن کی کتاب ترجمہ نہیں ہے، بلکہ بھی خاصی، ایف بنگلی ہے
اردو و اب تک جن خیالات و الفاظ سے اجنبی و نا آشنا ہے، انھیں اردو میں لاتے وقت جو محنت و
کوشش کرنی پڑتی ہے، اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں، جنھیں خود بھی اس قسم کے کام کا
اتفاق ہوا ہے، و ہاج الدین صاحب کی کوشش اس جماعت کے نزدیک مستحقِ صدداد و ہزار
ستائش ہوگی، البتہ اگر انھوں نے کچھ وقت اور صرف کیا ہوتا تو کتاب کو موجودہ حالت سے بھی بڑھ کر
شگفتہ، سلیس، اور دلچسپ بنا سکتے تھے، طبع ثانی میں امید قوی ہے، کہ وہ بعض الفاظ کو بدل دینگے،
طرز بیان میں زیادہ سادگی اور الجھاؤ پیدا کر دینگے، اور گرد و پیش کی اور زیادہ مثالیں دے کر کتاب کو
زیادہ دلچسپ بنا دینگے، بہ حیثیت مجموعی، کتاب، اب بھی اس قابل ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے نفسیات
خوان طلبہ کے زیر مطالعہ رہے، اور دوسرے لوگ بھی جو مغربی نفسیات کی نوعیت مباحث سے
واقف ہونا چاہیں، اس سے فائدہ اٹھائیں، و اگر بعض فیض کے زیراہتمام اس سے قبل برکھے، ملی بان
وغیرہ حکمائے مغرب کے مقالات اردو میں منتقل ہو چکے ہیں، آج اس کتاب کی اشاعت اس کے
کارناموں کی فہرست میں ایک جدید عنوان کا اضافہ کر رہی ہے،

ہونا مولف کا مستقبل بہت اُمید افزا ہے، ابھی وہ الفاظ کے الجھاؤ میں پڑے ہوئے ہیں،

خدا وہ دن جلد لائے کہ وہ عالم معنی کی سیر کر رہے ہوں، آج میک ڈوگل و سیکفرسن کی حبیب میں وہ
پڑے ہوئے ہیں، کل خدا کرے میک ڈوگل و سیکفرسن ان کی حبیب میں پڑے ہوں، وہ مجھے فرط
محبت سے ترغیب دے رہے ہیں، کہ میں پھر قیل وقال کی جانب متوجہ ہو جاؤں، لیکن میری
صدق دل سے ان کے حق میں یہ دعا ہے، کہ وہ جلد قال سے گزر کر قال میں قدم کھین، اور
اُس وقت ان پر فی الفلکم افلا تبصرون کی صحیح اور اعلیٰ نفیسات کے اسرار منکشف ہوں، حقائق کا
علم، کتب خانوں کے اندر محفوظ نہیں، اُس کی یافت کی تڑپ اگر دل میں ہے تو بجز ایک اُمی کے نقشِ
قدم پر چلنے، اور علیم و خیر سے اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنے کے اور کوئی سبیل نہیں۔

صد کتاب و صد ورق و زار کن	جانِ دل را جانبِ لدا کن
نہم و خاطر تیز کرد نیست راہ	جز شکستہ می نہ گیر و فضل شاہ
علمائے اہل دل جمالِ ثمان	علمائے اہل تن جمالِ شان
علم را بر ول زنی یار سے بود	علم و ابر تن زنی با سے بود
گفت ایزد بخیل آسفا رہ	بار باشد علم کان بود ز ہو
اسم خود اندی، روشنی را بجو	مرید بالادان نہ اندر آب جو
ہچو آہن ز آہن بیزنگ شو	در ریاضت آئینہ بے زنگ شو
خوش را صافی کن اوٹ خویش	تا بے مٹی ذات پاک صاف خویش

وَاتَّقُوا اللَّهَ، وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

عبد الماجد

۱۰ دسمبر ۱۹۳۵ء

دربار بادشاہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ مؤلف

شکر کہ جازہ بہ منزل رسید کشتی اندیشہ بہ سہاگل رسید

کم و بیش ایک سال کی محنت کا نتیجہ ان اوراق پر نیاں کی صورت میں ہدیہ ناظرین ہے
دیباچے کا جمل ہر کتاب کا ضروری جز سمجھے جاتے ہیں، ان کا مفہوم یہ ہوتا ہے (یا یہ ہونا
چاہیے) کہ مقصد کتاب کا ایک سرسری اندازہ ہو جائے، اور جس ضرورت کی تکمیل کے لیے وہ
وجود میں آ رہی ہے اس کا بھی کم از کم الفاظ میں اظہار کر دیا جائے، پیش نظر کتاب کا دیباچہ یہی
ضرورت پڑتی ہے، اس کا غیر مانوس عنوان ”نفسیات ترغیب“ بجائے خود کسی نہ کسی تشریح
کا محتاج ہے،

”ترغیب“ کے لفظ سے قریب قریب ہر اردو دان واقف ہے، لیکن لوگوں کے ذہن میں
اس کا مفہوم بہت کچھ محدود ہے، کسی پرستہ مذہب شخص کو اس کے قدیمی مذہب کی طرف واپس لانے
کیلئے جو کچھ دلائل استعمال کیے جاتے ہیں، ان کو ہر شخص ترغیب کہے گا، اگر میں ایک بات پر
مصر ہوں، اور میرا دوست مجھے سمجھا بکھا کر اس ارادے سے باز رکھے، تو اس کو بھی لوگ،

ترغیب وہی خیال کرئیے، لیکن کتنے لوگ ہیں، جنہیں اپنے ذاتی خیالات کی کشمکش، خوشی کی چرب زبانی، اشتہارات کے جاذب توجہ عنوانات، موسیقی، نقاشی اور مصوری کے خانوں نمونوں میں ترغیب کا پہلو نظر آتا ہی، حالانکہ یہ باتیں آلہ ترغیب ہیں!

وسیع ترین معنوں میں ترغیب کا مفہوم یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح، خود کو، یا دوسروں کو کسی طرز عمل کی طرف مائل کیا جائے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اپنے نفوس کو سمجھانا، دوسروں کو سمجھانا، یا جذبات اور تخیلات کی وساطت سے انہیں کسی کام کے کرنے پر اور بھارنا، تفریح کی تقریریں، مصنفوں کے مطالب، اشتہارات، باہمی مکالمات، اخبارات کی رائیں، دوکان داروں کا سمجھانا، یہ سب باتیں ترغیب کے وسیع حلقہ میں شامل ہیں، اور انہی کی نفسیاتی تشریح ہماری کتاب کا مقصد ہے،

یوں تو نفس انسانی کے پراسرار اعمال کی واقفیت نتائج مفیدہ سے کبھی خالی نہیں ہوتی، تاہم اس کتاب کے مقاصد میں دو باتوں پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے، (۱) ایک تو یہ ہے کہ خود ہمارا نفس بھی بعض اوقات ہم کو غلط راستہ پر لے جاتا ہے اور ہمارے اطمینان کے لیے عجیب و غریب مکائد سے کام لیتا ہے، خود ترغیبی کے اس مضمر اثر میں اگر اکثر لوگ بلا تامل غراب افعال کر گزرتے ہیں، صفحات آئندہ میں مناسب موقع پر اسکی مثالیں ناظرین کو نظر آئیں گی، اس کا جو علاج ممکن ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ عقل انسانی کے متضاد فیصلوں مناقضات جذبی، اور تخیلات کی ابلہ فریبوں سے لوگوں کو واقف کر دیا جائے۔ واقع ہو نا حالت شعور کو مستلزم ہے، اور شعور کا تقاضا ان افعال سے باز رکھ سکتا ہے دوسرا باب تمام و کمال اسی سے متعلق ہے،

(۲) دوسرا ضروری مقصد یہ ہے کہ عمل ترغیب کی اچھی طرح تشریح کر کے باطل ترغیبات کے

حرکات کو واضح کر کے، لوگوں کو دوسروں کے پُر فریب ترغیبات سے بچنے کی تدابیر بتائی جائیں،
 ترغیبی تحریروں اور تقریروں کا جتنا آجکل زور شور ہے، شاید پہلے کبھی نہ ہوا ہوگا، مسائل حاضرہ
 کی کشاکش اور مختلف آراء کے هجوم کا نتیجہ یہ ہے کہ زعماء قطعاً آزاد ہو گئے ہیں، بعض حضرات
 قیادت کی جدوجہد میں جہد للبقا کو بھی فراموش کر گئے ہیں ہندوستانی پبلک بیدار ضرور ہو گئی ہو
 چنانچہ قصبہ قصبہ سیاسیات کا چرچہ ہی، لیکن یہ بیداری مکمل نہیں ہو، جس طرح کوئی شخص دیر کا
 سویا ہوا پیار ہو کر ہنوز اپنی آنکھیں مل رہا ہو، اور اتنے میں ایک گروہ اس کے چاروں طرف
 جمع ہو جائے، اور ہر شخص مختلف و فریب مناظر کی تصویریں پیش کر کے یہ کوشش کرے کہ پوری طرح
 بیدار ہو کر یہ میری ہی طرف متوجہ ہو، یا ایک اجنبی کسی نئے شہر میں وارد ہو، اور اس کی
 ناواقفیت سے فائدہ اٹھا کر ہر شخص اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہے، بعینہ آج ہمارے ہندوستان
 میں، ہندوستانیوں کی نیم بیداری کی حالت سے فائدہ اٹھانے کے لیے مختلف گروہ موجود ہیں
 اور اسی فکر میں ہیں کہ دیر کے سوئے ہوئے کو چونکتے ہی اپنے پس میں لے آئیں، کونسلوں اور
 میونسپلیٹیوں کے انتخابات پر مصفاۂ نظر ڈالی جائے تو ہمارے بیان کی کافی صداقت ہو سکتی ہو
 اس خرابی کا علاج یہی ہے کہ باطل ترغیبات (انفرادی اور جماعتی) کے خصائص سے
 لوگوں کو روشناس کرایا جائے۔ صحیح و باطل ترغیبات میں فرق بتلایا جائے، اور ان کے
 جائز یا ناجائز ہونے کا ایک معیار قایم کیا جائے، دوسرے میسرے اور چوتھے باب میں اسی کے
 متعلق اظہار خیال کیا گیا ہے، اور پانچویں باب میں اس ضمن میں اشتہارات اور اخبارات
 کی ترغیب پر بھی تحقیق کی نظر ڈالی گئی ہو، ان دو اہم باتوں کے علاوہ ناظرین کو اور بہت سے ضمنی
 مباحث مثلاً سطوت، نفوذ، مکتسب شخصیت، اشارات، موسیقی، نقاشی کے متعلق بھی کافی
 مواد مل سکے گا، اور ترغیب میں ان کی جداگانہ حیثیت، اور ان کے جائز یا ناجائز استعمال کا

طریقہ بھی معلوم ہو سکے گا، باب ہفتم میں کتب اور تقریروں کی ترغیب سے بحث کی گئی ہے اور اصل میں اسی کو عرف عام میں ترغیب کہا جاتا ہے،

اس کتاب کی اصل اساس مشر میکفرسن کی کتاب *Psychology of Persuasion* ہے، لیکن ضرورت کے لحاظ سے حذف و اضافہ سے برابر کام لیا گیا ہے۔ ابواب کی ترتیب میں اصل انگریزی کتاب کی ترتیب کو مد نظر رکھا گیا ہے، لیکن بجائے نوکے آٹھ باب قائم کیئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے علاوہ اور کتب جن سے مدد لی گئی ہے حسب ذیل ہیں۔

نمبر (۱) *Psychology of Conviction Joseph Jastrow*

نمبر (۲) *Social Psychology Macdonell*

نمبر (۳) فلسفۂ اجتماع، عبدالمجید صاحب

نمبر (۴) *Psychology unconscious Jung*

ان کتابوں سے حسب موقع مدد لی گئی ہے، مثالوں کے لیے بعض اخبارات و رسائل کی پُرانی جلدوں سے بھی اقتباسات لئے گئے ہیں،

اگرچہ اصل انگریزی کتاب کا اکثر مقامات پر آزادانہ ترجمہ کیا گیا ہے تاہم اس کتاب کو ترجمہ نہیں کہا جاسکتا، اور وہ محض اس لیے کہ مولف ترجمہ کی پابندیوں اور ذمہ داریوں سے عموماً برآ نہیں ہو سکا ہے، نہ صرف یہ کہ اکثر مثالیں ہندوستانی حالات سے لی گئی ہیں، بلکہ جاچاؤن خیالات کا اظہار بھی کیا گیا ہے جن کا انداز مصنف کی طرف جرم سے کم نہ ہوگا، مولف نے اپنے غور کا مقام ہوتا اگر بجائے تالیف کے اس کتاب کو ترجمہ کہا جاسکتا لیکن انگریزی ڈراموں اور ناولوں کے اقتباسات یا انگریزی سیاسیات کی مثالیں ہندوستانی مذاق پر بار ہوتی ہیں اور توضیح کا مدعا ان سے اتنا پورا نہیں ہو سکتا جتنا کہ اپنے گرد و پیش کے واقعات اور

خود ہندوستان کی فرضی مثالوں کے استعمال سے ممکن ہو سکا ہے، تحریف اور بعض خیالات کی یہ جہاں
اس کتاب کو ترجمہ کہنے سے مانع آتی ہیں،

سب سے اخیر میں ایک ضروری عرض اس کتاب کے نام کے متعلق کرنا ہے، ”نفسیات“
پر دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کو چھوڑ کر ہماری اردو زبان میں صرف دو کتابیں (میر سے خیالیں)
لکھی گئی ہیں، اور وہ دونوں مولانا عبد الماجد صاحب کے قلم کی ہیں، لیکن ان کے نام ”فلسفہ جذبات“
اور ”فلسفہ اجتماع ہیں، ان کتابوں کو ”فلسفہ“ کے لقب سے ملقب کرنے کی وجہ خاکسار مولف کی
سمجھ سے باہر ہے، ممکن ہے کہ یہ محض اس لیے کیا گیا ہو کہ نفسیات یا علم النفس اردو دان حضرات
کے لیے ایک غیر مانوس عنوان ہوتا، موجودہ کتاب کا عنوان ”نفسیات ترغیب“ رکھا گیا ہے
نفسیات کی تشریح کو فلسفیانہ نکتہ فنی نہیں کہا جاسکتا، ضرورت ہے کہ فلسفہ کا پردہ دور کیا جائے اور
صحت تسمیہ کو اس کے عام فہم اور قابل قبول ہونے پر قربان نہ کیا جائے، اُمید ہے کہ آئندہ
جب کبھی بھی ہمارے مصنفین نفسیات کے متعلق کچھ لکھیں گے تو اس کا ضرور لحاظ رکھیں گے۔
کتنا لوگوں کو نفسیات کے نام سے نا آشنا رکھا جائے!

لے ان دونوں سے بہت قبل، پروفیسر انعام علی صاحب بی اے نے ”فلسفہ علم النفس العقوی“ کے نام سے لاہور میں اس
فن پر ایک رسالہ شائع کیا تھا، میری نظر سے یہ کتاب ”فلسفہ جذبات و فلسفہ اجتماع دونوں کی تالیف کے بہت بعد گزری، (عبد الماجد)
لے اردو دین فلسفہ کے دو مفہوم ہیں ایک وسیع مفہوم جس میں عقلی توجہ و تشریح پر فلسفہ کا اطلاق ہوتا ہے، دوسرے محدود و محدود
مفہوم، جس میں فلسفہ علم کی ایک مخصوص صفت کا نام ہے، ان کتابوں کے عنوانات میں فلسفہ اپنے عام و وسیع مفہوم میں استعمال
کیا گیا ہے، اس کے علاوہ نفسیات کو بھی اُس وقت فلسفہ ہی کی ایک شاخ مانا جاتا تھا، اس لحاظ سے نفسیات کی کتاب کو فلسفہ
کی کتاب کہنا اسی طرح درست تھا، جس طرح فن تشریح کی کتاب کو طب کی کتاب کہنا،

اس کتاب کی غامیوں کے متعلق جو صائب رائے دیجائے گی ہشکریہ کے ساتھ قبول کی جائیگی، ترتیب خیالات، انشاء، مثالیں، اور ایسی ہی دوسری باتوں کے متعلق اگر ناظرین مولف کو اپنی قیمتی ہدایات سے مطلع فرمائیں تو اس کی مشکوری کا باعث ہوگا۔

ہاشکری ہوگی اگر اس موقع پر جناب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ایڈیٹر معارف کی مختلف عنایات پر اظہار ممنونیت نہ کیا جائے، جناب موصوف نے نہ صرف اپنے قابل قدر مشورہ سے سرفراز فرمایا ہے، بلکہ موجودہ کتاب کے پہلے دو ابواب کو معارف سے نقل کرنے کی اجازت بھی عطا فرمائی ہے، مجھے فخر ہے کہ یہ کتاب دارالمصنفین کی علمی سرپرستی میں شائع ہو رہی ہے۔ ع

بلبل بہن کہ قافیہ گل شود بس ست

خاکسار مولف

{ ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء
کلیہ عثمانیہ، اورنگ آباد، دکن }

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بابِ اوّل

عملِ ترغیب کی ماہیت اور اسکے اجزائے ترکیبی
ترغیب کی تعریف عملِ ترغیب کی نفسیاتی تشریح،
ترغیب کے عناصر ثلاثہ، جذبہ، ذہن، تخیل، عمل
ترغیب میں ان تینوں کا حصّہ

جذبہ اور استدلال کا تعلق، انسان اور دیگر حیوانات میں اگر کوئی شے مابہ لا تمیاز ہو سکتی ہو،
تو وہ تعقل اور استدلال کا مادّہ ہی، جو قدرت نے انسان میں دویت رکھا ہے، اور جس سے
مؤخر الذکر محروم ہیں، اسی بنا پر حضرت انسان اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کا خطاب
دیئے بیٹھے ہیں، اور حیوانات کو جو جذبہ اور فطرت کی تحریک سے مجبور ہو کر فی الفور کوئی کام
کر گزرتے ہیں نظر حقارت سے دیکھتے ہیں، اور خود ان کی جنس کا کوئی فرد اگر مغلوب العجزات
ہو کر، بغیر منطقی دلائل سے کام لے ہوئے کوئی فعل کرتا ہے، تو اسے انسانیت سے دور، اور
صفات ہیمنہ سے شصت قرار دیتے ہیں، زیادہ مقام تعجب یہ ہے کہ عوام سے قطع نظر خود

قدیم ماہرین نفسیات بھی ہماری زندگی کے عقلی و استدلالی منہ سے بحث کرتے رہے ہیں، بہر حال کسی قدر مقام شکر ہے کہ زمانہ موجودہ میں جو زبردست اضافہ معلومات نفسیات میں ہوا ہے، اوس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسانی زندگی میں جذبات اور دیگر جبلی رجحانات سے بحث کر کے، اون کی اہمیت کے لحاظ سے اون کو ایک علیحدہ درجہ دیا گیا ہے، اور پہلے کی طرح عقل اور استدلال کی قربان گاہ پر ان صفات انسانی کی بھینٹ نہیں چڑھائی گئی ہے،

عقل اور استدلال کو خاص صفت انسانی تو تسلیم کیا جاتا ہے لیکن کیا کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ کتنے فیصدی انسان ایسے ہیں جو ذرا نہ اپنی زندگی میں پہلے ٹھنڈے دل سے کسی فعل کے مختلف پہلوؤں پر نظر آتے ہوں، اور پھر وہ فعل کرتے ہوں؟ برخلاف اس کے کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ انسان کے ہر فعل کی تہ میں، خواہ اُس میں ظاہر کتنی ہی منطق اور استدلال سے کام کیوں نہ لیا گیا ہو، ہمیشہ ایک نہ ایک جذبی یا جبلی محرک کام کرتا رہتا ہے، کیا ایسا کرنا طبع انسانی کے لیے باعث تنگ ہے؟ کیا جذبات کی تحریک، یا فطرت کے غلبہ سے متاثر ہو کر کوئی فعل کرنا انسان کو سبب کے الزام کا شہرہ دار بنا دیتا ہے؟ ہمارا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے، کیا بسا اوقات فوری کام کرنا، اور عقلی اُدھیڑ میں نہ پڑنا، انسان کو فرائض انسانیت کی ادائیگی میں مدد نہیں دیتا؟ کیا جذبات کی فوری تحریک سیانت حیات انفرادی و ملی میں ہماری معاون نہیں ہوتی؟ ایک محتاج تم سے بھیک مانگتا ہے، تمھارے لیے جذبہ رحم سے مجبور ہو کر فی الفور خیرات دینا زیادہ تحسن ہے، یا یہ کہ استدلال اور منطق سے بحث کی جائے، معاشیات کے مسائل پر غور کیا جائے، اور بالآخر یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ اسے خیرات دینا اوس کو مجبور بنانا، اور قوم کے ناکارہ افراد کی تعداد میں اضافہ کرنا ہے؟ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جذبات اپنی شدت اور قوت کے اعتبار سے بعض اوقات ہم پر حاوی

ہو جاتے ہیں۔ اور اکثر لغزشیں اون کی کورانہ تقلید کی وجہ سے سرزد ہوتی ہیں۔ ہم اس سے بھی انکار نہیں کرتے کہ جراثیم بھی زیادہ تر غلبہ جذبات ہی کا نتیجہ ہوا کرتے ہیں، لیکن اس حقیقت کے اظہار سے بھی ہم باز نہیں رہ سکتے کہ اگر کوئی چیز فنون لطیفہ یا سائنس کا منبع اور زندگی کی بہترین نعمات (رحم۔ ہمدردی۔ حب الوطنی اتفاق وغیرہ) کے لیے وسیلہ ثابت ہو سکتی ہو تو وہ چیز جذبہ ہے نہ کہ دلیل منطقی، محض ارسطو اور اہل کے بنائے ہوئے اصول پر دنیا نہیں چل سکتی ہے۔

باہر کمال اندکے آشفستگی خوش است ہر چند عقل کل شدہ بے جنون مباش
جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہیں اس میں شک نہیں کہ ہماری فطرت کے عناصر ترکیب میں جذبات کی حیثیت غیر استدلالی ہے یعنی یہ کہ استدلال اور عقل سے اُن کو کوئی علاقہ نہیں ہوتا، لیکن جذبات کا غیر عقلی ہونا، اون کے مخالف عقل ہونے کو مستلزم نہیں ہے، جذبہ عقل اور دلیل کی ضد نہیں ہے، اور اس کی تحریک استدلال سے بے نیاز سہی، لیکن سراسر مخالف عقل بھی نہیں ہے کہ ہماری آنکھوں پر جہالت کا پردہ ڈال کر ہم کو اندھے کنوئین میں دھکیل دے۔ اس باب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ عمل ترغیب بالاصل ایک جذباتی عمل ہے جو بجائے عقل کے ہمارے جذبات، وجدانات، اور جبلت کے زیادہ زیر نگین ہے، ترغیب کا جذباتی عمل ہونا اس امر کی کافی توجیہ کر دے گا، کہ لوگ اس سے متاثر ہو کر یاد و سرون پر اس کا اثر ڈال کر کیونکر دھوکے کھاتے یا فریب دیا کرتے ہیں، تاہم ترغیب کی اس خاصیت کی بنا پر کہ یہ بدابہتہ جذبات پر منحصر ہے، اس کو استدلال عقلی کا مخالف اور اس لیے قابل تحقیر ٹھہرانا، غلط نتیجہ اخذ کرنا ہے،

ترغیب کی اساس امر ترغیب کا خواہ ذاتی ہو یا صفاتی، ہر حال میں آغاز کسی نہ کسی خواہش یا

یا اعتقاد سے ہوتا ہے، جب کبھی کسی مسئلہ پر ہمارا کوئی ذاتی اعتقاد ہوتا ہے، یا کسی خاص طرز عمل کی پیروی کی خواہش ہمارے دل پر مسلط ہوتی ہے تو ہم فوراً اپنے اعتقاد کو حق بجانب اور اس کی وجہ سے جو افعال سرزد ہوں اور ان کو مستحسن ثابت کرنے کی کوشش میں منہمک ہو جاتے ہیں، یہ اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ ترغیب موضوعی یا ذاتی ہو، یعنی خود اپنے نفس کو دیکھا رہی ہو، موضوعی یا صفاتی ترغیب میں بھی، جو دوسروں کو دیکھتی ہے، عمل ترغیب کے آغاز کی حدیثی اعتقاداً خواہش ہوا کرتی ہے، دیکھو جب ایک خطیب منبر پر سے دریائے نصاحت بہا تا ہے، یا ایک سیاسی مقرر کسی مقصد کی تبلیغ و اشاعت کی غرض سے اپنے سامعین کے دلوں کو بلا دیتا ہے، یا ایک مہرسلطنت ایوان مباحثہ میں گرمی استلال سے اپنے مخالفین کو لاجواب کر دیتا ہے، تو ہر صورت میں آغاز گفتگو سے قبل، ان حضرات کے دماغ میں کسی نہ کسی خواہش یا اعتقاد کا ہیوولی موجز ہوتا ہے، جو ان کے دلائل و براہین کے لیے سرخسہ کا کام دیتا ہے، اور جتنی زیادہ وضاحت اور تیقن کے ساتھ یہ خواہش یا اعتقاد ان کے دماغ میں موجود ہوتا ہے، اسی اعتبار سے ان کی ترغیب کم و بیش موثر ہوتی ہے، خود ترغیبی میں کبھی کسی نہ کسی خواہش یا اعتقاد کا ہیوولی قبل از قبل موجود رہتا ہے جس کو بجا ثابت کر کے، اوپر عمل کو ترغیب ذاتی کا اصل مقصد ہوتا ہے، منطبق اور ترغیب کا فرق، ترغیب، میں چونکہ جھکا کر دلائل و براہین کے استعمال سے لوگوں سے کسی بات کے منوائے کا سوال ہوتا ہے اسلئے اکثر لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس میں اور دلائل منطقی میں کوئی فرق نہیں، یہ غلط ہے، پہلی بات تو یہی ہے کہ دلائل کے استعمال کے علاوہ اور طریقوں سے بھی ترغیب دی جا سکتی ہے، جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ترغیب میں ایک نہ ایک اعتقاد قبل از قبل موجود رہتا ہے، جسے بجا ثابت کیا جاتا ہے، حالانکہ منطق کے معنی تو یہ ہیں کہ آزادانہ اور مضمانہ کسی نتیجہ پر پہنچا جائے، سورن، یا حسن ظن کا اس میں دخل نہیں ہوتا،

ہر استدلال کی غایت یہ ہوتی ہے کہ یا تو دو واقعات میں علاقہ سببیت دریافت کیا جائے، یا کسی واقعہ کی توضیح کر کے عقل یا نقل سے اسے ثابت کیا جائے، فرض کرو تمہارا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ ایک مومن سچی بعض حالات کے ماتحت روشن رہ سکتی ہے، اس کا ثبوت متعدد تجربات دکھانے اور پھر دلیل استقرائی سے کام لینے سے بہت آسانی کے ساتھ فراہم ہو سکتا ہے، اتنی بات تو ہر شخص تسلیم کر لیا کہ منطقی اور عقلی بحث کا اصل مقصد صحیح نتیجہ تک پہنچنا ہوتا ہے نہ کہ کسی نتیجہ کا قبل از قبل تعین کر کے اس کو خواہ مخواہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا، تم شاید یہ اعتراض کرو کہ منطقی بحث کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مفروضہ نتیجہ قائم کر کے، اس کے ثبوت کی کوشش کرتے ہیں؟ لیکن پھر بھی یہ نتیجہ فرضی ہے، اگر ثابت ہو گیا تو نبھا ورنہ دوسرا مفروضہ قائم کر کے بحث کا آغاز کیا جاتا ہے، منطقی دلیلوں سے مظاہر قدرت کی توجیہ یا اون کے ثبوت میں بہت کچھ مدد ملتی ہے، اس لیے کہ اون میں تجربہ کا امکان ہے، مگر انسانی امور میں بالخصوص انسانی ترغیبات میں منطقی طریقوں سے کام لینا ذرا دشوار ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ انسان دلائل سے کام ہی نہیں لیتا، نہیں، بیشک لیتا ہے، خاص کر دوسروں کے افعال کی اچھی طرح چھان بین کرتا ہے، دو ممکنہ صورتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب اون کے باہمی مقابلہ اور موازنہ کے بعد کرتا ہے، دوسروں کے بتلائے ہوئے نتیجوں کو بغیر کافی حرج و تحقیق کے قبول نہیں کرتا، یہ سب کچھ ہے لیکن عمل ترغیب نسبت اس منطقی طریقہ کے زیادہ عام ہے، بجائے اس کے کہ بحث کے بعد کسی عقیدہ کو صحیح یا غلط قرار دیا جائے، پہلے کسی خواہش یا اعتقاد کو تسلیم کیا جاتا ہے اور پھر بحث کی جاتی ہے جو بالعموم یک طرفہ ہوتی ہے، منطقی اور ترغیب کے طریقوں میں یہی وجہ باعث اختلاف ہے،

انسان اور انسانیت کے متعلق جو کچھ بھی ہمارے راسخ اعتقادات ہوتے

ہیں وہ صرف استدلال کا نتیجہ نہیں ہوا کرتے، بہت سے غیر شعوری اثرات، بہت سے غیر استدلالی

اسباب اپنا عمل کرتے رہتے ہیں، اور ہمارے معتقدات پر اثر ڈالتے ہیں، اپنے کسی اعتقاد کو ٹٹو لو اس کا اچھی طرح جائزہ لو، تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کو تسلیم کرنے کی وجہ بجز اس کے تمہارے پاس اور کچھ نہیں ہے کہ تم اس کو اپنی غفی خواہشات کے موافق پاتے ہو یا اسکی وساطت سے تشفی جذبات کر سکتے ہو، یا ماحول اور تعلیم کے اثر کی وجہ سے یہ اعتقاد تم میں مزیت کر گیا ہے، یا یہ ہی اعتقاد تمہارے آبا و اجداد کا تھا، اور تمہارے ہمسایوں کا بھی ہے، لہذا تم کو مانتے ہو، اب نظر انصاف سے دیکھو کہ اس اعتقاد کے تسلیم کرنے میں تم نے کس حد تک منطقی اور استدلال سے کام لیا، کیا اب بھی تم کو یہ ماننے میں آمل ہو گا کہ اس اعتقاد کے متعلق جو کچھ عقل غیب ہوا خواہ خود تمہارے نفس نے تم کو ترغیب دی ہو، یا دوسروں نے، وہ تمہارے شعور سے کم و بیش باہر رہا، ترغیب ذاتی کی بنا کوئی نہ کوئی ایسی خواہش یا اعتقاد ہوتا ہے جو ہمارے لیے خارج از شعور ہے، بسا اوقات کل عمل ترغیب نفس کی لاعلمی اور حالت بیخودی میں واقع ہوتا ہے۔ ہم صریحاً اپنے آپ کو کسی نسل کی ترغیب دیتے ہیں، لیکن نفس واقع نہیں ہوتا، ہمارے شعور کی خرد گہر نفوں وہاں تک نہیں پہنچتیں، غفی جذبات اور خواہشات کی تحریک ہم کو جدھر چاہتی ہے چلی جاتی ہے یہ تو ترغیب ذاتی میں ہوتا ہے، لیکن جب ہم دوسروں کو ترغیب دیتے ہیں تو اگرچہ اس کی محرک بھی کوئی نہ کوئی اعتقاد یا خواہش ہی ہوتی ہے، تاہم یہ ہمارے شعور میں ہوتی ہے، ہمارا نفس نہ صرف اس سے واقف ہوتا ہے، بلکہ دیدہ و دانستہ ایک خاص ترتیب و انتظام کو مدنظر رکھ کر دوسروں پر اپنی خواہش کا سکہ جانا چاہتا ہے، خلاصہ یہ کہ خواہ ترغیب ذاتی ہو، یا صفاقی، ہر صورت میں اسکا مدعا یہ ہوتا ہے، کہ ادن اعتقاد دن اور خواہش دن کو جن کو ہم نہیں ارادہ یا بالارادہ قبول کر چکے ہیں اپنے نفوس سے اور دوسروں کے نفوس سے بھی منو دیا جائے، تاکہ وہ ہمارے شریک خیال یا شریک عمل ہو جائیں،

ہم نے اب تک "اعتقاد" اور "خواہش" ان دو الفاظ کا استعمال اس طرح کیا ہے گویا یہ دونوں الفاظ میں۔ اگرچہ عام گفتگو میں یہ الفاظ مختلف معنی رکھتے ہیں، لیکن جہاں تک ترغیب کے نقطہ آغاز کا تعلق ہو ان کی حیثیت اور ان کا مفہوم ایک ہی ہے جس کیفیت نفس سے ترغیب کا آغاز ہوتا ہے۔

اوس میں دو عناصر رہائے جاتے ہیں، ایک عنصر ذہنی ہوتا ہے اور اسے ہم لفظ اعتقاد سے تعبیر کرتے ہیں دوسرا عنصر ذہنی نہیں بلکہ زیادہ تر عملی ہوتا ہے یعنی اس کا تعلق کم و بیش انسانی طرز عمل اور افعال سے ہوتا ہے، اس عملی عنصر کو "خواہش" کا نام دیا جاسکتا ہے، کہنے کو تو دونوں میں مذکورہ بالا فرق ضرور ہے، لیکن ترغیب کی اساس دونوں کیسان طور پر بن سکتے ہیں، فرض کرو کہ ایک سیاسی مقرر ہندوستان میں سو راج کے مسئلہ پر گفتگو کر رہا ہے۔ اور لوگوں کو اس کے حصول کے لیے اپنی جدوجہد کی تلقین کر رہا ہے، اس کی ترغیب کی اساس جو ہے اسے خواہش یا اعتقاد دونوں نام دیے جاسکتے ہیں، اس کا اعتقاد ہے کہ ہندوستان کو سو راج ملنا چاہیے، نیز اس کی خواہش ہے کہ ہندوستان کو سو راج مل جائے، دونوں کے دونوں کیسان طور پر ہمارے مقرر کے دلائل کا مشہد بن سکتے ہیں، دونوں میں مخاطبین کے کسی آئندہ طرز عمل میں آئینی جدوجہد کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، مقرر کا منشا یہ ہے کہ اپنے سامعین کو اس طرز عمل کی پیروی کرنے کی ترغیب دے۔

ترغیب کا اثر اعمال، افعال انسانی پر | مسئلہ ترغیب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں طرز عمل اور افعال انسانی سے کم و بیش بحث ضرور ہوتی ہے، مثال کے طور پر جہاں گا ندھی کے ترک موالات کی تحریک کو، ادھون نے نہایت غور و خوض کے بعد، یا کسی ہمدردانہ جذبہ کی تحریک سے نتیجہ اخذ کیا کہ ہمارے قومی قول اور ترقی کے لیے اگر کوئی آلہ کارگزنا بت ہو سکتا ہے تو ترک موالات ہے، اس اعتقاد سے آغاز کر کے ادھون نے ترغیب یا اصطلاحی زبان میں کار تبلیغ و اشاعت شروع کیا اور ایک شخص سسی زید کو ترغیب دی کہ ترک موالات ضروری ہے، اب اگر ہمارا فرضی زید مہاتما گاندھی کی ہوجوگی

میں اپنے کو ترک موالات کا حامی ظاہر کرے، اور اُسی روز اپنے بچوں کے لئے ولایتی کپڑا خریدے تو کیا تم کہہ سکتے ہو کہ مہاتما جی کی ترغیب کامیاب ہوئی؟ ہرگز نہیں، اگر ترغیب کامیاب ہوتی تو زید کے طرز عمل میں بھی کوئی نہ کوئی تبدیلی ضرور پیدا ہوتی پھر اب فرض کرو کہ مہاتما جی کی تقریر نے زید کی قوتِ تخیلہ پر قبضہ پالیا ہے ان کے طرز بیان نے اس کے جذبات پر اثر کیا، اور اون کے استدلال نے اُسے اون کی تجویز کی معقولیت کا قائل کر دیا، اب زید کی کیا کیفیت ہوگی، دیکھو وہ ولایتی کپڑے کی دوکان کی طرف جا رہا جو راہ ہے کہ کچھ کپڑا خریدے، جا تو رہا ہے لیکن دل میں خیالات کا جھوم ہے، مہاتما جی کے یہ الفاظ:-

”بھائیو اپنے دس کپڑا خریدو، اس سے تمہارے غریب بھائیوں کا بھلا ہوگا تمہاری قومی دولت تمہارے ہی دس میں رہے گی“

اوس کے کانون میں گونج رہے ہیں، ان خیالات نے زید پر اثر کیا اور وہ دفعۃً مرک گیا کچھ دیر سوچتا رہا، اور پھر واپس لوٹ آیا، اب البتہ تم کہہ سکتے ہو کہ مہاتما جی کی ترغیب موثر ہوئی، کیونکہ نہ صرف زید کا اعتقاد یا اوس کی خواہش بلکہ اوس کے طرز عمل اور افعال پر بھی اثر ہوا،

ترغیب میں طرز عمل پر اثر کرنے کی ایک خاص صفت ہے، اسی وجہ سے مسئلہ ترغیب کی اہمیت بہت کچھ ہے اور اپنے انباتے ملک و وطن کو باطل ترغیبوں کے مفسد اثرات سے بچانا یا اون کو اچھے طرز عمل کی پیروی کی ترغیب دینا ہر وطن خواہ کا فرض ہے،

ترغیب کے عناصر ترکیبی (۱) جذبات و جذبات کا عمل، (۲) ہمارے ترغیب کی اساسی خواہشات اور اعتقادات اور مستقبل کے طرز عمل کا بیونی قائم کرنا یہ فطرت انسانی کے جذبی عناصر پر منحصر ہے بلکہ محرکات عمل کی تین کسی نہ کسی جبلی خاصہ، جذبہ، یا جوش کا پایا جانا لازمی ہے، یہ اندرونی تین ہمارے ترغیب کو قوت پہنچاتی ہیں اور میں ایک خاص طرز عمل کی طرف ایجاباتی ہیں، ہم ہرگز

کسی ایسے اعتقاد یا خواہش کو قبول نہیں کر سکتے، نہ کسی ایسے طرز عمل کی پیروی کر سکتے ہیں جو ہمارے جذبات کا ہم آہنگ نہ ہو، ایک شخص دوران جنگ میں اپنی خدمات فوج میں پیش کرتا ہے، ہمارے دوست کی اس خواہش کو خدا معلوم کون کون سے جذبات تحریک دے رہے ہوں، ممکن ہے کہ ایک بد مزاج بیوی سے پیچھا چھڑانے اور چند روز اطمینان کی زندگی بسر کرنے کے شوق میں اس نے وطن چھوڑنا گوارا کیا ہو، ممکن ہے کہ نام آوری اور اپنے ہم خیموں میں ممتاز حیثیت رکھنے کے شوق نے اس کو آمادہ کیا ہو، یا اس کے دل میں سیر و سیاحت کا خیال جائزین ہوا ہو، ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی بھی نہ ہو، بلکہ خالص جذبہ حب الوطنی سے متاثر ہو کر یا ادنیٰ کی فرائض انسانی کے جوش میں اس نے فوجی ملازمت کی نیت کی ہو، بہر حال کوئی بھی صورت کیون نہ ہو، اس خواہش کی تکمیل کے لیے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ علاوہ ذہنی اور خارجی اثرات کے اسکے دل پر کوئی نہ کوئی جذبی تحریک مسلط ہونی چاہیے، خواہ اس کی قوت محکم ہو یا زیادہ، اس کی موجودگی لازمی ہے، ترغیب کی کامیابی کا جذبی تحریکات پر یہ لازمی انحصار، اس میں اور منطق میں ایک اور اختلاف کا بھی پتہ دیتا ہے، اور وہ یہ جو کہ منطق میں جذبات کا ثابہ قابل اعتراض سمجھا جاتا ہے، حالانکہ ترغیب میں اس کی موجودگی ضروریات میں سے ہے،

ترغیب اور منطق میں باہمی انظرین تھوڑی سی مشابہت بھی پائی جاتی ہے،

اور وہ یہ کہ دونوں میں فیصلوں کا وجود ہوتا ہے، غور سے دیکھا جائے تو یہ مشابہت بھی محض سطحی ہے حقیقی نہیں، اس لیے کہ دونوں کے فیصلوں میں بھی زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے، منطق کے فیصلے باہم مربوط، توالی و تواتر لیے ہوئے ہوتے ہیں، برخلاف اسکے ترغیب کے نام نہاد فیصلوں میں توالی و تواتر و کنار باہمی ربط کا پتہ بھی نہیں ہوتا، اگر اوں میں یہ صلاحیت ہو کہ ہمارے

پیش از پیش قرار دادہ نتیجہ تک ہم کو پہنچا دیں، تو وہ قابل قبول خیال کیے جاتے ہیں، خواہ ایک فیصلہ دوسرے سے متضاد ہی کیوں نہ ہو، اگر یہ صلاحیت نہ ہو، تو اوصاف میں رد کر دیا جاتا ہے، غرض کہ ترغیب میں فیصلے یک طرفہ ہوتے ہیں، فریق ثانی کی آواز پر خواہ وہ کتنی ہی منصفانہ کیوں نہ ہو کان نہیں دہرے جاتے۔ ع

راحت میں جو غل ہو وہ کاٹنا ہے راہ کا

ہم ذیل میں ترغیب ذاتی، کی ایک مثال درج کرتے ہیں جس سے فیصلوں کا ایک طرفہ عمل اچھی طرح سے ظاہر ہو جاتا ہے،

”انگلستان کے ایک مشہور اخبار نے کسی عورت کا قصہ لکھا تھا جس پر دھوکہ دینے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا تھا، واقعہ یہ تھا کہ اس عورت کی چند نوجوان فوجی افسروں سے اتفاقیہ ملاقات ہو گئی اور اب اس کو یہ فکر ہوئی کہ ان لوگوں سے ربط و منبط بڑھ جائے تاکہ سوسائٹی میں شہرت حاصل ہو، چونکہ روپیہ کی طرف سے عاجز تھی اور اچھا لباس اس قسم کی ملاقاتوں کے لئے ضروری تھا، اسلئے ترکیب یہ سوچی گئی کہ چند مشہور دوکانوں میں جا کر اپنے آپ کو سریر آوردہ لوگوں کا رشتہ دار ظاہر کیا جائے اور قرض سامان وصول کیا جائے، چند روز اس طرح کام چلتا رہا، بالآخر جب دوکانداروں نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ معزز لوگوں سے رشتہ تو درکنار یہ عورت ان سے تعارف بھی نہیں رکھتی، بالآخر فریب دہی اور دغا کے الزام میں گرفتار ہوئی۔“

اس مثال میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس عورت نے جو ترغیب اپنے نفس کو جھوٹ اور دھوکہ دینے کی دی، اس کا آغاز اس اعتقاد سے ہوا کہ فوجی افسروں سے دوستی قائم رکھنے کے لئے اچھا لباس ناگزیر ہے، خود اس عورت نے جو بیان عدالت کے روہر دیا، وہی ظاہر کیا کہ گزشتہ دو مہینوں سے میرا تعارف چند فوجی افسروں سے ہے اور اس تعارف

بڑھانے کے لیے میں نے اچھا لباس حاصل کرنے کی خواہش کی، سب سے زیادہ توجہ طلب بات
 اس مثال میں یہ ہے کہ جیسے ہی یہ اعتقاد اس کے دماغ میں جاگزین ہوا اور خود ترغیب کا آغاز
 ہوا ویسے ہی اسکے شعور نے ہر اس خیال کو جو کسی طرح بھی اس مقصد کے حصول میں مائل ہوتا
 ہوتا شروع کیا اور صرف وہی دلائل اور فیصلے قبول کیے گئے جو ترغیبی جذبات کے مخالف تھے،
 یہ تو خیر خود ترغیبی کی مثال ہوئی، دوسروں کو جو ترغیب دیجاتی ہے، اس میں بھی
 یہی عمل ظہور پذیر ہوتا ہے، ہر مقرر جس کا مقصد لوگوں کو ترغیب دینا ہوتا ہے، اس قسم کے
 فیصلوں سے کام لیتا ہے، اور ان میں صرف اسی حد تک باہمی ربط اور تسلسل پایا جاتا ہے
 جہاں تک کہ وہ مقصد برآری میں مفید ثابت ہوں، یہ ہی وجہ ہے کہ ان حضرات کی ترغیبانہ تقریریں
 جو اپنے آپ کو مبلغ کہتے ہیں خواہ بظاہر کتنی ہی حسین اور سنجیدہ کیوں نہ ہوں لیکن پھر بھی ایسے
 دلائل رکھتی ہیں جو ترغیبی جذبات کو کر سکتے ہیں لیکن کسی منطقی استدلال کی تاب نہیں لا سکتے
 اگر تمہاری ترغیب کا منشاء یہ ہے کہ تمہارے مخاطب تمہارے حسب خواہش عمل کریں تو اس
 وقت تک یہ ترغیب کارگر نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ مجوزہ فعل ان حضرات کے جذبات کی ترغیبی
 نہ کر سکے، جن فیصلوں سے عمل ترغیب میں کام لیا جاتا ہے وہ یا تو رغبت و رضامندی کے
 منظر ہوتے ہیں، یا ناراضی کے، اگر ہمارا فیصلہ اظہار رضامندی کر رہا ہے تو یقیناً اس کی تہ میں
 تعریف، احسان، عزت، خود دہاری، حب الوطنی یا اسی قبیل کے دیگر جذبات پائے جائیں گے
 برخلاف اس کے ایسے فیصلوں کی تہ میں جو ناراضی کے منظر ہیں، ندامت، ملامت، نفرت
 غصہ یا خوف وغیرہ کا لگاؤ پایا جائیگا، اب تک ہماری بحث ان جذبات سے رہی ہے جو محرک
 ترغیب ہوتے ہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ وجدانات میں یہ صلاحیت کہاں تک پائی جاتی ہے،
 وجدان اور میل ترغیب، جذبات اور وجدانات میں نفسیاتی نقطہ نگاہ سے یہ فرق ہے

کہ اول الذکر ہمارے اوں الغماۃ فطری کا نتیجہ ہیں جن کا تعلق استثنائاً یا اشارت سے ہوتا ہے ان کا دور دورہ بہت تھوڑی مدت تک رہتا ہے، اور ان کے اثرات عارضی ہوتے ہیں۔ جذبات کی تحریک فوری ہوتی اور بہت کچھ پُر زور بھی، لیکن ان کی قوت بہت جلد زائل ہو جاتی ہے اور اسی وجہ سے ان کی تحریک سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں، اوں میں قیام، ارادہ و تنظیم کا وجود نہیں ہوتا، ترغیب کا اثر جذبات کے لیے بائگ جس کا حکم رکھتا ہے، اور خون، غصہ، نفرت، استعجاب، محکومیت، حکومت، توصیف، دہشت، عظمت، کراہیت، تنفر، غرض کہ تمام جذبات کی فوج خفہ ترغیب کی تحریک پا کر کربتہ ہو جاتی ہے اور ہمارے عقیدوں، خواہشوں اور افعال کو اپنے زیرِ نگیں کرنے اور اس طرح ترغیب کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ وجدان مختلف جذبات کے منظم مجموعہ کا نام ہے، اور اتنی بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مختلف جذبات انفرادی طور پر اتنے زبردست محرک نہیں بن سکتے جتنے کہ اس حالت میں ہوتے ہیں، جب یہ سب کے سب کسی وجدان کے حلقہ میں ایک خاص نظام ترکیبی کے ساتھ موجود ہوں، اور ان میں تنظیم و ترتیب پائی جائے ذیل کی مثال سے جذبہ اور وجدان کی اہمیت ظاہر ہو جائیگی۔ فرض کرو ایک مقرر کسی مجمع کے روبرو جنگ کے متعلق تقریر کر رہا ہے اور لوگوں کو ترغیب دے رہا ہے کہ ملک اور بادشاہ کی حفاظت کے لیے اپنی اپنی خدمات بحیثیت رضا کار پیش کریں، مقرر کی اس ترغیب کی بنیاد محب وطنی ہے، اور اس وجدان سے مدد لیکر وہ سامعین کے اپنے حسبِ منشاء عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، چونکہ وجدان حبِ وطنی میں بہت سے جذبات مجتمع ہیں لہذا ہمارے مختلف طریقوں سے ترغیب دے سکتا ہے، اپنے سامعین کے سامنے یہ بیان کرے کہ دشمن کی قوت زبردست ہے، وہ ہمیں فتح کرنے کی قدرت رکھتا ہے، ہمارے پاس اس کے مقابلہ کے لیے فوج نہیں اور جب تک آپ لوگ مدد نہ دینا انجام شکست و تباہی ہے۔

وہ اون کے خوف اور تردد کے جذبات کو بیدار کر سکتا ہے، کبھی یہ کلمہ ”دشمن نے ہماری حکومتوں کی عصمت دری کی، ہمارے بچوں کو تہ تیغ کیا.....“ وہ سامعین کے جذبات رحم، نفرت، ملامت اور دہشت کو براگھنٹہ کر سکتا ہے، کبھی اس طرح اپیل کر کے ”کیا آپ لوگ دشمن کو بغیر انتقام لیے چھوڑ دیں گے، کیا ہماری تباہ شدہ کمیتیاں، مسارعمارات، یہ سب بغیر بدلہ کے رہیں گے“ وہ غصہ و انتقام کے جذبات کو اشتعال دے سکتا ہے، کبھی اسلاف کی شاندار روایات یا دیگر اقوام کے کارنامہ سنا کر وہ جذبہ غیرت اور خودداری کو جوش میں لاتا ہے، اب دیکھو کہ مذکورہ بالا نو جذبات میں سے ہر ایک فرد و افراد ہمارے مقرر کے حسب خواہش طرز عمل کا محرک بن سکتا ہے، لیکن جب یہ ہی گونا گوں جذبات کسی ایسے وجدان (محب لوطی) کے اجزائے ترکیبی ہوتے ہیں جو سالہا سال بلکہ صدیوں کی سماجی زندگی کا نتیجہ ہے تو اون کی مشترک قوت بہت کچھ ہو جاتی ہے، اون اعتقادات کی جو زمانہ کے اثر سے پختہ ہو کر روایات بن گئے ہیں، اہمیت عمل ترغیب میں بہت زیادہ ہے، اور ضم شدہ جذبات ان انفرادی جذبات سے کمین زیادہ موثر ہوتے ہیں جو آدمی بگولے کی طرح اٹھتے ہیں، لیکن تھوڑی دیر کے بعد اپنی قوت سے خود ہی فنا ہو جاتے ہیں،

جذبات اور وجدان کی ترغیب میں جداگانہ اہمیت ہے، لیکن سب سے زیادہ ضروری بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ خواہ جذبہ ہو، یا وجدان یا اندرونی محرک، ترغیب میں جذبی عنصر لازماً پایا جاتا ہے، اگرچہ اس کا محل ظہور اور اس کی ظاہری حیثیت کچھ ہی کیون نہ ہو، یہ جذبی عنصر کبھی ”الہام فطری“ کہلاتا ہے، کبھی ”رجحان“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، کبھی اپنے اصلی لباس میں بحیثیت جذبہ کے نمودار ہوتا ہے، کبھی وجدان میں نظر آتا ہے۔

بہر ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من اندازِ قدرت رامی شنا سم

غرض یہ کہ اسکا پایا جانا ضروریات میں سے ہے اور اگر عمل ترغیب کو صورت مابین تو یہ اس کا

ہیوٹی ہے، چراغِ فرض کرین تو اوس کا نور ہے، سائیس خیال کرین تو یہ اسکی اولیات میں ہے،
 ترغیب کا دوسرا عنصر ذہن کا عمل | ابتک ہم نے عمل ترغیب میں جذبہ کے وجود سے بحث
 کی ہے، لیکن عنصرِ جذبی کا وجود عنصرِ ذہنی کے عدم کو مستلزم نہیں ہے، اور یہ قیاس کرنا کہ ترغیب
 میں کسی ذہنی عنصر کا وجود نہیں ہوتا، غلطی ہوگی، ہم بتا چکے ہیں کہ ترغیب کے فیصلے منظرِ ضمندی
 یا رغبت ہوتے ہیں، یہ کننا ہی اون میں عنصرِ ذہنی کے شاہد کا پتہ دیتا ہے، آئندہ سطور میں اس عنصر
 سے بحث کی جائیگی، اور عمل ترغیب میں اس کا حصہ دیکھا جائے گا، پہلے اوس کے وجود کا ثبوت
 پیش کیا جاتا ہے،

ندہی و اعطون کی ترغیب میں موجودہ لامذہبی اور بکرداری کی درستی کی نظر
 اشارہ ہوتا ہے تارکینِ مولات کی ترغیب میں ہندوستان کی موجودہ غلامی اور مغلیں کا تصور
 موجود ہوتا ہے تارکِ منیات کی ترغیب میں شراب کے مضر اثرات، کا خیال مضر ہوتا ہے، غرض کہ
 ہر خواہش یا اعتقاد میں جو ترغیب کی اساس بنتا ہے کسی موجودہ صورتِ حالات کا ذہنی تصور
 ضرور موجود ہوتا ہے جس کو کہ ترغیب دہندہ اپنی ترغیب کے ذریعے بدلوانا چاہتا ہے، اگر یہ
 ذہنی تصور واضح اور روشن ہے، تو ترغیب بھی واضح اور موثر ہوگی، برعکس اس کے اگر ترغیب
 دینے والے کافہ میں موجودہ حالت کا تصور مبہم اور گنجلک ہے، تو اس کی ترغیب بھی اسی
 اعتبار سے مبہم اور چھپدہ ہوگی، گویا کہ ترغیب کی کامیابی بلکہ اس کے آغاز کا انحصار صورتِ حالات
 کے صاف اور واضح ذہنی تصور پر ہے، دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ عنصرِ ذہنی کا پایا جانا ضروری ہے
 جہاں یہ تصور مکمل نہیں ہوتا وہاں ترغیب بھی زیادہ کامیاب نہیں ہوتی، کیا ایک ایسے شخص کی ترغیب
 جس کے ذہن میں بایسکوپ کے مضر اثرات کا تصور تک نہیں ہے، ہم کو بایسکوپ دیکھنے سے
 روک سکتی ہے؟ یا ایک ایسے تنگ نظر مبلغ کی ترغیب جس نے صرف ایک شب تیسروں کے

اس کو مذموم اور مخرب اخلاق قرار دے دیا ہو واضح اور مفصل ہو سکتی ہے، ہمارا خیال ہے کہ ان دونوں صورتوں میں ترغیب کی کامیابی ذرا دشوار ہے، اگر یہ موثر ہو بھی، تو محض ان اصحاب کے لیے جو پہلے سے ان حضرات کے ہنجیال ہیں اور ان کی ہر بات پر آمنا و صدقہ لکھتے ہیں،

خود ترغیبی چونکہ ایک موضوعی عمل ہے (*Subjective*)

اس لیے اس میں صورت حالات کا ذہنی تصور و ترک، کی صورت میں ہوتا ہے، یعنی میں خود کسی حالت کو سمجھ کر اپنے نفس کو ترغیب دیتا ہوں، دوسروں کو جو ترغیب دیکھتی ہے نہیں یہی کام "احضار" (*Presence*) یا گفتگو سے لیا جاتا ہے تاکہ اذ کو بھی درک دلایا جاسکے، یہ تو شخص تسلیم کرے گا کہ احضار واقعات کے لیے مختصر ذہنی کی موجودگی

لازمی ہے، بیان یا گفتگو کا ترغیب میں اہم حصہ ہے، اس کے کرشمے خاص طور پر عدالتوں میں دیکھنے میں آتے ہیں۔ وکلاء کی بحث ترغیب کا آلہ ہوتی ہے، جو خوبان کسی فاضل وکیل کے بیان میں پائی جاتی ہیں جامعیت، صحت، مناسب تسلسل واقعات اور رابطہ خیالات ہیں ایک قابل ایڈوکیٹ اپنی تقریر میں اس بات کا لحاظ رکھتا ہے کہ مقدمہ کے تمام اہم واقعات بیان کر دیئے جائیں، کسی ضروری واقعہ کا اخصار بفضل وقایہ نامی کامی کا باعث بھی ہو جاتا ہے پھر واقعات کی تفصیل کا ہونا بھی ضروری ہے، ظاہر ہے کہ مقدمات جرائم میں جب تک کہ واقعات کا بیان بمطابق موقع و وقت واردات بے کم و کاست نہ کیا جائے، اندیشہ ہے کہ استدلال ناقابل قبول ہو، اور مقدمہ کا فیصلہ مخالف ہو، مختلف واقعات میں صحیح تناسب کا لحاظ بھی ضروری ہے، اہم واقعات پر زور دینا ہوتا ہے، بیان میں ترتیب و توازن کا خاص خیال رکھا جاتا ہے، اب خود کر دو سب باتیں فی الحقیقت ذہن سے متعلق ہیں اور ہر عمل ترغیب میں ان کا کم و بیش وجود ضرور ہوتا ہے، اس سے مختصر ذہنی کی ترغیب کے عمل میں موجودگی لازماً ثابت ہوتی ہے،

مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ یہ عنصر ذہنی کہی استنباطات سے

کی شکل میں بھی ظاہر ہوتا ہے، جب تکمیل مقصد کی دہش نظر صورتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کیا جائے، مثال کے طور پر فرض کر دیمیری صحت خراب ہوتی جا رہی ہے اور میں اس کی ترقی کی کوشش کرتا ہوں، بجالی صحت کے لئے میرے سامنے دو تجویزین ہیں اولاً یہ کہ میں کالج تعطیل لیکر دیہات چلا جاؤں، ثانیاً یہ کہ میں کسی مقامی طبیب سے رجوع کروں، اب میں دونوں صورتوں میں سے اسی کا انتخاب کروں گا جس میں میرے مقصد بجالی صحت کی تکمیل کی زیادہ صلاحیت ہو، چنانچہ میں استنباط عقلی سے کام لیکر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں چونکہ میں ضرورت سے زیادہ ٹینس کھیلتا ہوں اور کھلے میدان میں ورزش کرتا ہوں لہذا میری صحت خراب ہو گئی ہے اور میں کسی مقامی طبیب سے علاج کراؤں گا، ظاہر ہے کہ میری اس ترغیب ذاتی میں استنباط عقلی سے کام لیا گیا اگر بجائے اس صورت کے دوسری کا انتخاب کیا جاتا تو بھی یہی ہوتا، ترغیب میں عنصر ذہنی کی موجودگی کا یہ دوسرا ثبوت ہے،

دوسروں کی ترغیب میں بھی یہی ذہنی عنصر پایا جاتا ہے، ہم وکیلوں کی تقریر کو مثلاً پیش کر چکے ہیں، کوئی سی مثال بھی ترغیب لفظی (تحریری یا تقریری) کی لو، اس میں استقرائی و استخراجی دلائل نظر آئینگے، تمثیلات، توالی و تواتر، علاقہ بسویت کا وجود بھی اکثر ہوگا، یہ سب چیزیں تدلل سے متعلق ہیں،

اس موقع پر یاد رکھنا چاہیے کہ ہم ترغیب کی ظاہر منطقی ترتیب، توالی و تواتر وغیرہ کے متعلق پہلے کہہ چکے ہیں کہ انکا استعمال محض سطحی ہوتا ہے، اور تشفی جذبات کی صلاحیت پر ادون کے قبول اور رد کا انحصار ہوتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے کہ ترکہ منشیات کی ترغیب انگلستان کی آبادی کے ایک حصہ کو منطقی نظر آتی ہے، ان میں جن دلائل سے کام لیا گیا ہے وہ بھی کل وجہ تشفی بخش نظر

آتے ہیں لیکن وہی ترغیب آبادی کے دوسرے حصہ کو غیر استدلالی بلکہ محل معلوم ہوتی ہے، وہی ایک شخص جب ایک جمع کے سامنے شراب کی خورامیان بتاتا ہے تو لوگ اُس کی باتوں کو قبول کرتے ہیں اور شراب سے توبہ کرتے ہیں، لیکن دوسرے موقع پر اسی مقرر پر حملہ کیا جاتا ہے اور اسے زد و کوب کیا جاتا ہے، چنانچہ ترک شراب کی تحریک کے بانی ڈاکٹر لپسی فٹ، "جانسن کے ساتھ سی واقعہ پیش آیا اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ تو کہا نہیں جاسکتا کہ ان دو فریقوں کی سمجھ و غلطیوں میں بہت کچھ اختلاف ہے، پھر کیا سبب ہے؟ محض یہ بحث کی ایک اہم کڑی (یعنی ترک منشیات کی جذبات سے ہم فوٹی) فریق اول کو صاف نظر آتی ہے لیکن فریق دوم کی نظروں میں اس کڑی کا وجود نہیں اور اسلئے ان کو بحث غیر منطقی اور غیر استدلالی معلوم ہوتی ہے،

جذبہ اور ذہن کا باہمی تعلق **ترغیب** کے ان دونوں عناصر ترکیبہ (ذہنی و جذبی) کا عمل علیحدہ نہیں ہوتا، اصلیت یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے میں فہم ہو جاتے ہیں، اور ایک اثر دوسرے پر پڑتا ہے، عنصر جذبی کا اثر عنصر ذہنی پر یہ ہوتا ہے، کہ جذبہ اپنی تشفی کے لئے استدلال کو قابو میں کر لیتا ہے، اور اس سے وہ ہی فیصلہ صادر کرتا ہے جو اس کے ہم آہنگ ہوں، اس کی مثال انگلستان کی ایک عورت کے رویے سے دیکھا جاسکتا ہے اس طرح سے ذہن کا اثر بھی جذبات پر ہوتا ہے، مثلاً خوش اسلوبی سے کسی نقطہ خیال کا بیان کر کے فصاحت اور وضاحت سے اپنے حسب منشا ترغیب دیکر ہم دوسروں کے جذبات کو اپنا ہم فو بنا لیتے ہیں، اس کی مثال آجکل ہندوستان میں کثرت سے نظر آتی ہے، استدلال سے ہمیں اپنے جذبات پر قابو پانے میں ہی بڑی مدد ملتی ہے یہ اس طرح سے کہ ایک جذبہ کی مخالفت میں استدلال، دوسرا قوی تر جذبہ کھڑا کر دیتا ہے، اور اول الذکر کے اثر کو زائل کر دیتا ہے، مثلاً جذبہ بغضب سے متاثر ہو کر ہم خود کو اپنے دشمن کے قتل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، لیکن استدلال اس جذبہ کی مخالفت میں جذبہ خوف کو سامنے لا کر کھڑا کر دیتا ہے، اور قتل کے نتائج (یعنی پھانسی پانا) سے خوف زدہ ہو کر غضب کا

جذبہ دہ جاتا ہے، استدلال ایک دوسرا طریقہ بھی جذبہ غضب کو توڑنے کا استعمال کر سکتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ شخص منسوب کو قابل عزت و توقیر ثابت کر دے، اور اس طرح یہ جذبہ اوس کی ذات سے منتقل کر دیا جاتا ہے، اس کی مثال لارڈ چیتھم (Chatham) کی تقریر سے ملتی ہے، جب جنگ آزادی امریکہ کے زمانہ میں انگلستان کی پارلیمنٹ میں امریکہ کے خلاف غصہ و غضب کے جذبات موجزن تھے، اور مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ باغیوں کی سرکوبی کے لیے ممالک غیر سے فوجی مدد مانگی جائے، تو لارڈ چیتھم نے جو صلح کی پالیسی کے موید تھے، اپنے سامعین کے قلوب پر ادل تو انگلستان کی شکست کی خیالی تصویر کھینچ کر نفوت کا جذبہ طاری کیا اور پھر حسب ذیل الفاظ میں او کو جنگ سے باز رکھنے اور دول خارجہ سے فوجی امداد مانگنے کی ترغیب دی:-

”امریکی نوآبادیات اپنی آزادی کے لیے ہر سربیکا رہیں، آزادی ہر شخص کا فطری حق ہے، ہیننگی

حب الوطنی کی قدر کرنی چاہیے، اور انکی مثال سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔“

مزید یک تشریف غفرلہ! **جذبہ اور ذہنی عناصر** کے علاوہ جو اب تک ہماری بحث کا مرکز رہے ہیں ایک تیسرا عنصر بھی عمل ترغیب میں شریک ہے اور وہ تخیل ہے، یہ تخیلی عنصر بقیہ دو سے بہت کچھ مربوط ہے اور اپنے اثر سے کبھی تو عنصر ذہنی کے عمل یعنی درک حالات کو بدل ڈالتا ہے، اور کبھی اپنی اختراعی خصوصیت سے کام لیکر عنصر جذبہ کو متاثر کر کے جذبات کی قوت کو گھٹاتا یا بڑھاتا ہے، ہر خواہش یا اعتقاد جس عمل ترغیب کا آغاز ہوتا ہے، جان ایک طرف جذبات کی ہم نوائی حاصل کرتا ہے اور دوسری طرف درک حالات سے مدد لیتا ہے، وہاں تیسری طرف وہ بالخاصہ ہمارے دماغ میں پڑتا حال خیالی تصویریں پیدا کرتا ہے، ہمارا فرضی زید جو ہمارا گاندھی کی ترغیب کی وجہ سے تارک موالات ہو گیا ہے۔ اپنی تخیل سے کام لیکر اپنے دماغ کے سامنے ملک کی موجودہ عسرت و فحالت کا خیالی نقشہ لاکر، یا محصولِ سوراخ کی صورت میں ملک کی آئندہ سرسبزی، خوشحالی اور آزادی کی

خوشنما تصویر اپنے تخیل کی بدولت کھینچ کر اپنے عقیدہ کو اور پزور بنا سکتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ
شد و مد کے ساتھ ترک موالات کا حامی ہو جاتا ہے، اسی طرح سے اگر کوئی شخص تعین نیک انفعال
کی تلقین کرے اور دوسرے تلقین کے ساتھ ساتھ اس حالت کا ایک غٹھا بھی کھینچے جو تلقین پر عمل
کرنے کی صورت میں ظاہر ہوگی تو یقیناً تمہارے دل پر موخر الذکر کی ترغیب کا اثر بہ نسبت پہلے
شخص کے زیادہ ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے شخص نے غصہ و غلیب سے بھی کام لیا، جو لوگ
قرآن حکیم کی مادی مثالوں پر اعتراض کرتے ہیں وہ انفعال نیک کی تشویق و ترغیب میں تخیل کے
اس اہم اثر کو نظر انداز کر دیتے ہیں تخیل کا ایک خاصہ یہ ہے کہ اس کی وساطت سے خواہشات
اور اعتقادات قومی ترین جاتے ہیں،

ہر اعتقاد و نہ صرف اپنی مناسب حال خیالی تصویریں دماغ کے سامنے لاتا ہے
بلکہ اس کا ایک اور خاصہ یہ بھی ہے کہ ان تخیلات کا جو اسکے مخالف ہوں شعور کے سامنے
گذر بھی نہیں ہونے دیتا، فرض کرو کہ ہمارا زید ترک موالات کے سلسلہ میں ترک لہو و لعب کا
بھی حامی ہے، کیا تمہارا خیال ہے کہ اس کے تخیل میں کسی ایسے متوسط الحال خاندان کی تصویر
کا گذر ہوگا جو دن بھر محنت مزدوری کرتا ہے، اور روزانہ شب کو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے لیے بائیس کوپ
جا کر جائز طور سے اپنا دل بہلاتا ہے، مگر زید کا اعتقاد ترک لہو و لعب، اور اسی باعث ترک
بائیس کوپ کا موید ہے، لہذا اول تو تخیل اسکے دماغ میں آئے ہی کا نہیں اور اگر آئے گا تو فوراً
ہی خارج کر دیا جائے گا، بہ نسبت مذکورہ بالا تخیل کے زید کے لیے اس خاندان کی خیالی تصویر
کھینچنا آسان ہوگا جو شاید بائیس کوپ کی وجہ سے غفلت ہو گیا ہے یا جس کے افراد بائیس کوپ سے
چوری ڈاکہ وغیرہ کا سبق سیکھ گئے ہیں، کیونکہ یہ تصویر اس کے اعتقاد کے حسب حال اور اسے
توت پہنچانے والی ہے،

تخیل کے اقسام اختصاری اور ترکیبی ہیں تخیل اختصاری ایک مرتبہ کبھی

ہوئی چیزوں کو ہمارے نفس کے سامنے پیش کرتا ہے مثلاً میں آنکھ بند کر کے اپنے دوست کے کمرہ ملاقات کا تصور کرتا ہوں تخیل ترکیبی، گزشتہ اور موجودہ کو ملا کر مستقبل کی تصاویر کا نقشہ کھینچ سکتا ہے، تخیل کے اس خاصہ سے ترغیب میں بہت کچھ مدد لجاتی ہے اور وہ اس طرح سے کہ ترغیب دہندہ اس کی مدد سے اپنے سامعین کے سامنے ایک خیالی تصویر ان حالات کی کھینچ دیتا ہے، جو اس کی رائے پر عمل کرنے کی صورت میں ظاہر ہونگے اور اس خیالی تصویر کی مدد سے اپنی ترغیب کو کامیاب بناتا ہے، ذیل کے اقتباس سے اس کی مثال ملتی ہے، یہ اقتباس لارڈ برکھم کی اس تقریر کا ہے جو صاحب موصوف نے دارالامراء میں ۲۰ فروری ۱۹۰۸ء کو انسداد رسم غلامی کے متعلق کی تھی، مقرر صاحب انسداد رسم غلامی کے خوشگوار نتائج کی خیالی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:-

”خون ہی کہ یہ فردہ فرحت اثر کہ رسم غلامی موقوف ہوئی، دنیا کے ہر گوشہ میں پہونچے گا، ایک نئے اور خوشنام مستقبل کا نظارہ دنیا کے پیش نظر ہو جائے گا، کتنے ہی بڑے مردہ قلوں جو انسان کے انسانوں پر مظالم دیکھ کر رنجور تھے، موسم بہار کے پھولوں کی طرح کھل جائیں گے، جہاں کل کسی بیرحم آفکے تلایا نہ کی کرخت آواز اور اس کا درشت لب و لہجہ اور غلاموں کی آہ و بکا کو اپنے اندر چھپائے ہوئے تھا، وہاں آزادی اور امن و امان کے شادیاں ان سے کان پڑی آواز نہ سنائی دیگی، بد قسمت افراد انسانی کے طوق و سلاسل کی جنکاریں بند ہو جائیں گی، حرمان و مصیبت غلاموں کے اعضا زنجیر و سن کی سخت گیر یوں سے نجات پائیں گے، راہ کا شفیق ہاتھ رفتہ رفتہ اون کے جسموں سے غلامی کے داغ دور کر دے گا، جملہ اقوام انسانی، بلا قید رنگ و مذہب ترقی کی دوزمین برابر کا حصہ لین گی، قدرت کا دست فیاض ان سرزمینوں پر جو پہلے کسی حکومت پسند

آٹکے جو رو تعدی اور اس کے کوڑدن کی مار کی بدولت کاشت کی جاتی تھیں اپنے خزانہ کے زرد
جواہر ہر پائیکا اور وہ زمین اب محنت اور مزدوری کے شیدائیوں کے پسینہ سے سخی جائیگی،
امرا کے عالی شان محلوں میں، دیہات کی ہلہاتی ہوئی کھیتوں میں شہر کی طرکوں میں، زر خیز
وادوں میں غرضکہ تمام عالم میں امن و امان فرحت و انبساط کی کیسان حکمرانی ہوگی، حضرات !
عالمگیر خوشحالی اور تمدن کی یہ خوشنما تصویریں آپ کے قلب کو متاثر نہیں کرتیں..... انہ

اس قسم کے تخیل ترکیبی کا اثر جس کی مثال ابھی دیا چکی ہے عمل ترغیب پر
بہت کچھ ہوتا ہے، گزشتہ موجودہ حالات کی روشنی میں ہم تخیل کی مدد سے مستقبل کی تصویر
کھینچتے ہیں، حسب موقع اون میں اُمید و بیم خوف و ہراس کی رنگ آمیزیاں کرتے ہیں اور
ان خیالی خاکوں کو اپنے پیش نظر لکھکر ایسی تدبیریں سوچتے ہیں جو ماضی یا حال سے بہتر صورت
حالات پیدا کر سکیں، کتابوں اور تقریروں میں جتنی ترغیب کی مثالیں نظر آتی ہیں اون میں سے
اکثر تخیل کی اس صفت ترکیبی سے متصف نظر آتی ہیں، ناظرین اور سامعین کے سامنے ماضی
و حال، اور مستقبل کے جامع اور منہی خیز نظائے پیش کیے جاتے ہیں۔ دوزخ پہنچنے والے
اثرات کا درک دلایا جاتا ہے، اور علت موجودہ اور معلول بعید میں رشتہ قائم کیا جاتا ہے،

جس طرح کہ جذبات اور ذہن ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں اور ایک سے دوسرے
کو مدد دیتی ہے، اسی طرح عنصر تخیل بھی ذہن اور جذبات پر اثر کرتا ہے اور تینوں باہم مدد گرہم ہونگی
سے اپنا عمل کرتے ہیں،

تخیل اپنی صفت اختراعی کے ذریعہ سے جو اثر عنصر ذہنی (دورک
تخیل کا ترغیب کے بقیہ دو عناصر (ترکیبی و جذبی) پر اثر،
احقار، بیان) پر کرتا ہے اسے ہم زید کی مثال میں دیکھ چکے ہیں لیکن
اُس کا اثر عنصر جذبی پر بھی ہوتا ہے، اور جذبات میں بھی تخیل کی وساطت سے ایک تازہ روح بھونکی

جاتی ہے اور اون کو قومی ترکر دیا جاتا ہے، مثلاً لارڈ برکسم کی تقریر کا آخری حصہ حضرات
 کیا یہ عالمگیر خوشحالی اغ..... ہمدردی انسانی اور اخوت کے جذبات کو شہ و کیراؤن کی غریب
 کو زیادہ موثر بنا دیتا ہے، زید ایک ایسے خاندان کی خیالی تصویر کھینچ کر جو بایسکوپ کی بدولت
 تباہ ہوا ہے اپنے جذبات ترجم اور ہمدردی کو براہِ نمونہ کرنا اور پہلے سے بھی زیادہ ترکِ لہو و لعب
 کا مؤید بن جاتا ہے، مختصر یہ کہ تخیل کی وساطت سے جذبات کا حلقہ اثر وسیع تر ہو جاتا ہے،
 ہمارے جذبات کو جوش میں لانے کے لیے کسی صورت حالات کی بالفعل موجودگی لازمی نہیں
 رہ جاتی، اگر اصلاً اور واقعہ بایسکوپ کی وجہ سے کوئی خاندان تباہ نہ بھی ہوا ہو تو کیا ہرج ہے
 زید کا تخیل خیالی دنیا میں اس کا منظر اس کو دکھا سکتا ہے، اور اس کے اعتقاد کو زیادہ
 پختہ بنا سکتا ہے ترغیب میں وجدان کی اہمیت سے بحث کرتے وقت جس مقرر کا ہم نے ذکر کیا
 تھا اس کی مثال بھی اس حقیقت کو واضح کر دیتی ہے دشمن کو سون دوڑے گراؤ کے شہر میں
 داخل ہونے کی خیالی تصویر سامعین کے جذبہ دہشت کو براہِ نمونہ کر دیتی ہے، دشمن کی فتح کافی
 حد سے گزرتی تھی کے درجہ تک ابھی نہیں پہنچی ہے مگر اس فتح کی خیالی تصویر سے ڈر کر لوگوں پر
 وہی جذبات طاری کیے جاسکتے ہیں، جو اُس وقت ہوتے جبکہ دشمن کی فوجیں شہر کے دواڑ
 پر کھڑی ہوں، سو راج خدا معلوم کب حاصل ہو، لیکن سامعین اپنی خوش آئند خیالی تصویر سے
 متاثر ہو کر آج ہی اس کے لیے چندہ جمع کر سکتے ہیں، اور موجودہ مصائب کی کالی گھٹا کو امید بید کی
 کرن سے روشن کرتے ہیں، بلکہ ابند سے مگنی اور نجات اخروہ کی دمن میں موجودہ مصوٰتین نشی
 خوشی برداشت کرتے ہیں، غرض کہ ترغیب میں تخیل کی بدولت واقعات کی عدم موجودگی میں
 ادن کی تصویر ہی سے مدد لی جاتی ہے،

جس طرح تخیل کی بدولت ہماری ترغیب واقعات کے وجود کی محتاج نہیں ہوتی

اسی طرح یہ بھی لازم نہیں رہ جاتا کہ جب تک ان واقعات کا اثر ہماری ذات پر نہ ہوتا تب تک ترغیب کا میاب ہی نہ ہوا اگر ہماری ذات کسی واقعہ کے مضر اثرات سے بری بھی رہے تب بھی دوسروں کی ذات پر اس کے جو کچھ مضر اثرات ہوئے ہیں، انکی تصویر ہم میں جذبہ رحم، غضب، انتقام وغیرہ کو برانگیختہ کر سکتی ہے اور ہم اپنے آپ کو اس واقعہ کا مخالف بنا سکتے ہیں، مثلاً لارڈ ہمدردی کی تعریف ہی کو دیکھو، حالانکہ رسم غلامی کے قبیح نتائج سے اہل انگلستان باطل محفوظ تھے، تب بھی افریقہ کے غلاموں کی تکالیف کا خیالی نقشہ کھینچ کر لارڈ موصوف نے اپنے ہموطنوں میں جذبات ہمدردی برپا کر دی اور اخوت کو بیدار کیا اور ان کو ایک معینہ طرز عمل (چندہ دینا یا انسداد غلامی کا رزرویشن پاس) کی ترغیب دی، اگر ہمارے تخیل میں تاثیر نہ ہوتی تو اخوت کا وجود بھی نہ ہوتا، ہندوستان کے مسلمان سمرنا کے مظلوم مسلمانوں کے خیال سے بے بین نہ ہوتے، ہمدردی، دلسوزی، دستگیری اور ایسے دوسرے اخلاقی کچھ بھی شرمندہ منہی نہ ہوتے۔ اور یہ

چسیت ہمدردی، طہیدن از تپ ہم سایگان از موم نجد و باغ عدن پڑمان شدن
خوار ویدن خویش را از خواران انہائے جنس درشتان تنگ دل از زحمت زندان شدن

کچھ مفہوم ہی نہ ہوتا،

یہ تو تخیل کا اثر جذبہ اور استدلال پر ہوا لیکن جذبات بھی تخیل پر اپنا اثر ڈالتے ہیں
ایک خوف زدہ شخص (جس پر جذبہ خوف طاری ہے) کسی خطرہ کو آتا دیکھ کر یا آئندہ اے خطرات کے خیال سے اس کے رُوک اور اپنی حفاظت کے ذرائع کا تخیل کرتا ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ شبہ بدگمانی اور حسد کے جذبات سے متاثر ہو کر حضرت انسان کیا کچھ بُری ترکیبیں سوچتے اور جودت طبع کا ثبوت دیتے ہیں، جس شخص کے دل میں آتش انتقام مشتعل ہوتی ہے اپنے دشمن کو نقصان پہنچانے کے لیے اس کا تخیل کر کن نئی ترکیبوں کو نہیں سوچتا، زمانہ جنگ میں

دشمن کو غارت کرنے کے لیے جن حیرت انگیز اختراعات سے کام لیا جاتا ہے، وہ دراصل جذبہ خون کا نتیجہ ہوتی ہیں، جو تخیل اختراعی کے ذریعہ اپنی حفاظت اور دوسروں کی تباہی کے عجیب و غریب طریقے سوچتا ہے، خلاصہ یہ کہ عمل ترغیب میں ہمارے جذبات تخیل سے کام لیکر نئے نئے راستے اور نئی نئی حکمتیں اپنی نشانی کی ڈھونڈ نکالتے ہیں،

خلاصہ، **عمل ترغیب** کے عناصر ثلاثہ کے متعلق جو کچھ تفصیل پیش کی گئی اوس کا اجمال یہ ہے کہ تینوں عناصر **جذباتی**، **ذہنی** اور **تخیلی** ساتھ ساتھ ترغیب میں کام کرتے ہیں، ان تینوں کے باہمی انضمام اور ادون کے متحدہ اثر ہی سے ترغیب وجود میں آتی ہے اور ہر مکمل عمل ترغیب میں یہ تینوں کام دیتے ہیں۔ عنصر ذہنی کی بدولت درک واقعات یا کسی صورت حالات کا صحیح بیان ہوتا ہے، اصول قائم کیے جاتے ہیں اور منطق کے طریقوں سے کام لیا جاتا ہے، عنصر تخیلی کی بدولت توضیحات اور خیالی تصویریں پیش کی جاتی ہیں جو ترغیب کو کامیاب بنانے میں مدد دیتی ہیں عنصر جذباتی کی وساطت سے افعال پر اثر ڈالا جاتا ہے اور یہی عنصر کسی مجوزہ طرز عمل کی پیروی کا سب سے زبردست محرک ہو سکتا ہے اس کی ترغیبی عمل میں وہی حیثیت ہے جو بھارت کی انجن چلانے میں غرضکھ ایک دوسرے میں مخلوط ہو کر باہم گر ایک دوسرے پر اثر ڈال کر آخر میں یہ تینوں عناصر ایک لباس میں نظر آتے ہیں اور وہ ترغیب ہے،

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ترغیب کی ایک ہی قسم ہے غلط ہوگا، ترغیب کے اجزائے ترکیبی تو یہ ہی تین ہیں لیکن جن اسالیب سے انکا امتزاج ہو سکتا ہے وہ بے شمار ہیں اور اسی لحاظ سے ترغیب بھی متعدد اقسام کی ہوتی ہے، اس کی مثال یوں سمجھو کہ عمارت کی اجزائے ترکیبی اینٹیں ہوا کرتی ہیں، لیکن مختلف ترتیب سے جب یہ اینٹیں فراہم کی جاتی ہیں تو مکان، مسجد، گرجا، مندر، کھلاتی ہیں، بعینہ ہی حال ترغیب کے اجزائے ترکیبی کا ہے،

وہ اتنی ہی بے شمار اقسام ترغیب ظاہر کر سکتی ہیں جتنے کہ اقسام مرد و زن،

لیکن یہ نظر سہولت ہم نے ترغیب کی تین بڑی بڑی قسمن بلحاظ اون کے اہم اجزاء کے
ترکیبی کے کی ہیں اور اون میں کمی و بیشی ممکن ہو سکتی ہے، کبھی عنصر ذہنی کی زیادتی ہوتی ہے، مثلاً ایسے شخص کی
ترغیب جس کی قوت استدلال بہت کچھ بڑھی ہوئی ہو، کبھی عنصر تخیلی کی کثرت ہوتی ہے اور کبھی
عنصر جذبی کا پلہ بھاری ہوتا ہے، ان تینوں عناصر میں سے کسی ایک یا دو کی زیادتی اور میرے
کی کمی یا میرے کی زیادتی اور کسی دو کی کمی یا طریقہ آمیزش کا اختلاف ترغیب کی اقسام میں بھی
باہم گرا اختلاف پیدا کر دیتا ہے، اور یہی وجہ مختلف قوموں میں طریقہ ترغیب کے مختلف ہونے
کی ہے، اکثر اور جاہل اکثر مرد ایون سے ہم سلسل لال کی توقع رکھ سکتے ہیں، ایرانیوں، عربوں، بنگالیوں
کی ترغیب میں جذبی عنصر زیادہ پایا جاتا ہے، صنف کے اختلاف سے بھی ترغیب میں اختلاف پایا
جاتا ہے، چنانچہ عورتوں کی منطق بنام ہی ہے، لیکن یہ اختلافات نظری اور سطحی ہیں اور ان کو
کلینیہ نہیں مانا جاسکتا بہت سے گروہوں کی خاص خاص موقع پر کفر بنگالیوں سے زیادہ جذبات
کے زیر اثر ہو سکتے ہیں یا بہت سے بنگالیوں میں اکثر گروہوں سے زیادہ استدلال اور تباط
خیالات کی صلاحیت ہوتی ہے بہت سی عورتیں اکثر مردوں سے زیادہ دلیل اور منطق عقلی کی اہل
ہوتی ہیں غرضکہ ترغیب کو ان تین عناصر کے لحاظ سے مختلف اقسام میں تقسیم کرنا بہ نظر سہولت تو
ضرور ممکن ہے، لیکن ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک کی ذیل میں متعدد
اقسام آسکتی ہیں اور ہر حالت میں ترغیب کی ماہیت، ترغیب دہندہ کی شخصیت اور اسکی حالت
نفسی کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہے،

اکثر اوقات ایک ہی فرد میں بلحاظ اختلاف زمان و مکان، ترغیب کے طریقوں

میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، اوس کی کچھ ترغیبیں مبہم اور غیر شعوری ہوتی ہیں، خود اپنی ہی

حالت پر ہم غور کریں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر جب رات کے وقت ہم بستر پر لیٹے ہوئے
 نیند کی اُمید میں کر ڈھین بدلتے رہتے ہیں تو ہماری ذاتی ترغیبات کیا کچھ عجیب غریب اشکال
 نہیں اختیار کرتیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم کُن دہشت ناک خیالات میں گھرے ہوئے
 تھے ہماری ترغیبات نے ہم کو افسردہ بنا دیا تھا، صبح ہوئی تو سب خیالات کا فوراً تھے، اور
 ہم خوش آئند اُمیدیں کرنے لگے اور اپنی خیالی دنیا کے ہیرو (بطل) بن گئے، تھوڑی دیر بعد
 شہر جانے کا اتفاق ہوا تو ترغیبات نے ایک اور ہی رُخ پلٹا، نہ رات کی دہشت ناک باتیں
 تھیں، نہ صبح کے خوش آئند خیالات۔ شہر میں کسی پرانے میو پارے سے ملاقات ہوئی تو تمام تر
 کوششیں اُسے سمجھانے، راہ راست پر لانے اور اپنے حسبِ منشا ترغیب دینے میں صرف ہونا
 شروع ہوئیں، اب ہماری ذات، ہمارا شعور واحد ہے، اور ترغیبات کی گونا گونی کا یہ عالم ہے
 باوجود اس قدر اختلاف کے بھی ترغیب کی ماہیت وہی رہی اور اوس کے عناصر ثلاثہ وہی رہے
 مختصر یہ کہ ہر ترغیب میں خواہ وہ کسی قسم کی ہو یا کسی خاص شخص سے متعلق ہو ہمیشہ کسی نہ کسی مقصد
 کا وجود پایا جاتا ہے جس کے حصول کی بالا راہ یا نا دانستہ طور پر تدبیر کی جاتی ہے اور اوس کے
 ساتھ ہی ہر ترغیب میں ذہن تخیل جذبہ ان تینوں کا مخلوط عمل لازماً ہوتا ہے، خواہ یہ اختلاط ابھی
 غیر مکمل اور غیر مؤثر ہو یا مکمل اور مؤثر۔

باب دوم

خود ترغیبی کی ابلہ فرمیاں

جذبات کے زیر اثر ترغیبات ذاتی کی کایا لپٹ، تلون، باطل ترغیبات،
تلبیس، حیلہ و مکار، نفس،

خود ترغیبی میں جذبات کا حصہ، اگر شتمہ باب میں ہم عمل ترغیب کی نفسیاتی تشریح کر چکے ہیں اور یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ہر عمل ترغیبی کے عناصر ترکیبی تین ہوتے ہیں، یعنی جذبہ، ذہن (استلال) اور تخیل اس باب میں یہ بحث کی جائے گی کہ ترغیبات ذاتی میں ان تینوں کا کیا حصہ ہوتا ہے، اور تالیف قلب، خود فریبی، تشفی ضمیر وغیرہ میں اُنے کیا کام لیا جاتا ہے، سب سے پہلے ہم جذبات سے بحث کرتے ہیں،

جذبات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی تشفی چاہتے ہیں اس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ ہمارے نفس پر اس حد تک حاوی ہو جاتے ہیں کہ اوس میں ان کے خلاف استدلال پیش کرنے کی تاب نہیں رہتی اور نہ یہ اختیار ہی باقی رہتا ہے کہ جذبات کے تائیدی خیالات و افکار کو اپنے سامنے سے ہٹا کر اُن کے مخالف خیالات سامنے لائے، جذبہ کی اس خصوصیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات ایک ہی شخص کی ترغیب و متضاد جذبات کے زیر اثر ہوتی ہے لیکن

وہ اس تضاد کو نہیں دیکھ سکتا، بالفاظ دیگر یوں کہو کہ محال اجتماع ضدین جو منطق و معقولات کا ایک اہم اصول ہے جذبات و وجدانات کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا یہ دونوں اس اہم منطقی اصول کی پابندی سے بالکل مستثنیٰ رہتے ہیں، اس کی تشریح آگے آئے گی،

اگر تم اپنے گرد و پیش نظر ڈالو اور لوگوں کے جذبات کا بنظر غائر مطالعہ کرو تو معلوم ہو گا کہ وہ لوگ جو فنون لطیفہ کی ایک خاص حس رکھتے ہیں، بعض اوقات ایسے ارذل اور ادنیٰ درجہ کے جذبات کے زیر اثر ہوتے ہیں جو بالخاصہ جس لطیف سے متضاد ہیں، تاریخ شاہد ہے کہ عیسائی اقوام سے جو کل بنی نوع انسان کی محبت کے دعویدار ہیں، بدترین مظالم سرزد ہوئے ہیں، انقلاب فرانس کے وقت جو قتل عام ماہ ستمبر میں ہوا اور جس سے تاریخ یورپ کے صفحات آج تک خونین ہیں اس میں انقلاب پسندوں کے جذبات و متضاد صورتوں میں ظاہر ہوئے تھے، فاضل مصنف "تمدن عرب" موسیٰ بی بی ان اپنی کتاب **نفسیات جماعات** PSYCHOLOGY

OF THE CROWD میں اس کا یوں بیان کرتے ہیں :-

"اگر ایک طرف جذبہ انتقام اس قدر شعل تھا کہ قیدی بلا تفریق عمر و حیثیت تہ تیغ کیے جاتے تھے، تو دوسری طرف جذبہ ہمدردی بھی کچھ کم نہ تھا، فوجی عدالتیں قائم کی جا رہی تھیں، مقدمات کی سماعت ہوتی تھی، اور اگر کوئی شخص بری الذمہ قرار دیا جاتا تو مجمع میں عجیب منظر ہوتا تھا، ہر شخص اس سے ہٹ کر ہوتا تھا، تاہم یہاں یا اگر اظہارِ مسرت کیا جاتا تھا، اور نوبہ انبساط سے بے خود ہو کر مجمع مبارکباد کے نعرے لگاتا تھا،"

اس مثال میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہمدردی اور انتقام کے جذبات جو بالاصل ایک دوسرے سے متضاد ہیں ایک ہی وقت میں طاری ہو سکتے ہیں، اس طرح سے "انکساز" اور "عجب" کے جذبات بھی ایک ہی وقت میں لوگوں کے دلوں میں موجزن ہوتے ہیں، لیکن وہ ان کے فرق کو نہیں

سمجھ سکتے اس کی مثال عیسائی راہبوں اور ہمارے ہندوستانی سنیا سیون میں اکثر ملتی ہے، ایک طرف تو یہ افراد سخت سے سخت ریاضت جسمانی کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکسار مجسم ہیں، لیکن دوسری طرف اگر انکے قلوب کو ٹٹولو، تو اس میں ایک خاص افتخار کا جذبہ پایا جاتا ہے، اپنی قوت باطنی اور تقدس کے متعلق خیالات پائے جاتے ہیں اور تمام افراد انسانی اور اپنی ذات کے درمیان کسی غاصت کی وجہ کا احساس موجود ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ نفس انسانی کا متبائن جذبات کے زیر اثر ہونا، لیکن اس تبائن کو نہ دیکھنا، کم و بیش فطری ہے، "خلوت" اور "خلوت" کا فرق صرف طبقہ "زہاد" سے مخصوص نہیں بلکہ عام طور پر حیات انسانی میں بھی دیکھنے میں آتا ہے، ایک شخص ایک ہی وقت میں تباہی و زندگی اور کلیمہ ہاؤس سے اپنے کامچرم ہو سکتا ہے، طبقہ اوسط سے قطع نظر خود طبقہ اعلیٰ کے نیک اور نامور افراد میں بھی متضاد جذبات کے یہی کثرت نظر آتے ہیں یہ اور بات ہے کہ سوانح نگار کا حسن ظن، یا جذبہ حرص و آرزو، تصویر کے تاریک رخ کو عمدہ یا سہواً نظر انداز کر دے، لیکن پھر بھی بعض منصفانہ تصانیف اور سوانح ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں مصنف کا فطری تجسس کبھی کبھی پردہ اٹھا کر ہمارے سامنے واقعات کو اصلی رنگ میں پیش کر دیتا ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر نامی گرامی لوگوں کے قلوب کس قدر مختلف جذبات کے آماجگاہ رہ چکے ہیں یا وہ ہیں کہ اس انکشاف حقیقت سے مشاہیر عالم کی شہرت پر داغ نہیں لگا سکتا، متضاد جذبات کے زیر اثر رہ کر افعال کرنا اور ان میں کوئی تضاد محسوس کرنا کسی فرد کے لیے باعث شرم نہیں ہو سکتا، یہ نفس انسانی کی جلی بچا رنگی ہے اس سے کوئی بری نہیں ہے،

انسان کی ان دو رخی تر غیبات کی مثالیں دیکھنے کے لیے قدیم صحائف اور

سوانح کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں ہے، خود حال کے واقعات اس کے شاہد ہیں، جن لوگوں نے قیصر حرمینی کی زباۃ جنگ سے قبل کی تقریریں پڑھی ہیں اور پھر ان کے افعال کا

بنظر غائر مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ اول کے اقوال و افعال کس قدر مختلف جذبات کے زیر اثر سرزد ہوتے تھے، کمین ایثار و ہمدردی کا دعویٰ تھا، تو کمین جبر و استبدادیت پر فخر کا اظہار۔ ایک موقع پر خود کو "نعمو با خدا" خدا کا قائم مقام" کہتے ہیں، تو دوسرے موقع پر اسی خدا سے بزرگ و برتر کے رُوبرو ہر فعل کی جوابدہی اپنے اوپر فرض خیال کرتے ہیں؛ خیال کرنا غلطی ہے کہ قیصر کا مقصد اس سے دھوکہ دینا تھا یہ تو محض ایک مثال تھی، ورنہ عام طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بہت کم انسان ایسے ہیں جن کے نفوس ان مختلف الما ہیت کیفیات کے مور و نہ رہ چکے ہوں، ہم ابھی کہہ آئے ہیں کہ اگر کوئی شخص متضاد جذبات سے مغلوب ہو کر متضاد افعال کرے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بالارادہ دھوکہ دینا چاہتا ہے، خود فریبی بے شک ہوتی ہے لیکن یہ فریب دہی کو مستلزم نہیں ہے، ایسی صورتوں میں نفس کی حالت غیر شعوری ہوتی ہے، اس باب کے شروع میں ہم بتا آئے ہیں کہ جذبات کا خاصہ یہ ہے کہ محض اپنی تشفی چاہتے ہیں اور ان خیالات کو جو کسی طرح اس تشفی میں مانع ہوں سرے سے نفس کے سامنے آنے ہی نہیں دیتے، پس جب نفس پر جذبات کا اس قدر زبردست تسلط ہو تو کسی شخص کا افعال عیبہ کئے رکاب کے باوجود اپنے آپ کو نیک تصور کرنا مقام تعجب نہیں ہو سکتا، اگر جذبات پر انسان کی پوری قدرت حاصل ہوتی، تو کوئی شخص مغلوب جذبات ہو کر ایسے افعال نہ کرتا جن کا ناموم ہونا ذرا سے استدلال سے ثابت ہو جاتا ہے اور کم از کم قتل عدا و زحوکشی تو انسانی جرائم کی فہرست سے بالکل ہی خارج ہو جاتے،

متلون المزاجی، **حقیقت** کہ بعض اوقات ہم پر ایسے جذبات حاوی ہوتے ہیں جن سے ہم ناواقف ہوتے ہیں یا جن کی قوت کا اندازہ ہم صحیح طور پر نہیں کر سکتے، ایک دوسری حقیقت کو بے نقاب کرتی ہے یعنی اتنا سمجھ لینے کے بعد متلون المزاجی، کی توجیہ آسانی سے کی جاسکتی ہے

تکون، یا ترغیبات کی کاپلٹ کیون ہوتی ہے، محض اس وجہ سے کہ ہم کسی خاص جذبہ سے متاثر ہو کر کوئی نیت کرتے ہیں یا کوئی کام ہم سے سرزد ہوتا ہے، لیکن دوسرے موقع پر کسی دوسرے جذبہ کے زیر اثر ہم اپنی نیت بدل ڈالتے ہیں یا سابق طریق عمل کے خلاف جاتے ہیں، جب تک کہ کسی شخص کو کون کے کئے سننے سے یا خود انجام پر نظر ڈال کر اسراف سے دست بردار ہوتا ہے، اور چند روز تک کفایت سے کام لیتا ہے تو اس کا یہ فعل غالباً "شرم" نامت "یا پھر محبت خاندانی کی وجہ سے ہوتا ہے" لیکن دوسرے وقت جب یہی شخص اپنی وسعت سے زیادہ چھچھرتا ہو اور ایک بیش قیمت لباس خریدتا ہو تو اس صورت میں اس کا یہ فعل جذبہ عیش پسندی، یا تفوق کی وجہ سے سرزد ہوتا ہے، یہ تکون کی صریح مثال ہے اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ تکون کا باعث صرف مختلف جذبات کا تسلط ہے تاہم ہونا، اور توبہ کا توڑنا، دونوں صورتیں ایک ہی میوٹی سے ظاہر ہوتی ہیں، اور یہ میوٹی کیا ہے؟ یہی مختلف جذبات کی ہنگامہ آرائی،

نیت اور اعمال کے اس فوری انقلاب کو اکثر ناول نویس اور ڈراما نویس دیکھ چکے ہوں۔
 (نفسِ قصہ) کی شکل میں ظاہر کرتے ہیں، کبھی ناول کا ہیرو مان باپ کے تشدد سے عاجز آ کر ترک وطن کا ارادہ کرتا ہوا نظر آتا ہے، ضروری سامان فراہمی جیسا کر لیا جاتا ہے، لیکن عین وقت پر جب گھر سے باہر نکل کر وہ درو دیوار پر الوداعی نظر ڈالتا ہے تو یہ سب منصوبے ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ اپنا عزم منہج کر دیتا ہے، ڈراموں میں بھی اکثر یہی کیفیت نظر آتی ہے، ہمارے سامنے قابل اپنے جذبات متغیر، حقارت اور انتقام کا اظہار کرتا ہوا نظر آتا ہے، اور خیر کف و دشمن کی خواہش میں داخل ہوتا ہے، تاکہ اس کا کام تمام کر دے جب پردہ اٹھتا ہے تو ہم اسے خواہ گاہ میں موجود پاتے ہیں، دشمن سوراہا ہے اور پوری طرح اس شخص کے قابو میں ہے، لیکن عین موقع پر کسی دوسرے جذبہ سے متاثر ہو کر یہی قابل اپنا خنجر بھینک دیتا ہے اور دشمن کے قدموں پر گر کر اس کے احسانات کا اعادہ کرتا ہے اور شرمندگی کا

انہما کرتا ہے اور خود کو سچا اور جان نثار خادم ثابت کرتا ہے تاہم دلون اور ڈراموں سے تمثیلات تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، اگر تم اپنے قلوب کو ٹٹو تو قوی کیفیت نظر آئیگی اکثر اوقات کے سناٹے میں تم کیا کیا منصوبے نہیں باندھتے، وکن کن باتوں سے توبہ نہیں کرتے؟ وکن کن کاموں کا عزم باخیزم نہیں کرتے؟ ایسا کرتے وقت تمہاری نیت صادق اور تمہارا ارادہ پختہ ہوتا ہے، لیکن رد و روشن میں جب واقعات کا سامنا ہوتا ہے تو یہ سب منصوبے خواب فردا کی طرح تشریف لے جاتے ہیں،

گفتی کہ چہ شد قاعدہ ہر و محبت ؟ رسم کہنے بود، بعد تو در افتاد

جب لوگ اس طرح کسی صبح تر غیب کے خلاف عمل کریں تو تم کو سمجھ لیں

چاہئے کہ اون کے جذبات کو تحریک دینے والی قوت کوئی بہت زبردست قوت ہے جس سے وہ خود واقع نہیں ہیں، یہ تمام فعل تقریباً نفس کی لاعلمی، یا پھر یون کو کہ غیر شعوری حالت میں ہوتا ہے یہ غیر شعوری تحریکات افعال انسانی پر بہت کچھ اثر ڈالتی ہیں، انہی کی وساطت سے انسان حیا اور ممنوع افعال کرتا ہے اور پھر اون کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، تم کو یہ سن کر شاید تعجب ہو کہ بنفس و حمد کے جذبات سے متاثر ہو کر اکثر اہمین اپنے بیٹوں پر ظلم و تشدد کرتی ہیں، لیکن چونکہ یہ اندرونی غیر شعوری جذبات اون کے ادراک ذہنی سے بہت دور ہوتے ہیں، اسلئے وہ اپنی زیادتی اور ظلم کی توجیہ یون کرتی ہیں کہ، ایسا کرنا آئے چکر انہی کے کام آئے گا،

خود ترقیبی میں استدلال کا **اہم دیکھ چکے ہیں** کہ اکثر اوقات ہمارے قلوب پر غیر شخص اور ناقابل حصہ، حیلہ و سکا، بنفس، تشغیل جذبات کا غلبہ ہوتا ہے، نیز یہ کہ ہمارے عمل کی محرک اکثر اوقات

دو متضاد قوتیں ہوتی ہیں لیکن چونکہ یہ شعوری نہیں ہوتیں اسلئے ہم ان کا تقاضا نہیں دیکھ سکتے اور نادیدہ و نادانستہ انہی کے حسب حال فعل کرنے لگتے ہیں، لیکن ہے کہ تمہارے دل میں یہ شک پیدا ہو کہ جب ہمارے اکثر افعال، بالخصوص قابل اعتراض افعال نفس کی لاعلمی میں ہوتے ہیں تو پھر انسان

اوس کے افعال بد کی مسکویت حاکم کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ غالباً یہی خیالات تھے جو خیام کے دل میں پیدا ہوئے اور اس رباعی کی شکل میں ظاہر ہوئے :-

مشتق ارچہ بلاست، آن بلاکم خداست
بر حکم خدا ملاست خلق چراست !
چون نیک بد خلق بقدر خداست
بیس روز پس حساب بر بندہ چرہ است

اس میں شک نہیں کہ اگر نفس انسانی کی حالت واقعی اوس بیچارگی اور بے بسی کی ہوتی جیسا کہ اکثر لوگ فرض کرتے ہیں تو یقیناً زمانہ میں خیر و شر کا معیار قائم نہ رہتا اور اخلاقیات نہ عنہ *the end* ایٹھکس کا منتشر ہی سرے سے فوت ہو جاتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نفس کی حالت قطعاً لاعلمی کی نہیں ہے خود ترقیبی کی جو مثالیں ہم نے سطور بالا میں دیں وہ خود ترقیبی کے ذیل میں بخوبی آتی ہیں، لیکن یاد رہے کہ اس قسم کی نادانستہ خود ترقیبی بھی شاذ ہے اکثر صورتوں میں جب اپنے آپ کو حالت غیر شعوری میں کسی فعل کے کرنے پر اہل پاتے ہیں تو بہار نفس اس سے متور بہت واقع ضرور ہوتا ہے، باوجود فطرت انسانی کی خامی اور نفس کی جتنی بیچارگی کچھ اس کو کابل طور پر کبھی دھوکہ نہیں دے سکتے اور نہ ہمیشہ اس کی کھینچ پٹی باندہ سکتے ہیں، اگر تم اپنے آپ کو نیک خیال کرتے ہو اور پھر بھی کوئی بُرا فعل تم سے ہو جائے تو خواہ اس فعل کا محرک کیسا ہی قوی سے قوی جذبہ کیوں نہ ہو، تمہارے قلب میں آغاز فعل سے قبل دوران فعل میں اور اتمام فعل پر ایک قسم کی "غلش" ضرور ہوتی ہے، نفس تو امد کی یہ چٹکیاں محسوس تو ضرور ہوتی ہیں لیکن ان کا علاج اور اس باطنی ناصح کا مٹھ بندہ کرنے کی تدبیریں بھی فوراً سوچ لیجاتی ہیں اور میں نے خود ترقیبی یا خود ترقیبی میں استدلال کا حصہ شروع ہوتا ہے، مگر نفس کے آغاز کی حد یہی ہے،

جب کبھی ایسا موقع پیش آتا ہے تو تم اپنے شکوک کو دفع کرنے اور عقائد و اعمال میں

جو مخالفت پایا جاتا ہے اوس سے بری الذمہ ہونے کے لیے اپنے دل میں بحث و مباحثہ کا سلسلہ شروع کر دیتے ہو مصافحہ لفظوں میں یوں کہو کہ شروع و نہر نہج اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کر دکھاتے ہو خواہ یہ

تقصیفہ تمہارے ضمیر کے خلاف ہی کیون نہ ہو اور ظاہر ہے کہ ضرور ہوگا اسلئے کہ فیصلہ کا عمل کی طرف
ہے اور بجائے منصفانہ استدلال کے ایک معینہ نتیجہ نکال جا رہا ہے، اس کی مثال بھی ہم کو اپنے
قلوب سے مل سکتی ہو، جب ہم خود غرضانہ جذبات سے اندسے ہو کہ کسی فعل کی نیت کرتے ہیں
اور اس کی مخالفت ہمارے ضمیر کرتا ہے تو اس وقت اسے کن کن طریقوں سے مطمئن نہیں کیا
جاتا؟ کیا ایسا جموئی منطقین پیش نہیں کیا تین؟ واقعی وہ اوس کا مستحق تھا، اگر اوس کو نقصان ہوا
تو میرا کیا قصور؟ اگر وہ دانستہ میرا کتنا مان لیا، تو میری کیا خطا، یہ اور اسی قسم کے دوسرے
جملے استعمال کر کے ہم اپنے "باغی" ضمیر کو اطمینان دلاتے ہیں اور بالآخر فرض کر لیتے ہیں کہ اب
اس کی تسخیری ہو گئی،

جتنی زیادہ کسی شخص کا ضمیر غیبتہ ہوتا ہے، اسی قدر زیادہ اسے کسی منافی ضمیر فضل کہتے
وقت اسے سمجھنا پڑتا ہے "یہ سمجھنا، استدلال کی وساطت سے ہوتا ہے، ایسے موقعوں پر اپنے
نفس کو سمجھانے کا ایک عام طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مقصد یا نتیجہ کی بھلائی، "کو" وسائل کی خرابی کے
لیے بطور سبب قرار دے پیش کیا جاتا ہے اس سے آٹھ مکتور میں بحث کی جائیگی اور اسی موقع پر یہ دیکھنے
کی کوشش کی جائیگی کہ کو کون کا یہ خیال کہ نتیجہ خیر، کے حاصل کرنے کے لیے "وسائل" شر بھی جائز ہیں
کس حد تک درست ہے، دوسرا طریقہ اپنے نفس کو دھوکہ دینے کا یہ اختیار کیا جاتا ہے، کہ دوسروں
کی نظیریں پیش کی جاتی ہیں، غرضیکہ "مکا بنفس" میں عجیب و غریب دلائل کا استعمال کیا جاتا ہے
جو بسا اوقات متزلزل بنیا و پر قائم ہوتے ہیں، اور اس طرح اپنی نظروں میں اپنی وقعت کو برقرار
رکھا جاتا ہے، ایک کٹھنہ مشق جھلسا کا ضمیر دھوکہ دیتے دیتے کمزور ہو جاتا ہے، اور اسے سمجھا آتا ہے
ہوتا ہے کہ ایک متدین شخص کا ضمیر غیبتہ ہوتا ہے، اور اس کو بددیانتی کی طرف راغب کرنے کے لیے
طرح طرح کی جموئی ترغیبات سے کام لیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اول الذکر نڈر ہو کر بددیانتی کرتا ہے

اور مؤخر الذکر پہلی بددیانتی کے وقت بہت کچھ پس و پیش کرتا ہے، جب ہم ان بے شمار ترغیبات پر نظر ڈالتے ہیں جو ضمیر کی تشفی اور اپنے افعال بد کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے انسان اپنے نفس کو دیتا ہے تو ہم اس خیال سے باز نہیں رہ سکتے کہ قدرت نے نیک کرداری کا نقش قلوب انسانی پر کتنا آکر اٹھایا ہے کہ اس کو مٹانے کے لیے ہزار ترکیبیں کرنا پڑتی ہیں ہزار ہا جھوٹی دلیل پیش کی جاتی ہیں تب کہیں جا کر ہم اپنے ضمیر کو افعال بد کی طرف راغب کر سکتے ہیں، جرموں نے دوران جنگ میں جو بے شمار ترغیبات اپنے قلوب کو دین اور جو متعدد طریقے اختیار کیے اس سے کم از کم اتنا پتہ چلتا ہے کہ بحیثیت مجموعی ان کا ضمیر نہایت پختہ ہے کہ جس کو تشفی دینے کے لیے اس قدر طول عمل کی ضرورت ہوئی اگر جرم قوم نظرۂ دغا باز ہوئی تو کم از کم اپنی نظروں میں اپنے افعال کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے اس قدر اجتہاد کی ضرورت نہ ہوتی،

افعال بد کے ترکاب کے بعد اپنی اخلاقی کمزوریوں کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرنا، اپنے ضمیر کو ترغیب دینا کہ کوئی فعل ہم نے قابل اعتراض نہیں کیا ہے، زندگی میں جدھر دیکھو یہی نظر آتا ہے مکمل کسود اور علمائے حیل اپنے مطلب کے لیے کلام الہی کی بھی غلط تاویل کرنے لگتے ہیں، سوداگر اپنی گران فرشتیوں کے متعلق ضمیر کے اعتراض کو یہ کہہ کر روکرتے ہیں کہ ہم کو بھی تو مالک دوکان اور چنگی والے لوٹتے ہیں، بدچلن اشخاص اپنے ضمیر کی تشفی بدین الفاظ کرتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے لوگ ہم سے بھی خراب حالت میں ہیں، قزاق اپنے مال غنیمت کی حلت کا فتویٰ یوں دیتا ہے کہ یہ مال ادنیٰ سے لیا گیا ہے جنہیں یہ خفیف نقصان گران نہ گذرے گا۔

مکا بنفس میں زیادہ تر اس عقیدہ سے مدد کی جاتی ہے کہ **گذشتہ سطور میں** اشارۃً ذکر کیا جا چکا ہے کہ اکثر کہ انجام خیر کے حصول کے لیے وسائل شرعی مانجوں | باطل ترغیبات اور افعال بد سے جو زمین اس خیال کو پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ انجام خیر کے لیے وسائل شرعی جائز ہیں، مکا بنفس کی جتنی مثالیں تری

نظر کے سامنے آتی ہیں اور میں غالب حصہ اسی خیال کے متقدین کا ہوتا ہے، جو بقول شاعر

انجام میں ہو اگر بھلائی ہو پہلے بدی تو کیا بُرائی

برایان لکھوئے ہیں ہم اندھ فطرت میں اسی عقیدہ کی صحت کو جانیں گے۔ غور کرو اور بتاؤ کہ کیا اکثر ایسا نہیں ہوتا کہ لوگ نیا کو دکھاؤ گے کسی کا زخیر کو اپنا نصب العین بنالیتے ہیں اور اس پر وہ میں دل کھول کر بُرائیاں کرتے ہیں اور اگر کوئی اعتراض کرے تو جواب یہ دیتے ہیں کہ جن کو تم افعال بد کہتے ہو وہ ایک اعلیٰ نصب العین تک جاری رہ رہی کرتے ہیں اور چونکہ نصب العین اعلیٰ ہے لہذا یہ وسائل کیونکر بُرے ہو سکتے ہیں، انفرادی حیثیت سے قطع نظر ہمارے ہندوستان کی سماجی زندگی میں اس قسم کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں کیا یکم برس قبل اور دوسرے (پیر، ۱۵ جولائی ۱۹۰۵ء) کے موقع پر ہندوستانی طلباء اور طالبات کو یہ کہنا کہ ایک کرنے کی ترغیب نہیں دینی تھی کہ اس ذریعہ سے جو روپیہ حاصل ہوگا وہ مجروحین جنگ کی آسائشوں پر صرف ہوگا، اور چونکہ مصرت نہایت اچھا ہے، لہذا وسائل حصول زر سے بحث نہ کرنا چاہیے، کیا وطن کے شیدائیوں نے یہ کہہ کر ہندوستانی خواتین کو حرکت پر دے دیے آمادہ نہیں کیا کہ یہ تمہاری آئندہ ترقی اور روشن خیالی کا ایک زینہ ہے اور چونکہ انجام نیک ہے لہذا یہ ذریعہ بھی مستحسن ہے، کیا تمدن جدید کے ہوانخواہوں نے ترک روش قدیم کے جواز کا فتویٰ یہ کہہ کر نہیں دیا کہ یہ ارتقاء قوم کا ایک زبردست آلہ ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ نفس کو دھوکہ دینے کا طریقہ صرف ہندوستان تک محدود ہے خود یورپ کی اقوام متحدہ بھی زمانہ جنگ میں دشمن کی علمداری ہوئی کہ عیتوں کو تاراج کرتی ہیں اور ان کی عورتوں کے ناموس پر حملہ کرتی ہیں، اور تشفی ضمیر کے لیے اس ناپاک خیال سے مدد لیتی ہیں کہ دشمن کو ہر طرح ذلیل کرنا شیوہ حب الوطنی ہے لہذا یہ افعال بھی قابل اعتراض نہیں کسی انگریز نے دوران جنگ میں جرموں کی منطق ان الفاظ میں بیان کی ہے، کہنے کو تو جرموں کی منطق ہے لیکن

خوشتر آن باشد کہ بتر و لبران گفتہ آید در حدیث دیگران

کا اطلاق اس مقولہ پر کا حقہ ہو سکتا ہے، بہر حال وہ منطق یہ ہے،

”تم کو ہر وقت اپنے وطن کی فکر کرنی چاہیے، اصل سعادت یہی ہے، قتل کرو، چوری کرو وغیرہ

جو کچھ جی میں آئے کرو، اگر وطن کی خاطر ہے تو ہرگز قابل اعتراض نہیں ہو سکتا، انجام کی بھلائی

پر نظر رکھو وسائل کے شر و خیر سے بحث نہ کرو“

ابتک ہم اس عقیدہ کے طریق استعمال اور اس کی مثالوں سے بحث کرتے ہیں

آداب یہ دیکھیں کہ خود اس نام نہاد ”عقیدہ“ میں حقیقت اور صداقت کمان تک پائی جاتی ہو۔

اس عقیدہ کو اپنے دماغ کے سامنے لاؤ، اور غور کرو کہ ”انجام خیر کے لئے وسائل شربی جائز ہیں“ ان

الفاظ سے کیا مفہوم نکلتا ہے ذرا سے تفکر سے تمہاری سمجھ میں آ جائے گا، کہ اس عقیدہ کو تسلیم کرنا

ایک دوسرے خیال کو بھی مستلزم ہے اور وہ یہ کہ ”بڑائی سے بھلائی پیدا ہو سکتی ہے“ خود یہ کہنہی کہ

وسائل شر سے انجام خیر پیدا ہو سکتا ہے اس دوسری حقیقت کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اس کے

بعد دوسری بات جو ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر سب لوگ اس خیال کے حامی بن جائیں کہ

”شر سے خیر ظہور پذیر ہوتا ہے“ تو دنیا میں کوئی بدترین فعل ایسا نہ رہے کہ جسے اس کی روشنی میں

حق بجانب ثابت نہ کیا جاسکے ”ظلم و تشدد“ اس خیال کے مؤیدین کے نزدیک مذموم نہیں ہو سکتے،

اس لئے کہ ان سے اگر بجا میں تو خطا دار کیغور کردار کو پہنچتے ہیں اور اگر بجا میں تو مظلوم میں حریت

اور بیداری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، بقول حشر ۵

تو نے وہ ٹھوکر لگائی چشمِ ملت کھل گئی

اسی طرح چوری کو بھی افعال قبیحہ کی فہرست سے خارج کیا جاسکتا ہے، اس میں دو فائدہ ہیں

ایک طرف تو چور کا جو شاید عاجز و کمزور ہے کام نکلتا ہے، اور دوسری طرف لوگوں کو اپنی چیزوں کو

حفاظت سے رکھنے کا زیادہ خیال ہوتا ہے، غرض اس نرانی منطق سے ہر بد سے بدتر فعل بھی اچھا ثابت کیا جاسکتا ہے حتیٰ کہ قمار بازی اور میخواری کے جواز کا فتویٰ بھی دیا جاسکتا ہے، نعوذ باللہ من شر و شر انفسنا،

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ خیال کہ شر سے خیر ظہور پذیر ہوتا ہے کس حد تک اور کن معنوں میں صحیح ہے مثال کے طور پر ظلم و تشدد کو لو فرض کر دو کہ ہمارے ایک دوست تاریخی واقعات سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ طاقتور اقوام کے ظلم و تشدد نے چھوٹی اقوام میں بیداری کی روح پیدا کی ہے، اس حد تک ہم اُن کے خیال ہیں، لیکن آئے چکر اسی بنا پر وہ ہم سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ ظلم و تشدد ایک محاط سے باعث خیر ہیں اس لئے کہ اون کی وجہ سے چھوٹی اقوام کے خود داری کے جذبات بیدار ہوئے اس کا صرف ایک جواب ہمارے پاس ہے اور وہ یہ کہ ظلم و تشدد بجلے خود قطعاً مذموم اور قابل نفرت ہیں، اگرچہ ان سے اتفاقِ طور پر اچھے نتائج بھی ظاہر ہو سکتے ہیں یا دہے کہ ع

خدا شر سے برا لیں و کہ خیر سے ادا رہا باشد

کہ کہ یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ ہر شے میں بالاصل "خیر" موجود ہے، ہم مانتے ہیں اور تجربہ بھی بتاتا ہے کہ برائیوں کے سابقہ اور ان کی مقاومت سے اکثر لوگ اپنے عیوب درست کر لیا کرتے ہیں، لیکن اس خیال کا تجزیہ کر تو یہ حقیقت کھلتی ہے کہ ظلم و تشدد سے اول تو کسی نتیجہ خیر کا ظاہر ہونا محض اتفاقی ہے، ممکن ہے کہ یہ بھی ہو اور دوسرے یہ (اور یہ نسبتاً زیادہ اہم ہے) کہ اگر کسی اچھا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے تو یہ ظلم و تشدد سے نہیں بلکہ ان کے مقابلہ اور مقاومت کی بدلت ظاہر ہوتا ہے، پس ہمارے دوست کا یہ کہنا کہ ظلم و تشدد بالاصل مایہ خیر ہے، غلط ہے اور خیر و شر کی درمیانی حد کو مٹا دیتا ہے، ہر ظالمانہ فعل کی صفت اصلی ظلم ہے اور ہمیشہ یہی القصد

حَسَنٌ وَالْكَذِبُ فَتُجَّحٌ کلمہ تمام خیر و شر پر کیساں طور سے حاوی ہے،

ظلم کے نتائج بجا ہذا اس کے حقیقی معنوں کے ”دوسروں کو جسمانی یا روحانی تکلیف دینا“،

مثلاً اندائے بدنی، یا غصہ، قہر، غم، اور اسی قبیل کے جذبی مہجانات پیدا کرنا۔ یہ سب باتیں حبسی

کچھ خراب ہیں ظاہر ہی ہے، ظلم کی اس حقیقت کے باوجود اگر اس سے اتفاقیہ طور پر کسی اچھے نتیجہ کا

کاٹھور ہو تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خیر کا مخرج کوئی ظالمانہ فعل ہے، بلکہ یوں کہو کہ اس جز کا

ظاہر ہونا شخص مظلوم کی صفات اخلاقی پر منحصر ہے، بے قصور افراد پر جو ظلم کیا جاتا ہے اس سے ہرگز

کسی نتیجہ خیر کے نکلنے کی امید نہیں ہو سکتی، مجرموں پر جو ظلم و تشدد کیا جاتا ہے اس سے البتہ اچھا

نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے لیکن اس فرقہ میں بھی ایسے افراد موجود ہوتے ہیں جن کو ظلم بجائے راہِ راست

پر لانے کے اس سے اور بگڑتہ کر دیتا ہے، ان باتوں کے علاوہ ایک اور بات بھی باقی رہتی ہے اور

وہ یہ کہ ظلم کا اثر اگر مظلوم پر اچھا بھی ہو تب بھی ظالم پر اس کا اثر کسی طرح اچھا نہیں ہو سکتا، کسی

فعل کا اثر صرف مفعول کی ذات تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ فاعل بھی اخلاقی جسمانی یا ذہنی حیثیت سے متاثر ہوتا ہے

اس بحث میں ظلم کو بطور مثال لیا گیا ہے ورنہ ہر شر پر انہی نتائج کا انطباق

صحیح کے ساتھ کیا جاسکتا ہے مذکورہ بالا دلائل کی بنا پر حسب ذیل استنباط کیا جاسکتا ہے،

(۱) کسی شر سے خیر کا ظہور نہ ہو نا محض اتفاقی ہے،

(۲) یہ خیر (اگر ہو) شر کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کی مقاومت کا نتیجہ ہوتا ہے،

(۳) اس خیر کا ظاہر ہونا شرط ہے یعنی جس ذات پر شر وارد ہو رہا ہے اس کی صفات

اخلاقی پر منحصر ہے،

(۴) شر اگر جس ذات پر کیا جائے اس کے لئے اچھا بھی ہو، تب بھی شر کو نیو الی نوات

کے لئے یہ ہرگز اچھا نہیں ہو سکتا،

ان باتوں کو اگر تم سمجھ چکے ہو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ خیال کہ شر سے خیر ظہور پذیر ہوتا ہے، اور اوس کے ساتھ ہی اوس کی یہ تفریع کہ ”وسائل شر کا استعمال حصول خیر کے لئے جائز ہے“ کس حد تک غلط ہیں، چند خاص مثالوں سے ایک عام نتیجہ اخذ کرنا ایک اہم منطقی غلطی ہے، دو چیزوں میں علاقہ بسببیت اوس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ ان میں تو الی و تو اتر نہو یعنی علت کا ظہور پذیر ہونا معلول کے ظہور کو مستلزم نہ ہو، شر اور خیر میں یہ بات نہیں پائی جاتی

اس عقیدہ کی ایک اہم منطقی غلطی تو ہم دیکھ چکے، لیکن اس کا ایک اور نقص بھی ہے اور وہ ”انجام“ اور ”وسائل“ کے معنوں اور اوں کی حقیقت کے متعلق ہے پس یہ ضروری ہوا کہ ہم ان دونوں الفاظ کا صحیح تصور اپنے ذہن میں قائم کریں، عزت عام میں کسی کام کے ”انجام یا مقصد“ سے وہ خیال مراد ہوتا ہے، جو فاعل کے ذہن میں تو ہے، لیکن جس تکمیل ابھی باقی ہے لفظ ”وسائل“ سے عام معنوں میں وہ افعال مراد لئے جاتے ہیں جو فاعل کے خیال (مقصد) کو عملی طور پر ظاہر کرنے کے لئے کیئے جاتے ہیں، گویا کہ ان تعریفات میں وسائل کو افعال، اور مقصد کو خیال یا فکر مانا گیا ہے لیکن یہ تعریفات ناقص ہیں انجام محض خیال نہیں ہے جو موجود فی الذہن فاعل ہو، انجام اور وسائل میں یہ تخالف قرار دینا غلطی ہی حقیقت یہ ہے کہ انجام میں بھی وہی تعلیت پائی جاتی ہے جو وسائل میں موجود ہوتی ہے اور دونوں صورتوں میں فاعل کے ذہن میں ان ہر دو کے متعلقہ افعال کا تصور قبل از قبل موجود رہتا ہے یہ تحریدی بحث اگر سمجھ میں نہ آئے تو ذیل کی مثال سے اوس کی تشریح ہو سکتی ہے، فرض کرو کہ میں حصول صحت کے لئے حیدرآباد سے اوٹا لکھنا چاہتا ہوں، اس میں میرا انجام مقصد ”اوٹا لکھنا“ ہے، گھر سے نکل کر حیدرآباد کے اسٹیشن تک جانا اور ٹکٹ خریدنا، یہ وسائل ہیں، اب دیکھو کہ اوٹا لکھنا جانا اور ٹکٹ خریدنا دونوں کے دونوں افعال کے زمرہ میں داخل ہیں اولاً دونوں میرے ذہن میں بطور خیال کے پیدا ہوئے اور پھر تقدیم و تاخیر کے ساتھ بحیثیت افعال سرزد ہوئے،

ایک دوسری مثال لو فرض کرو کہ کسی برسرِ بکا قوم نے مفتوحہ قوم کے ملک پر قبضہ

کر لیا ہے، فاتح افواج کا مقصد اپنی سلطنت کی تاسیس کے لئے مفتوحین کو اطاعت پر مجبور کرنا ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے جو وسائل استعمال کیے جلتے ہیں وہ فوجی اور غیر فوجی باشندوں کا قتل عام، غارتگری، آتش لا، وغیرہ ہیں مثال اول کی طرح اس مثال میں بھی، وسائل اور مقصد دونوں یکساں زمرہٴ افعال میں داخل ہیں، دونوں میں لازماً فعلیت پائی جاتی ہے جو مختصر یہ کہ انجام اور وسائل کے متعلق جو تصورات عام و خاص میں قائم ہیں وہ منطوقہ آمیز ہیں، ہم یہ نہیں کہتے ان دونوں میں فرق نہیں ہے، نہیں فرق ضرور ہے، لیکن وہ فرق نہیں جو خیال اور فعل میں پایا جاتا ہے، بلکہ وہ فرق جو جزوہٴ اولیٰ میں ہوتا ہے، جن کو وسائل کہا جاتا ہو جو بالاصل افعال ہیں جو بطور جزوہٴ دوسرے فعل (کل) میں داخل ہیں، یہ کل عرت عام میں انجام یا مقصد کہلاتا ہے، اگر یہ بحث مسلم ہے تو اس سے کون انکار کر گیا کہ ”کل“ کے متعلق جو کچھ رائے قائم کی جائے اس میں اس کے اجزاء کا لحاظ بھی ضرور رکھنا چاہیے، پس اگر ”فعل جزوی“ یعنی وسائل غیر منصفانہ اور شر آمیز ہو تو فعل کل (مقصد یا انجام) کب بے انصافی اور شر کی آمیزش سے پاک ہو سکتا ہے،

حاصل کلام یہ کہ ان وسائل بد کو جائز قرار دینا جسے انجام ”خیر“ حاصل ہوتا ہو سخت غلطی ہے وسائل بد کی وساطت سے جو مقصد فراہم ہوگا، لا محالہ بد ہوگا، باطل ترغیبات کا ایک بڑا حصہ (بالخصوص خود ترغیبی، کید نفس وغیرہ) اسی اجتہادی غلطی کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے اور یہ امر نہایت ضروری ہے کہ ہر شخص اس عقیدہ کی غلطی سے واقف ہو جائے تاکہ خود ترغیبی میں اس کو بطور سنجیدہ نکتہ پیش کرے اور دوسروں کی ترغیبات کو جو اس عقیدہ پر مبنی ہوں قبول کرنے سے پرہیز کرے، شاید یہ خیال کیا جائے کہ ہم خیر اور شر کو اس حد تک متباعد سمجھتے ہیں

کہ موخر الذکر کا اول الذکر میں تبدیل ہونا بھی تسلیم نہیں کرتے یہ خیال صحیح نہیں ہے، خیر بیشک خیر ہے اور شر ہیستہ شر ہیگا لیکن چونکہ دونوں کا مورمحل وقوع مشترک ہے یعنی حیات انسانی اسلئے انکا باہمی انضمام بھی ممکن ہے، اور یہی اُمید کہ جد و جہد سے شر کو خیر میں تبدیل کیا جاسکتا ہے تمام دنیا کے مصلحان قومی کی جانفشانیوں اور ان تھک کوششوں کا سہارا ہے،

خود ترغیبی خود فریبی کا خلیکہ کا حصہ | اس باب میں اب تک ہم اُن تناقضات جذبی و ذہنی سے بحث کرتے رہے جو ہمارے نفس کو مناظرین ڈاکر ہماری ترغیبات کو ایک غاص رخ میں لجاتے ہیں لیکن ہمارے تخیلات کی خود سرانہ پرواز بھی اکثر اوقات خود ترغیبی میں بہن مدد دیتی ہے، اور اپنے اعتقادات و خواہشات کو ہم اوس کی وساطت سے حق بجانب ثابت کرتے ہیں۔ جب کبھی کوئی اعتقاد تھا اسے نفس پر مسلط ہو کر عمل ترغیب کے لئے نقطہ آغاز کا کام دیتا ہے تو اوس وقت جذبات اور دلائل سے جس طرح کام لیا جاتا ہے وہ تو تم کو معلوم ہی ہو چکا، لیکن قوت تخیل بھی اپنا عمل شروع کرتی ہے، تمہارے معتقدات کے حسب حال خیالی تصویریں پیش کر کے، ماضی اور حال سے مستقبل کی مبائلہ آمیز تصویریں کھینچ کر، رائی کا پٹا بناتی ہے، اور نفس کو جبلی خواہشات اور معتقدات کا ہم آہنگ بنا دیتی ہے،

جذبات کی طرح تخیلات کا یہ پُر فریب عمل کم و بیش غیر شعوری حالت میں ہوا کرتا ہے جب کبھی تمہارے تخیلات تمہاری ذات کے متعلق ہوتے ہیں، تو اوس وقت یہ تمہارے دائرہ شعور میں نہیں ہوتے، لیکن جوہی کہ نفس ان سے واقف ہو جاتا ہے، ویسے ہی تخیل کا بنایا ہوا "قصر ہوائی" زمین پر آ رہتا ہے، اکثر اوقات ہم خیالی دنیا میں کمان سے کمان پہونچ جاتے ہیں، تفریح اور سلسلہ خیالات میں اُبھے ہوئے ہم اس طرح بیٹھے رہتے ہیں گویا کہ ہماری خیالی قصا ویر فی الاصل حقیقی بھی ہیں، کبھی ناخوشگوار خیالات کا تسلط ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کئی حقیقت

یہ سب کچھ ہمارے تجربہ میں آ رہا ہے، لیکن یہ کل عملِ نفس کی لاعلمی میں ہوتا ہے اور کسی شخص کے کمرہ میں داخل ہونے یا کسی آواز کے کان میں پڑنے سے ہم چونک پڑتے ہیں اور لا محول کا قوت کتنے ہوئے خیالی تصویر دن سے دست بردار ہو کر حقیقت کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، تم نے شاید بچپن میں اوس آدمی کی کہانی سنی ہو جو خیالی پلاؤ پکاتا ہو گئی کا گھر اٹھ کر بازار میں جا رہا تھا خیالی دنیا میں اس نے کیا کیا مرتبے حاصل نہیں کئے اور انہیں خیالات میں اس قدر منہمک ہو کر گئی کا گھر اچھینک دیا، اس کے گرنے کی آواز شکر اسے ہوش آیا۔ یہ مثالیں غلِ تخیل کے نیم شعوری ہونیکلی اچھی مثالیں ہیں، جس طرح ہمارے ذاتی تخیلات نفس کی بخیر ہی میں ہم کو تر قیب دیتے ہیں، اسی طرح ہمارے وہ تخیلات بھی جو دوسروں سے متعلق ہمارے سامنے آتے ہیں نفس کی غیر شعوری حالت میں واقع ہوتے ہیں اور ہوش اوس وقت آتا ہے جب ہمارے تخیلات حقیقت سے متصادم ہوتے ہیں اوس وقت نفس چونک کر ہوشیار ہو جاتا ہے، اور

ع۔ خود غلط بود انچہر ما پنداشتیم

کہتا ہوا خیالی دنیا سے باہر آ جاتا ہے، اس کی مثالیں بھی کم و بیش ہر شخص کے تجربہ میں آتی ہیں جب کسی شخص کی نسبت تعینِ حسنِ ظن ہو جاتا ہے تو اوس کا خراب سے خراب فعل تم کو خراب نہیں نظر آتا، جب ناقابلِ انکار واقعات کا سامنا ہوتا ہے تو تمہاری خوش اعتقاد می جاتی رہتی ہے، بالکل یہی حال سو ظنون کا بھی ہے اس شعور میں

با سایہ تر انمی پسندم عشق است و ہزار بدگمانی

بدگمانی کی جو تصویر کھینچی گئی ہے وہ ہمارے نقطہ نظر سے تخیل کے ترغیبی عمل کی بہت اچھی مثال ہے، ”سایہ“ کو قریب سمجھ کر معشوق سے بدگمان ہونا عاشق کی غیر شعوری نفسی حالت کو مستلزم ہے اگر وہ سایہ کو سایہ سمجھ لے، اور اس کی حقیقت سے واقف ہو جائے تو تخیل کی یہ فریب دی بھی جاتی ہے،

ذیل کی مثالوں سے کسی دوسرے کے متعلق ہمارے تخیلات کا یہ پرفزیر عمل اچھی طرح سمجھ میں جائیگا

(۱) ا۔ ب۔ ایک بالطینت نیک خاتون تھیں، ان کے پاس کچھ عرصہ سے ایک ملازمہ

نوکر تھی، یہ ملازمہ انتہا درجہ کی جلد باز اور بے سلیقہ تھی اور کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا جب ایک یا دو چینی کے برتن اسکے ہاتھ سے نہ ٹوٹتے ہوں، ا۔ ب۔ اپنی ملازمہ کو جدا کرنا چاہتی تھیں، اس کی طرف سے انھیں ایک خاص حُسنِ ظن تھا، جب کبھی عقلِ خردہ کار انھیں اپنی ملازمہ کی ناقابلِ اصلاح بد سلیقگی کا یقین دلاتی تو فوراً تخیل کا عمل اسی ملازمہ کو آئندہ کی باسلیقہ اور مخفی کام کرنے والی عورت بنا کر پیش کرتا، مگر انہی خوش آئند خیالات میں مصروف رہ کر اس کے برطرف کرنے کا فیصلہ نہ کر سکتی تھیں تا آنکہ ایک روز قیمتی ظروف کا پورا ٹوکرا ملازمہ نے گرا دیا اس واقعہ سے ا۔ ب۔ بیدار ہوئیں، ملازمہ کی خیالی ”سلیقہ شعار تصویر“ غائب ہو گئی، اور وہ برطرف کر دی گئی۔“

(۲) عین اسی موقع پر س۔ ب۔ نامی دوسری خاتون کو ایک ملازمہ کی ضرورت

ہوئی، دن کی پہلی ملازمہ سلیقہ شعار تھی، لیکن س۔ ب۔ کا سو ظن اس کی معمولی فروگزاشت کو بڑا چڑھا کر پیش کیا کرتا تھا ایک دن اتفاقاً اس ملازمہ کے ہاتھ سے کوئی برتن ٹوٹ گیا تو س۔ ب۔ کے تخیل نے اس واقعہ کو یہاں تک بڑایا کہ خیالی دنیا میں اون کو پورا اساس البیت اس ملازمہ کے ہاتھوں پر باد ہوتا ہوا نظر آیا، دوسرے دن اتفاقاً خادمہ کا بھائی اس سے ملنے آیا، س۔ ب۔ کے تخیل نے اس واقعہ کو اتنی اہمیت دی کہ اوکو یقین ہو گیا کہ اون کی خانہ داری کی چیزیں اس ”بھائی“ کے ہاتھوں فروخت کی جاتی ہیں، اب انھوں نے اپنی ملازمہ کو برطرف کر دیا اور سکی جگہ ا۔ ب۔ صاحبہ کی ملازمہ کو رکھا، اس ملازمہ نے حسبِ عادت آتے ہی نقصان کرنا شروع کیا اس روحِ فرسا حقیقت نے س۔ ب۔ کے تخیل کو دور کر دیا، اور انھیں اپنی پہلی ملازمہ کو بمقتور برطرف کرنے پر سخت تاسف ہوا،

مذکورہ بالا مثالیں اس قدر عام ہیں کہ اون کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اکثر والدین اپنے بچوں کو خراب عادتیں اختیار کرتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن اون کی محبت (یا حسن ظن) انہیں یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ ”بچہ ہیں“ آگے چل کر سنہل جائینگے، اگر اساتذہ اپنے کسی شاگرد کی طرف سے بدگمان ہوتے ہیں تو اس غریب شاگرد کی انتہائی مشقت بھی انہیں ”لا پرواہی“ نظر آتی ہے، حتیٰ کہ شاگرد کی ہمت بھی ہست ہو جاتی ہے اور بلاخود ناکامیاب ہوتا ہے، ضرورت اس کی ہے کہ لوگ اس قسم کی پُر غریب ترغیبات کو قبول نہ کریں،

خود ترغیبی یا ترغیبات ذاتی کی ابتداء میان **گذشتہ** مثالوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے تخیلات متعلق بہ دیگر افراد بھی اپنی ذات سے متعلق تخیلات کی طرح نفس کے علم سے باہر ہوتے ہیں اور اون کی اصلیت اُس وقت معلوم ہوتی ہے، جب حقیقت اور واقعات کا سامنا ہوتا ہے، یہ سچ ہے، لیکن یاد رکھو کہ تخیل میں حقیقت اور اصلیت کے مقابلہ کی بھی اچھی خاصی صلاحیت ہوتی ہے، ایک تہہ دو مرتبہ تین مرتبہ بلکہ دس مرتبہ بھی اگر تمہاری ترغیبات کی نوعیت تم پر منکشف ہو جائے تب بھی تم انہیں خیالات باطل کی طرف رجوع کر دگے اور اپنے آپ کو مثل سابق ترغیب دو گے، ہمارے قوائے عقلیہ میں سب سے زیادہ تخیل کے قائم کردہ نقوش دیر پا ہوتے ہیں اور مٹ کر دوبارہ قائم ہو جاتے ہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ شکی مزاج آدمیوں کی اصلاح کرنا اور بدگمان لوگوں کی بدگمانی دور کرنا کتنا دشوار ہے جن لوگوں نے اتالیق بیوی (سنسکاڈل کے کرٹین لکچر کا اردو میں ترجمہ) کا مطالعہ کیا ہے وہ اس کی کافی شہادت دے سکتے ہیں بیوی کی شوہر کی طرف سے بدگمانیاں ہر موقع پر غلط ثابت ہوتی ہیں جب کبھی واقعات کا انکشاف ہوتا ہے، تو اون کے شبہات کو مٹا دینا بے سرو پا ثابت کرتا ہے لیکن شوہر کی طرف سے اون کی بدگمانی کسی طرح کم نہیں ہوتی، یہ تو خیر ایک مثال تھی، ورنہ زندگی میں تخیلات کے یہی کرشمے روزانہ نظر آتے ہیں، جو خود فریبی کا ایک

زبردست اکثر ثابت ہوتے ہیں کسی جذبہ یا مخفی خواہش سے مغلوب ہو کر شک و شبہ و خوف و نفرت محبت یا اسی قسم کے جذبی اثرات کے زیر نگین ہو کر ہم خفیف ترین و حقیر ترین واقعات کی غلط تفسیر کرتے ہیں، اون میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں کبھی کبھی تصرف اور رد و بدل بھی کر ڈالتے ہیں اور ان نتائج کی بنا پر عجیب و غریب نظریے اور اصول قائم کرتے ہیں جو مضحکہ خیزی میں غفلت زار کشمیر سے کم نہیں ہوتے۔

تخیل جس طرح خود فریبی کا ایک دوا می سر چشمہ ہے اسی طرح اس کا استعمال و منکر ہو کہ دینے میں بھی کیا جاتا ہے، اس قسم کے واقعات عدالتوں کے سامنے برابر پیش ہوتے رہتے ہیں پڑانے فریبے اور جہل ساز، بیوقوف لوگوں کے تخیل اور اس ذریعہ سے اون کے مال پر قبضہ کر کے چل دیتے ہیں، مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کی خیالی ”اکبری“ اور ”فطرت“ ”محجن“ محض خیالی نہیں ہیں، اکبری کی طرح بیوقوف مرد وزن اور محجن کی طرح عیاری سے ترغیب دینے والے دنیا میں آج بھی موجود ہیں تخیل پر قبضہ کر کے ہو کہ دینے کی مثالیں اکثر اخباروں میں نظر آتی ہیں وغالباً لوگ بڑی بڑی دکانوں میں جاتے ہیں اور اپنے آپ کو رئیس ظاہر کر کے قرض مال وصول کرتے ہیں قصبات کے ملا اور سیانے، دیہات کی کم سمجھ عورتوں کے سامنے مستقبل کی دشتناک تصویریں کھینچتے ہیں اور صدقہ کے طور پر ان کا زیور اور روپیہ لیکر چل دیتے ہیں،

تحریری اور تقریری ترغیبات میں بھی قوت تخیل کی فریب دہی سے کام لیا جاتا ہے، ایسے مواقع پر غلط تشبیہات، ناقص تمثیلات اور بے بنیاد موازنوں سے کام لیا جاتا ہے، اشتہاری و افروختوں اور طماع مشرکوں سے قطع نظر بعض متین اور سنجیدہ تحریریں اور تقریریں بھی اس کی جھلک نظر آتی ہے کسی صاحب ثروت کو ملعون قرار دینے کے لئے اسے شدا، یا فرعون سے تشبیہ دینا کسی شاعر کی ہجو کرنے کے لئے اسے قصیدہ خوان کہنا کسی طریق عمل کو بدنام کرنے

کے لیے اسے مائل بہ استبداد یا غلامی کے نام سے یاد کرنا کسی جدید رائے کی مخالفت کرنے کے لیے اسے "مغربیت" کہنا، یہ سب اسی کی مثالیں ہیں، عمل ترغیب میں غلط تشبیہات و نظائر کا استعمال ہر ملک کے سیاسی مقررون اور مصنفون میں پایا جاتا ہے، اس قسم کی ترغیبات کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہو کہ سطحی یا فطری مشابہت کو حقیقی اور معنوی بنا کر پیش کیا جاتا ہے مثالیں جو پیش کی جاتی ہیں ایسی ہوتی ہیں جن میں جذبات کو برا نگہتہ کرنے یا متحملہ پر قابو پالینے کی صلاحیت تو ضرور ہوتی ہو لیکن اگرچہ جو کمشل اور مثل لہ کے درمیان کوئی علاقہ پایا جائے یا ایک کا دوسرے پر صحیح انطباق کیا جاسکے تو یہ ممکن نہیں، ان ہی بنیادوں پر استماتل کیا جاتا ہے جو غلط ہرے کہ بعد از صداقت ہوگا انسان و کلا، بازاری زعمار، اشتہاری دوا فروش، جاہل مبلغ ان سب کی تقریروں میں استدلال کے خشک ٹکڑوں کے بجائے مبالغہ آمیز تخیلات کی چاشنی ہوتی ہے، نا سمجہ افراد اس سو کہ میں آجاتے ہیں اور ترغیب ہندہ کی حسب خواہش فعل کرنے لگتے ہیں،

فریب آمیز ترغیبات کی جو مثالیں ہم نے اس باب میں بیان کی ہیں ان سے اس امر کی توضیح ہو جاتی ہو کہ اکثر اوقات ہماری ترغیبات پر خواہ ذاتی ہوں یا صفاقی، متضاد جذبات، غلط استدلال، اور بے سرو یا تخیلات کا کتنا گہرا اثر ہوتا ہے، یہ تینوں مؤثرات ایک دوسرے میں ضم ہو کر اور ایک دوسرے کی مدد سے ہماری ترغیبوں کو غلط رخ پر لیجاتے ہیں جس کا انجام خود فریب یا فریب دہی ہوتا ہے،

ہماری توضیحات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ باطل ترغیبات، خفیہ طریقہ پر، بغیر ہمارے دقون کے بھی عمل کرتی رہتی ہیں، اکثر اوقات تو ہم ان اندرونی محرکات سے بالکل ہی واقف نہیں ہوتے جو اندر ہم کو تحریک دیتے رہتے ہیں، لیکن اکثر جب اونکا تھوڑا بہت علم ہمارے نفس کو بوجوہ جالبے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اونکا اظہار دنیا کے سامنے ہمارے ہتھک کا باعث ہوگا یا خود اونکا خیال تک کرنا ہمارے ضمیر کے

منافی ہے تو اس وقت استدلال اور تخیل کی رشتہ دو انیان شروع ہو جاتی ہیں، ان دونوں کی مدد سے ہم اپنے ناگواری محركات اور خیالات کی ہیئت کذائی کو تبدیل کر کے اون کو اپنے یا دوسروں کے ضمیر کے لئے قابل قبول بنا دیتے ہیں کسی انسان میں اتنی جرأت نہیں کہ وہ برملا اون خود غرضانہ اور متضاد جذبات، بے ترمذ یا تخیلات اور غلط دلائل کو برہنگی کے ساتھ دنیا کے روبرو پیش کرے، جو بیداری یا خواب کی حالت میں اوس کے نفس کے سامنے آتے ہیں اور اوس کی ترغیبات کے لئے فریب آموز ثابت ہوتے ہیں،

چونکہ ترغیب کا عمل اس طرح پر وہ خفا میں رہتا ہے اس وجہ سے جو افعال اس کی بدولت سرزد ہوتے ہیں ان پر بھی پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہ ایک بیسی بات ہے اس لئے کہ جب تم ایسے محركات کے زیر اثر ہو چکا ہو بلا اظہار تم نہیں کر سکتے حتیٰ کہ خود اپنے نفس کے سامنے اونکا اقبال کرتے ہوئے تم نادم ہوتے ہو تو ظاہر ہے کہ تمہارے افعال بھی (خصوصاً جب اون سے دوسرے بھی متاثر ہوتے ہیں ضرور پردہ راز میں رکھے جائیں گے اکثر اوقات یہی غمی عمل ترغیب بڑھتے بڑھتے ایک سازش کی شکل اختیار کر لیتا ہے، مثال کے طور پر فرض کرو کہ کسی لڑکی کی شادی ایک کم استطاعت شخص کے ساتھ ہوئی ہے، اب یہ لڑکی جذبہ حسد کی تحریک سے اپنی چھوٹی بہن کے خلاف سازش کرتی ہے، کیونکہ اس کا آئندہ شوہر ایک ذی ثروت شخص ہے، جذبہ تو حسد کی شکل میں نمودار ہوا، اب اس بیڑی بہن کا تخیل چار سال بعد کا منظر اس کے سامنے پیش کرتا ہے، اس خیالی دنیا میں وہ اپنی چھوٹی بہن کو عیش و آرام کی زندگی بسر کرتی ہوئی دیکھتی ہے اور خود اپنے آپ کو قلت آمدنی کی مصیبتوں میں گرفتار پاتی ہے، جذبہ کی اس تحریک اور تخیل کی قریب دہی سے متاثر ہو کر وہ اپنی بہن کے خلاف سازش شروع کرتی ہے، چھوٹی بہن کی موجودگی میں اس کی آئندہ جدائی کے خیال سے منہم نظر آتی ہے والدین کے سامنے اپنی حیثیت سے بڑھکر رشتہ کرنے کے نقصانات بتاتی ہے بغیر طریقہ سے

اپنی چھوٹی بہن کی بُرائیاں فریق ثانی تک پہنچاتی ہے اور اون کو ترغیب دیتی ہے کہ اوس کے ساتھ
رشتہ کا خیال ترک کر دیں،

تم شاید یہ اعتراض کرو کہ مذکورہ بالا مثال میں استدلال کا ترغیب پر کوئی اثر نہیں پایا
جاتا اور یہ کہ کوئی عقلمند بہن اپنی چھوٹی ہمیشہ کے ساتھ ایسا سلوک روا نہیں رکھ سکتی، یہ اعتراض اصل
بجائے، بڑی بہن قوت استدلال سے عاجز نہیں ہو سکتی وہ استدلال بجائے اس کے کہ اوس کی خواہشات
کی مخالفت کرے اوس کے جذبات کا ہم آہنگ بن گیا ہے اور اوس کی حرکات کو حق بجانب ثابت کرنے
کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، میرے کرنے سے کیا ہو گا؟ ”اگر چھوٹی بہن کی قسمت اچھی ہے تو میری تدبیر کا اگر
ہی نہ ہوگی“ اگر میری تدبیر کا اگر ہو گئی، تو یہ سمجھنا چاہیے کہ شادی اوس کی قسمت میں نہ تھی، بہر حال میرا
کیا قصور، اس طرح کی خود فریبیوں یا یوں کہو کہ تشفی ضمیر کے لیے وہ استدلال استعمال کیا جا رہا ہے،
ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ مذکورہ بالا مثال سچ ہے، ممکن ہے کہ یہ راقم کے پُر فریب و تخیل کا نتیجہ ہو اور کسی
خواہش سے مجبور ہو کر کہنی دوسروں کو مسالہ ترغیب کے متعلق اپنا تخیال بنانے کے لیے وہ استدلال
کر رہا ہو بہر حال کوئی صورت کیون نہ ہو، اتنی بات مسلمہ ہے کہ حضرت انسان کے گونا گوں جذبات کو دیکھتے
ہوئے ایک بہن کا دوسری بہن کے خلاف اس طرح سازش کرنا ناممکن نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ جس طرح عمل ترغیب کے عناصر ترکیبی تین ہوتے ہیں، یعنی جذبہ تخیل، استدلال
اوس طرح سے خود ترغیبی، خود فریبی، اور باطل ترغیبات میں بھی یہی تینوں علیحدہ علیحدہ عامل رہتے ہیں،
ہمارے جذبات، وجدانات، اور جبلی خواہشات ہماری ترغیبوں پر حاوی رہتی ہیں، اون کی تشفی کے
لیے کبھی ہم غلط استدلال کرتے ہیں، اور کبھی فضول اور مبالغہ آمیز تخیلات سے کام لیتے ہیں، اب تک تاری
بحث باطل ترغیبات اور ان کے مُضر نتائج سے اُسی حد تک رہی جہاں تک افراد کا تعلق ہے، لیکن افراد
کی طرح جماعات کو بھی باطل ترغیبات دی جا سکتی ہیں یا جماعات خود اپنے آپ کو اس قسم کی ترغیب

دے سکتی ہیں، جب باطل ترغیبات کا اثر کسی ذمی اقتداریت اجتماعی میں ہوتا ہے جس کے افراد وحدتِ مساعی و مقاصد کے رشتہ میں منسلک ہوتے ہیں، تو اس صورت میں ان کے مضر اثرات تعداد افراد کی مناسبت سے اور زیادہ ہو جاتے ہیں اور اونکا دائرہ بھی وسیع ہو جاتا ہے، اون کی وساطت سے طاقتور جماعتیں اپنے افراد اور دوسری کمزور جماعتوں کو اپنے قابو میں رکھنے کی کوشش کرتی ہیں اتھدیدِ عدیمیت (*Nihilism*) نزاع یا فوضویت - *Anar-*
chy - انتفاع ناجائز، اور بہت سے دوسرے مضر اثرات رونما ہوتے ہیں اور حیاتِ اجتماعیہ کے ہر شعبہ پر اپنا مضر اثر ڈالتے ہیں پس اس قسم کی ترغیبات کا تجزیہ قومی اور جماعتی اعتبار سے نہایت مفید ہو سکتا ہے، اور آئندہ باب میں اسی سے بحث کی جائیگی،



باب سوم

جماعات کی ترغیب کے طریقوں سے بحث، افراد جماعت پر اوں کے
مُضر اثرات، تہدید، و انتقاع ناجائز

عصرِ جدید کا جماعت بندی کی طرف رجحان، اُردو زمانہ حال میں فرقہ بندی کا جو عام رجحان دیکھنے میں آتا ہے اسکی مثال گذشتہ تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتی، ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ جماعت، انجمن وغیرہ کا اتنا چرچا نہ تھا، ہر شخص بجائے خود سعی و کوشش کرتا تھا، لیکن آج صورتِ حال اس کے بالکل عکس ہے، ایک خیال، ایک پیشہ، اور ایک ہی اغراض و مقاصد رکھنے والے افراد ہر طرف سے سمٹ کر اپنے اپنے مخصوص حلقے اور گروہ بنا رہے ہیں، ریل، تار، لائٹنگی پیغام رسانی، ہوائی جہاز اور دیگر وسائل آمد و رفت نے بعد مکانی کو مٹا دیا ہے، ہر مقام اور جگہ کی قیدیں ترسیل و تبادلہ خیالات میں حائل نہیں ہوتیں اس مدنی رجحان کا نتیجہ ہم آج یہ دیکھ رہے ہیں کہ مختلف جماعات اپنا اپنا حلقہ اثر وسیع کرنے کی کوشش کر رہی ہیں، اپنے مقاصد و اغراض کی تکمیل کے لیے افراد کو عجیب و غریب طریقوں سے ترغیب دیتی ہیں، بن طریقوں سے یہ ترغیب دی جاتی ہے، اور افراد پر اوں کا جو کچھ اثر ہوتا ہے، وہ شاید مجوزہ زمانہ سے زیادہ کبھی نہ ہوا ہوگا۔

زندگی کے جس شعبہ کو، اُس میں تعین جماعت بندی، شرکتِ عمل، شرکتِ جدوجہد کا

رجحان روز افزون نظر آئے گا، مذہب کے فرقے تو قدیم زمانے سے چلے آ رہے ہیں، لیکن انہیں بھی جتنی
 تنظیم و نسق، اور باقاعدگی آج دیکھنے میں آتی ہے، زمانہ سابق میں اس کا عشرِ عشریٰ بھی نہ تھا، علی
 جماعتیں علیحدہ قائم ہیں، ایک ہی خیال، یا ایک ہی نظریہ کے قائلین یا کسی خاص مذہب کے متقدّمین
 علیحدہ علیحدہ حلقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور ہر حلقہ اپنے نقطہ خیال کی حمایت میں کسی ممکن کوشش سے
 دریغ نہیں کرتا پیشہ دردن میں بھی اسی حلقہ بندی کا زور و شور ہے، بار ایسوسی ایشن ۱۸۷۳
 (Association) یعنی انجمن و کلاں، اساتذہ کی کانفرنس، ڈاکٹروں کے
 کلب، انجینئروں کی سوسائٹیاں، یہ ہمارے ہندوستان میں بھی موجود ہیں اور ابھی ابھی حال میں کون
 اور مزدوروں کی جماعتیں، اور آل انڈیا نائی کانفرنس بھی وجود میں آ چکی ہیں، غرض کہ ہر پیشہ نے اپنا اپنا
 نظم و نسق مرتب کر لیا ہے، اپنی بقا و تحفظ کے لیے ایک مشترکہ نظام عمل کی پابندی متعلقہ افراد پر لازمی
 قرار دیدی ہے، تجارت میں بھی بعینہ یہی کیفیت نظر آتی ہے، ایوانہائے تجارت، انجمن ساہوکاران، غرض کہ
 ایسی ہی اور جماعتیں ملک کی تجارت کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہیں اور غریب و کا ندار جو انفرادی حیثیت
 سے کاروبار کرتے ہیں رفتہ رفتہ جماعتوں کے دباؤ سے متاثر ہو رہے ہیں اور میدانِ عمل سے پیچھے ہٹتے چلے
 جا رہے ہیں، سیاسیات میں دیکھو تو وہاں بھی یہی زور و شور ہے، اخبارات ایک ہی حلقہ اتحاد میں جمع
 ہو کر گورنمنٹ کی پالیسی کو اپنے اثر میں لانا چاہتے ہیں، اور عام لوگوں پر اپنا رسوخ جتاتے ہیں، سیاسی
 فرقے کثرت سے ملک میں قائم ہیں اور وقت اور حالات کے اقتضا سے برابر ہٹتے یا وجود میں آتے رہتے
 ہیں، آڈریٹ۔ برل، اکیٹریٹ۔ کوآپریٹ۔ نان کوآپریٹ۔ غرض کہ متعدد دیگر وہ اس کوشش میں
 (اعتدال پسند) (اکثریت پسند) (موافقی) (معاذ اللہ)
 مصروف ہیں کہ گورنمنٹ کو اپنا خیال بنائیں، یا ملک میں اپنے شرکاء و خیال و عمل کی تعداد میں اضافہ کریں
اس سے تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ کسی جماعت کے مختلف افراد کا تعاون و تعامل
 ان کے مقاصد فی الوقت کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے، یہ تو ایک بدیہی بات ہے کہ مل جل کر کام

کرنے سے بہت سے عملی فوائد رونما ہوتے ہیں، ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ جماعت بندی کے نتائج صرف مضر ہی ہوتے ہیں اور کامفید ہونا یا مضر ہونا، ان جماعتوں کے مقاصد اور ان مقاصد کے حصول کے طریقوں پر منحصر ہے، پھر بھی اتنی بات ضرور ہے کہ جب دو گروہ اپنے اپنے اقتدار کے لیے کوشاں ہوں تو اس صورت میں بعض خایموں کا وجود لازمی ہے اور یہ خامیاں کیا ہیں؟ یہی ترقیبات باطل (اپنے حلقہ کے افراد کو غلط ترقیبات دیکراؤں سے منافی ضمیمہ انفعال سرزد کرنا، یا دوسری جماعتوں کے افراد کو غیب دے کر اپنے حلقہ میں لانا، امتناع ناجائز یعنی مدنی اور اجتماعی دباؤ اور افراد سے کام لینا، تہدید وغیرہ موجودہ باب میں انہی سے بحث کی جائے گی،

تشکیل جماعت میں نفس انسانی کی صفت، اثر پذیر میری نفس انسانی کا فطری اور ذہنی خاصہ ہے، یہ اسی اثر پذیر میری کا حصہ اور اس کے اثرات، صفت کا نتیجہ ہے کہ ہم اکثر اوقات بعض معتقدات کو بلا تجسس و تنقید یا استدلال محض اس وجہ سے قبول کر لیتے ہیں کہ دوسروں کے بھی یہی معتقدات ہیں، اب خواہ تم اسکو نفس انسانی کی کمزوری ہی کیوں نہ قرار دو، تاہم یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس خاصہ نفس کا اثر حیات ملیہ پر بہت کچھ ہوتا ہے، اگر دماغ انسانی اس صفت سے متصف نہ ہوتا، تو حیات مدنی کا وجود بھی نہوتا۔ مثال کا اثر صحبت کا اثر، تقلید، ترغیب یہ سب سرے سے وجود ہی میں نہ آتے، کیونکہ اچھی یا بُری مثال سے متاثر ہونا، کسی خاص رویہ کی تقلید کرنا، یہ دونوں کے دونوں اس صفت کے وجود کو مستلزم ہیں، اسی طرح سے عمل ترغیب میں بھی اس کا وجود لازمی ہے کیونکہ اولاً تو جن اساسی اعتقادات سے عمل ترغیب شروع ہوتا ہے (ملاحظہ ہو باب اول)، وہ اسی خاصہ اثر پذیر میری کی بدولت ہمارے نفس میں جا گر رہے ہوتے ہیں، ثانیاً دوسروں کی ترغیب کا قبول کرنا، یا نحو ہمارا دوسروں کو ترغیب دینا کل وجہ اسی پر منحصر ہے، اگر یہ نہوتا تو کسی مقرر یا مصنف کے لیے دوسروں کو اپنا انجیال بنا کر اس کی اپنی حسب خواہش انفعال سرزد کرنا قطعاً ناممکن ہو جاتا،

اثر پذیرِ می کے نتائج اصلی رنگ میں جماعتوں میں نظر آتے ہیں، جب متعدد افراد انبوه کی شکل میں مجتمع ہو جاتے ہیں اُس وقت ان کی انفرادی حیثیت باقی نہیں رہتی، شخصیت ذاتی اثرات لہجائی ہو، آزادی رائے و خیال کی بجائے کورانہ متبع و تقلید کا عمل ہوتا ہے، ایسے ہی مواقع پر زعماء عوام کی صفت اثر پذیرِ می سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، انبوه دائرہ عام سے قطع نظر، انجمنوں اور جماعتوں کے افراد میں بھی اثر پذیرِ می کا مادہ ہوتا ہے، جب ایسی صورت ہو تو افراد کا سلوک اجتماع کے دباؤ سے متاثر ہو کر اپنے نفوس کو غلط تر غیبت یا غلط تر غیبات کو قبول کر لینا مقام تعجب نہیں ہو سکتی، دلائل اور جذبات، اور تخیلات کی متناقض اپیلیں گوہر مقصود کے حصول میں مدد کی جاتی ہیں کسی اپیل کے دلائل اور مدد ہونے سے بحث نہیں کی جاتی، حصول مقصد کی صلاحیت اس میں ہو تو اسے آنکھ بند کر کے قبول کر لیا جاتا ہے، ہر جماعت کی تنظیم اور اس کے ضوابط و قواعد اس بات کے متقاضی ہوتے ہیں کہ اس کے افراد مشترک اغراض کے حصول میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں اور ذاتیات (حتیٰ کہ بعض اوقات ضمیر کی مخالفت کو بھی) خارج از بحث قرار دیں، ظاہر ہے کہ جب یہ حالت ہو تو ہر فرد کا قدرتی رجحان اس کو امر پر مجبور کر تا ہے کہ کسی چیز کو قبول یا رد مشکل جماعت کے لیے مفید یا مضر ہونے کے لحاظ سے کہے اور اس قدرتی رجحان کو نفس انسانی کے خائنہ اثر پذیرِ می سے بہت تقویت پہنچتی ہے،

انفرادیت کی ناجائز ترغیبات کا نفس بے نیسا **اثر پذیرِ می** سے جو بحث اب تک کی گئی اوس سے یہ تو واضح ہو گیا ہو گا کہ عمل ترغیب میں اس کی موجودگی ضروری ہے نیز ایک حد تک ان نتائج قبیحہ کا بھی اندازہ ہو گیا ہو گا جو اثر پذیرِ می کی بدولت مترتب ہو سکتے ہیں، یہاں تک تو خیر تمہیدی بحث تھی

لے ممکن ہو تو ناظرین مسئلہ اجتماع (معنفہ مولوی عبد الماجد صاحب) میں اثر پذیرِ می کا باب بالاستیعاب ملاحظہ فرمائیں، اس کی مکمل بحث موجودہ حد نظر سے باہر ہے، مولف،

اب دیکھنا یہ ہے کہ جماعت کے زیر اثر اگر افراد پر کیا کیا بندشیں عائد ہو جاتی ہیں یا وہ خود کسی فعل یا جاننا کے جواز کی کس طرح کوشش کرتے ہیں،

کسی جماعت کے افراد کے لیے جو باہمی امداد کا عہد و بیان کر چکے ہوں، یہ ناممکن نہیں تو ذرا دشوار ضرور ہے کہ وہ کس قسم کی آزاد خیالی سے کام لے سکیں یا ذریعہ غالب کی رائے کی مخالفت کریں، اگر کوئی فرد ایسا کرے تو اسے فوراً خارج کر دیا جاتا ہے، ہر طرح کی اخلاقی، معاشرتی بندشیں عائد کی جاتی ہیں، ہر قسم کی باہمی مراعات سے جو اس جماعت میں ہوں دست بردار ہونا پڑتا ہے، انگلستان میں اور کسی قدر ہندوستان میں بھی یہی کیفیت نظر آتی ہے، طبابت اور قانون ان دونوں پیشوں نے ایک قسم کا معیار عمل مقرر کر لیا ہے جو ان کے افراد کے لیے قانون کا حکم رکھتا ہے، اس کو پروفیشنل اینلیٹیٹ (Professional etiquette)

(دستورِ حرفہ) کہتے ہیں، اگر کوئی بدتمیز شخص اس مقررہ روش کے خلاف چلے تو اسے فی الفور علیحدہ کر دیا جاتا ہے، اور حق کنیت کے ساتھ ساتھ اکثر اوقات اس بیچارے کو پیشہ سے بھی دست بردار ہونا پڑتا ہے، اس دباؤ کا اثر کیا ہوتا ہے؟ یہی کہ اگر کسی فرد کو جماعت کی منظورہ قرار دے اتفاق نہ بھی ہو تب بھی اسے اپنے ضمیر کا منہ مار کر اپنی رائے کو دوسروں کی رائے کے مطابق کرنا پڑتا ہے، اور چاروں چار ذریعہ غالب کا شریک کار ہونا پڑتا ہے خود ہندوستان کے بعض قصبات میں ”حقہ پانی بند کرنے کی“ دھمکی جو کارگر اثر رکھتی ہے وہ اکثر اوقات ضمیر کی آواز کو اپنے اندر دبا لیتا ہے،

دوسرے باب میں جو کچھ ضمیر کی مخالفت اور اس کی تردید کے متعلق کہا جا چکا ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہر شخص کا ضمیر لازماً اس کے افعال بد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے، لیکن اس کو فوراً ہی اطمینان دلا دیا جاتا ہے اور اس طرح صدائے مخالفت کو خاموش

کر دیا جاتا ہے، بعینہ یہی حال جماعت کی ترغیبات کا ہے، اگر مین کسی جماعت کا رکن ہوں اور وہ جماعت ایسی جماعت ہے کہ جس سے میرے فوائد بڑی حد تک وابستہ ہیں، تو میں اس جماعت کی ہر تجویز کو منظور کرنے پر مجبور ہوں گا، اب ایسی صورت میں فرض کرو کہ جماعت غلبہ آرا سے کوئی ایسی تحریک منظور کرتی ہے جو میرے ذاتی اعتقادات کی مخالفت ہے، اگر میرا ضمیر بچتہ ہے تو میں اس کو ماننے سے انکار کر دوں گا اور ہر طرح کا خمیازہ برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں گا، لیکن دوسری صورت میں (یعنی جب میں اپنے فوائد پر ضمیر کو قربان کرنا چاہوں) پہل سی دلیل یہ ہوگی یہ تحریک اگر ناجائز ہو تو ہوا کرے میں اپنی جماعت اور اس کے دیگر افراد کی بھلائی کو مد نظر رکھ کر اس کے موافق رائے دیتا ہوں عام الفاظ میں یوں سمجھو کہ جماعت کے اثر سے کبھی کبھی لوگ اس پر مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے اعتقادات ترک کر دیں یا وہ کا بڑا اظہار نہ کریں، یا پھر ضمیر کی مخالفت کو برد کرنے کے لیے مذکورہ بالا کید نفس سے کام لیں، اس خیال کے معتقدین کی نگاہوں میں اگر ”نتائج کا حسن“، وسائل کے شرکوزائل کو دیکھا جائے تو مذکورہ بالا دلیل یقیناً قابل قبول ہوگی لیکن خود یہ عقیدہ جتنا فریب دہ اور باطل ہے وہ ہم گذشتہ باب میں دیکھ چکے ہیں، اس پردہ کے پیچھے جذبہ حکومت پسندی، ظلم یا انتقام کی نشانی کی جاتی ہے اور اس کو ظاہر میں ”ایشیا کا خوشنما لباس پہنا دیا جاتا ہے“

اثر پذیر میری کے انتہائی کرشمے اکثر ان جماعتوں میں دیکھنے میں آتے ہیں جو خوف کو کام میں لاتی ہیں اور سرکش افراد کی تمہید و منرا کے ذرائع استعمال کرتی ہیں جن اصحاب نے انجمن اتحاد ترقی برقی یا انارکسٹ پارٹی بنگال، یا سوویت پارٹی روس کی کارروائیاں پڑھی ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ مجلس خفیہ طور پر تمہید کے کیا کیا ذرائع کام میں لاتی تھیں، جرمون کا حکمہ جاسوسی بھی اسی قسم کا تھا سلطنت جرمنی آغاز جنگ سے قبل چالیس لاکھ پونڈ سالانہ صرف اپنے جاسوسوں پر صرف کیا کرتی تھی اس زرکشیر کے خرچ سے نظم نسق کی جو آسانیاں حاصل ہو سکتی ہیں اس کا اندازہ اسی سے ہو جائے گا کہ ہر

جرمن جاسوس اس پر مجبور تھا کہ شرکت عمل کرے اور آزادی عمل سے دست بردار ہو جائے، جرمن محکمہ جاسوسی میں ایسے واقعات متعدد بار پیش آئے ہیں کہ کسی سربراہ آدرہ جاسوس پر شبہ کیا گیا ہو کہ وہ انگریزوں سے ملا ہوا ہے، اور اسی شبہ کی پاداش میں اسے خفیہ طریقوں پر قتل کر ڈالا گیا ہو، بقا جماعت کے زبردست ترین موید «جذبہ» ہم ابھی کہہ آئے ہیں کہ جماعتوں کو اپنے افراد کو قابو میں رکھنے خوف اور (۲) حصول اقتدار کا جذبہ ہیں اور انہیں اپنے حسب منشا اثر غیب دینے کے لیے خوف

کے جذبہ سے کام لینا پڑتا ہے، اس کی مثال میں جرمن محکمہ جاسوسی کو پیش کیا جا چکا ہے جب ایسی صورت ہو تو کسی فرد کے لیے قریب قریب محال ہے کہ وہ اپنی جماعت کے خلاف جائے اس کی کوشش اثر جان لیوا ثابت ہوتی ہو، قیمہ یہ ہوتا ہو کہ وہی فعل جو ایک شخص اپنی جگہ پر بہت کچھ پس پیش کے بعد کرتا، جماعت کا رکھن بند کر دے انکے بند کر کے کرگزرتا ہو، اور اپنے دل کو اس طرح اطمینان دلاتا ہے کہ یہ کام بڑا ضروری لیکن چونکہ اس سے بالآخر میری جماعت کا فائدہ ہو، لہذا دوسروں کے لیے اسے کرنے میں کچھ ہرج نہیں ہے۔

کسی فرد جماعت کے نقطہ خیال سے جذبہ خوف کا یہ عمل ایک معروفی حیثیت رکھتا ہے، یعنی یہ کہ جماعت خوف دلا کر اس کو کسی کام کے کرنے پر مجبور کرتی ہو، اور اس طرح جماعت کے نظم و نسق میں فرق نہیں آنے پاتا نہ تو خیر ایک صورت ہے، لیکن اسی مسئلہ کی دوسری حیثیت موضوعی ہو، یعنی ہر فرد کسی خوف سے نہیں بلکہ اپنے جذبات کی آزادانہ تحریک سے کسی جماعت کے ساتھ مل کر کام کرتا ہو، ان جذبات میں جو اس طرح افراد کو تحریک دیتے ہیں سب سے زبردست جذبہ خواہش اقتدار ہو جو مختلف اور متغنا و خیال کے افراد کو ایک ہی رشتہ اتحاد میں منسلک رکھتا ہو،

ہر گروہ کی امتیازی خصوصیت یہ ہوتی ہو کہ اس میں کم و بیش حکومت یا اقتدار کا شوق ہوتا ہے، اور فی الحقیقت گروہوں کے وجود کا بانی ہی جذبہ ہوتا ہو اور اسے "تحفظ حقوق" کا خوشنام نام دیا جاتا ہے

اگر تم انفرادی حیثیت سے کسی مجلس کے ارکان پر نظر ڈالو تو تعین معلوم ہوگا کہ اون میں غالب تعداد ایسے افراد کی جو جن کو کسی قسم کا اقتدار حاصل نہیں ہے، سرمایہ داروں کی انجمن کو بطور مثال لو لیتے فیصدی سرمایہ دار ایسے ہیں جو بطور نو و مزدور و یا خریداروں یا گورنمنٹ پر کسی قسم کا دباؤ ڈال سکیں اور اون سے اپنے طرز عمل کا نتیجہ کرا سکیں، لیکن جب یہی افراد کسی جماعت میں بحیثیت اراکین انجمن سرمایہ داران یا ممبران ایوان تجارت، شریک ہو جاتے ہیں، تو ہر فرد اپنی قوت اور حکومت کو بڑھا ہوا پاتا ہے، اور فی حقیقت اس پوری جماعت کے حصہ حکومت و اقتدار میں سے ہر فرد کو کچھ نہ کچھ حصہ (نشل ڈٹ) مل ہی جاتا ہے، جذبہ حکومت پسندی عالمگیر ہے، ہر شخص میں تھوڑا بہت موجود ہوتا ہے، بقول لکسٹر (Lester) "ہر آدمی حکومت چاہتا ہے"۔ غلاموں میں بھی آقا بننے کی خواہش موجود ہوتی ہے، ایک اور لطف یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ حکومت یا اقتدار کسی کو مجاہد ہو تو پھر آسانی سے اسے چھوڑا نہیں جاتا، بہت سے لوگ جو فرد افراد اتنی استعداد نہ رکھتے تھے کہ دوسرے لوگوں کی رائے یا اون کی زندگی کو متاثر کر دیں وہی لوگ جب کسی جماعت کے اراکین بن جاتے ہیں تو اون کو اقتدار کا لطف آتا ہے اور جتنا زیادہ جو شخص انفرادی طور پر نااہل ہوتا ہے اتنی ہی اسے اقتدار کی تسبیح میں صرست ہوتی ہے اور وہ اپنی جماعت کے طفیل میں حاصل کی ہوئی حکومت سے غمور ہو جاتا ہے، اس قسم کے کم ظرفوں سے قطع نظر اکثر قابل افراد کو بھی اقتدار میں ایک خاص لطف آتا ہے اور وہ بھی اس کا ناجائز استعمال کر گزرتے ہیں، ایوان اقتدار کی جگہ ہٹ کچھ عجب تاثیر رکھتی ہے، تمام افراد کے چہرے ایک ہی غارے میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں اور بڑے بڑے علماء و فضلا بھی اپنی قبائے ملیت اور دستا فریضیت کو اتار پھینکتے ہیں اور (Lester) "ہر آدمی مشورہ جرم فلاسفہ گذار ہو جسے منسلحہ میں انتقال کیا ہے، اس فلسفی کی خاص مقینیت یہی ہے کہ کسی طرح اقتدار حاصل کرنا چاہیے" اس کی اس مقین کو غلامی پہنا کر اچھوتان کے فلاسفہ اور مدبرین نے گزشتہ جنگ چوٹی کی ذمہ داری اسی کے فلسفہ پر عائد کی ہے، اس کے حامی طبقہ کا اندازہ اکثر اقبال کی نظم شوخ ہارونیشا اچام مٹری سے ہو سکتا ہے

اور عوام کی طرح عمل کرنے لگتے ہیں،

اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ ”حکومت و اقتدار کو تم کیسا سمجھتے ہو؟“ تو ہمارا جواب یہی ہو گا کہ
 فی نفسہ اقتدار کو نہ تو خیر کہا جاسکتا ہے اور نہ شر اس کا خیر یا شر ہونا محض اضافی ہے، اور طریقہ استعمال
 اور نقطہ خیال پر بہت کچھ منحصر ہے ”زرّ کی طرح“ زرّ کو بھی ایک واسطہ کے طور پر استعمال کرنا چاہیئے،
 مال و دولت کے متعلق ہم دیکھتے ہیں کہ شروع شروع میں ان کے حصول کی خواہش محض ایسے ہوتی ہے
 کہ ان کو ”ذریعہ“ بنا کر ضروریات زندگی پوری کی جائیں، لیکن رفتہ رفتہ یہی خواہش ”عشق زرّ“ میں تبدیل
 ہو جاتی ہے اور انسان کو ”عیم“ بنا چھوڑتی ہے، بعینہ یہی حال اقتدار کا بھی ہے، اگرچہ اوّل اوّل اس کا استعمال
 کسی مقصد کے حصول کے لئے بطور ذریعہ یا واسطہ کے کیا جاتا ہے لیکن رفتہ رفتہ یہ خیال جاتا رہتا ہے اور
 اقتدار کو بچائے خود نصب العین قرار دے لیا جاتا ہے جب ایسی صورت ہو تو اس وقت اپنے نفس کو
 باطل ترغیب دینا زیادہ دشوار نہیں رہ جاتا ہم آسانی سے اپنے آپ کو یہ ترغیب دے سکتے ہیں کہ ہر وہ
 فعل جو اقتدار کے منافی ہو شر ہے اور ہر وہ کام جس سے حکومت کا حلقہٴ افزودہ ہو جائے احسن ہے،
 جماعتوں کی باطل ترغیبات اور ان کے طریقے، **چونکہ تمام جماعتوں کا مقصد اصلی کسی نہ کسی طرح اقتدار حاصل کرنا**
 ہے، لہذا ترغیب کی خود فریبیاں افراد کی طرح ادا میں بھی نظر آتی ہیں، اکثر جماعتیں خود مختارانہ ظالمانہ
 اور غیر منصفانہ افعال کرتی ہیں اور پھر بھی ان افعال کا قبیح ہونا انہیں نظر نہیں آتا بلکہ ان کے جواز کی کوشش
 کی جاتی ہے، اس کی وجہ وہی ہے، جو باطل ترغیبات کی ہم باب دوم میں بتائے ہیں، یعنی ”کسی اعتقاد
 لاشعراً حصول اقتدار کو حق بجانب تسلیم کر کے اس پر عمل پیرا ہونا اور اعتراض کی صورت میں تخیل کی
 ابلیغی یا سوراہہ استدلال سے مدد لیکر اسے بجا ثابت کرنے کی کوشش کرنا“ اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک جماعت
 غیر منصفانہ یا ظالمانہ افعال کرنے کے بعد بخین مفاد عامہ، اذیّات و مصلحتیں پہنچی بتلاتی ہے، اسی طرح سے ہر
 جماعت تمام دوسری جماعتوں کو (عام اس سے کہ وہ اس کی مصلحت میں یا مخالفت) اپنا قطعی دشمن خیال کرتی ہے

اور استدلال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ یہ دوسری جماعتیں اون کے اقتدار کی مخالفت یا علی الاعلان
 اوس کی موافق نہیں۔ بقول لیتنڈر (Lytton) اس گروہ کی مثال بالکل اوس
 شخص کی سی ہو جو کسی نابینا شخص کو دھول اڑتا ہے، اس وجہ سے نہیں کہ وہ غلط راستہ پر جا رہا ہے
 بلکہ محض اس وجہ سے کہ وہ اس کو اپنا رہبر کون نہیں بنانا، ہمارے ہندوستان کی موجودہ سیاسی
 حالت میں بہت سی جماعتوں کا یہی رنگ ہے، اعتدال پسند طبقہ دوسرے گروہوں کا محض اس وجہ سے
 مخالف ہے کہ وہ ان کے بتائے ہوئے راستے پر کیوں نہیں چلتے، اسی طرح اکثریت پسند طبقہ دوسرے تمام طبقوں کا
 دشمن ہو اور آئندے کے سرپرست محض اس وجہ سے دھول مارتا ہے کہ وہ اسکی رہبری کیوں نہیں قبول کرتا،
 طاقتور جماعتوں کو اپنے تعدادی یا مالی غلبہ کی بدولت کمزور جماعتوں کی "تاویب و نسیہ" کے بہانے
 دلی کدورت نکالنے کے خوب موقع ملتے ہیں، ہر گروہ میں بجائے عمومیت کے تفصیل و راست شنائیت کو
 بہت کچھ دخل ہوتا ہے مثلاً خاص افراد کو داخل کرنا یا خاص شرائط کے ماتحت رکن بنانا۔ اس استثنائیت
 کا نتیجہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہر گروہ اپنی محدود تعداد کے علاوہ بقیہ دیگر افراد سے برسرِ بیکار رہتا ہے محض
 سنگ نظری اور تعصب ہے، خاندانوں میں بھی اس کی مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں، وسیع کنبوں کی بڑی
 بوڑھیاں اپنے "نگلزار" کے سوا اور تمام دنیا کو بیچ خیال کرتی ہیں، اون کو تعجب ہوتا ہے کہ ان کے خاندان
 سے باہر رہ کر لوگ کس طرح خوشی و خرمی سے زندگی بسر کرتے ہوں گے، حالی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

ہیں تالاب میں مچھلیاں کچھ فراہم وہی اون کی دنیا وہی اون کا عالم

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہر گروہ کے وجود میں آنے کی محرک خواہش اقتدار ہوتی ہے اور دنیا کے
 سامنے اون کے اغراض و مقاصد کے کیسے ہی خوشنما جال کیوں نہ پھیلائے جائیں پھر بھی یہی چیز ہے جو
 اون کا منفی نصب العین ہو کر رہتی ہے، یہ تو ہوا لیکن بقلائے اقتدار کے لیے اس کی بھی ضرورت ہے کہ ہر گروہ
 میں کچھ ضوابط و قواعد قرار دیے جائیں اور اس میں تنظیم و منسق کا وجود ہو، جو لوگ حلقہ جماعت سے باہر ہیں

اوں کو مرعوب اور اندرون حلقہ، اپنے ارکان کو خوف کر کے کار بر آری کا یہی آلہ ہے، ایک بات اور
 ہے کہ جتنے زیادہ ارکان کسی جماعت میں داخل ہونگے یا جتنا زیادہ اقتدار حاصل کرنا اس جماعت کا
 مطمح نظر ہوگا اتنی زیادہ تنظیم و نسق اوس میں لازم آئے گی، ہندوستان میں قومی جماعتوں کی تنظیم و نسق پر
 آجکل بہت زیادہ زور دیا جا رہا ہے، تبلیغ و اشاعت کے پیچیدہ طریقے، مشترکہ طور پر کام کرنے کی تہذیب
 اشتہار بازی، رسالہ نگاری، جلوس، رضا کاروں کی بھرتی یہ چیزیں قریب قریب ہر جماعت میں پائی
 جاتی ہیں اور صرف اس پر اکتفا نہیں کی جاتی بلکہ دوسرے ملکوں کی جماعت اور ان کی باقاعدگی
 مثلاً لائیش کی جاتی ہے، یہ سب کچھ ضروری ہی سہی لیکن پھر بھی تنظیم و نسق میں بہت کچھ خرابیاں مضمحل
 ہیں، جس ترتیب و نظام کے ساتھ جرمنی کا ہر شعبہ کام کرتا تھا وہ ہر شخص پر ظاہر ہے، چوبیس گھنٹے پہلے
 اطلاع دینے پر تمام ملک سے ساٹھ لاکھ سپاہ کسی ایک نقطہ پر مرکوز ہو سکتی تھی، اور ان کی رسد وغیرہ
 کا بہترین انتظام ہو سکتا تھا، لیکن تیجہ جرمنی کی کامیابی نہ ہو سکا، ہم نظم و نسق باقاعدگی و ترتیب وغیرہ
 کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ ان چیزوں کے بغیر کامیابی محال نہیں تو دشوار ضرور ہے،
 لیکن پھر بھی کیا کتنی ^{بڑی} دل میں یہ خیال نہیں گزرتا کہ اگر دنیا میں مصوم اور صاف دل آدمیوں کی آبادی تھی
 تو اوں کو تنظیم و نسق کی نہ تو کوئی ضرورت ہوتی اور نہ خواہش اور نہ ادان کی زندگی، ذمہ داریوں کے
 بار اور باندیوں کی کشاکش سے اتنی جلدومی ہوئی ہوتی جتنی کہ ہماری زندگی ہے، یہ سچ ہے کہ ان چیزوں کا
 بڑا باعث ہونا ان کے استعمال پر منحصر ہے لیکن پھر بھی کم از کم اتنا تو وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ
 جس جماعت کا نظم و نسق زیادہ پیچیدہ ہوگا اتنی ہی زیادہ اس میں تباہی و فاکامی کی صلاحیت مضمحل ہوگی،
 جب کوئی جماعت اپنے قواعد و ضوابط کو اتنا سخت اور ناممکن التاویل بنالے کہ کسی فرد کو اس سے
 سروموجا و ز کرنے کی اجازت نہ ہو تو بتلاؤ کہ اس جماعت کے افراد کی حیثیت محض میکا کی رہ گئی یا نہیں؟
 نظم و نسق میں اس قدر شبانہ، باقاعدگی کا مرادف نہیں ہو سکتا، اور جو ٹرودہ اپنے اقتدار کی بقا

اور ترقی کے لیے سخت ترین نظام مرتب کرتے ہیں جو ان بے قاعدگی اور انتشار کا جلد از جلد طور لازمی ہو، فطرت انسانی کے لیے اٹل قوانین وضع کرنا دشوار ہے،

اقتدار کا تیز اور با اثر استعمال صرف وہی ہستی (خواہ اجتماعی ہو یا انفرادی) کر سکتی ہو
جس کو افراد کی ضروریات کا مطلق لحاظ نہ ہو، جو اپنی طاقت سے واقف اور دوسروں کی ضمانتی اور تعاون سے بے نیاز ہو کر افراد کو مشین کی طرح استعمال کرتی ہو، جب کوئی جماعت اس طرح اپنا عملی نظم و نسق کو حصول اقتدار کے لیے استعمال کرے تو اس کی کارروائیاں زیادہ تر پیچیدہ اور پوشیدہ ہوتی ہیں، برسرِ اقتدار جماعتیں اپنے اقتدار کو بالارکھنے کے لیے افراد سے ناجائز طور پر فائدہ حاصل کرتی ہیں لیکن انہیں اس انتفاع ناجائز میں کامیابی اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب سب کارروائیاں پوشیدہ طور سے کی جائیں، کسی فعل کی پوشیدگی کا گھلا ہوا نتیجہ یہ ہے کہ فاعل انجام پر اور اپنی ذمہ داریوں پر نظر نہیں ڈالتا، کسی فرد کی مثال لیا اگر وہ پوشیدہ طور پر کوئی کام کر رہا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کو میری یا تمہاری طرح اپنی ذمہ داریوں کا خیال اس کام سے باز نہ رکھے گا، ذمہ داری کا احساس جیٹ جبکہ مسئولیت اور جوابدہی کی فوجت آئے، لیکن جب کوئی کام پردہٴ انخفا میں ہو رہا ہو تو اسے جانے گا کون اور اس کی مسئولیت عائد کس پر ہوگی؟ اتنی رہا یہ سوال کہ ایک اور ہستی ہم سب کے کاموں کو بنظر غائر دیکھ رہی ہے اور **مَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ تَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ** واقعی سچ ہے تو بدقسمتی سے ایسے افراد اپنے ضمیر کی اچھی طرح زبان بندی کر دیا کرتے ہیں، جس گروہ کی تنظیم و منسق محض حُبِ اقتدار کی وجہ سے ہو وہ ان خفیہ کارروائیوں کا یہی زور و شور ہو گا، کیونکہ اس جماعت کے کارکن بحیر اپنے حلقہ کے اور کسی کے سامنے اپنا افعال کے جوابدہ نہیں ہیں اسی خیال کو مدنظر رکھ کر کام کیا جاتا ہے اور دل کی تسلی کے لیے یہ خیال کافی بھجا جاتا ہے، کہ پوری جماعت کا فائدہ مدنظر ہے، ع

دراز دستی این کو تر آستینان میں

مذہبی دنیا میں دیکھو تو وہاں بھی فریب آمیز ترغیبات کی تحریک اکثر اوقات ایک مذہب کے معقدین پر دوسرے مذہب کے پیروؤں سے ظلم و تشدد کرنا چھوڑتی ہو، تاریخ میں مذہبی اشتداد کی مثال کثرت سے ملتی ہیں اور ہر صورت میں جبر و تشدد کی وجہ یہی نظر آتی ہے کہ کوئی برسرِ اقتدار مذہبی فرقہ اپنے مخالف فرقوں کو نیست و نابود کرنا اور اس طرح اپنے اقتدار میں اضافہ کرنا چاہتا ہے،

کسی قدیم مذہبی فرقہ کو جب نئی روشنی کی تحریکات سے سابقہ پڑتا ہے اور اسے فکر ہوتی ہے کہ اس نئے دشمن کے مقابلے میں اپنے اقتدار کی حفاظت کرے تو اس وقت عجیب و غریب ترغیبات سے کام لیا جاتا ہے اور یہ زیادہ تر وہ ہیں جو تباہی جہان کہ اس مذہب کے پیرو اپنے معتقدات میں اس نئے فتنہ کے مقابلہ کی صلاحیت نہیں دیکھتے، جو مذہب خالص صداقت پر مبنی ہوتے ہیں ان کو بحمدِ خدا اس کی ضرورت داعی نہیں ہوتی، اس قسم کی ترغیبات کی مثال فرانسیسی مصنف برائیو *Bravoy* کی کتاب موسومہ باطل دیوتاؤں کا افسانہ سے ملتی ہے،

اس کتاب کا ہیروستنی (*Sartre*) نامی ایک نوجوان راہب ہے اس کو کمین سے ان خفیہ اور پُر فریب کارروائیوں کا پتہ چل گیا ہے جن کے ذریعہ سے حکام سلطنت عوام الناس کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ قدیم مصری دیوتاؤں کی پرستش کریں، لوگوں کو مرعوب کرنے کی تدبیر یہ کی گئی ہے کہ کون اور پرزروں کی مدد سے بت کا سر جھکا دیا جاتا ہے، یہ شعبہ سال میں ایک مرتبہ کسی مشہور مذہبی تیوہار کے موقع پر دکھایا جاتا ہے اور وہ موقع اب آنے والا ہے، ستنی نے عہد کر لیا ہے کہ وہ اس کرامت کا واقع نہ ہونے دے گا، اس کے عہد نے دوسرے راہبوں کے دل میں ہل چل ڈالی ہے، اور اس کو باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے، لیکن وہ اپنے عہد پر قائم ہے بالآخر اسقف اعظم ستنی کو اپنے حجرہ میں طلب کرتا ہے کیے بعد دیگرے وہ تمام دلائل استعمال کیے جاتے ہیں جو ہر مذہب کے پیشوا لوگوں کو اپنے مذہب میں شریک کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، پادری کی یہ

ہمت نہیں ہوتی کہ سستی کو جھوٹا ٹھہرائے لہذا وہ مانتا ہے کہ واقعی دھوکہ دیا جا رہا ہے، لیکن کیا تم
 ہی یہ بھی کہتا ہے کہ یہ دھوکہ دہی حق بجانب و قابل تعریف ہے؟ اس کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ ذات
 باری کا تصور طبقہ جملہ کی عقل سے باہر ہے، اسی لئے دیوتا کو پرستش کے لئے پیش کیا جا رہا ہے
 تاکہ وہ سمجھ سکیں، لیکن یہ خیال بھی سامنے ہے کہ لوگ اس کو محض ایک پتھر کی مورت خیال کرینگے
 اس لئے اون کے خیال پر قبضہ جمانے کے لئے اس کا سر متحرک کرنے کی تجویز ہے، اب تم خود خیال
 کر سکتے ہو کہ یہ فریب دہی تحسن ہو یا نہیں، ادنیٰ طبقہ کے افراد بغیر مذہب کے خوش نہیں رہ سکتے
 اگر تم ان کا مذہب چھین لو تو نیکی کی طرف راغب کرنے والی کوئی چیز اون کے پاس باقی نہیں رہتی،
 مذہب ان کا سہارا جو شخص اس مذہبی احساس کو ٹھیس لگا تا ہو، وہ گنہگار مگر ب ہوتا ہے تم خود
 ہی دیکھو کہ دہت پرستی کے خلاف، تمہاری یقین نے ان لوگوں پر کیا اثر کیا ہے ابھی سے بد نظمی کے
 آثار ظاہر ہیں،

ستنی خاموشی سے ان ترغیبانہ کلمات کو سن رہا ہے، لیکن اس کے دل پر زور ابھی
 اثر نہیں ہوا پادری نے اس کو تاڑ لیا پادری سننے لگا سستی سے مخاطب ہوتا ہے اس مرتبہ اس کا
 وار سستی کے جذبات پر ہے ”تم کو اپنی اس حرکت سے فائدہ ہی کیا ہوگا؟ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر تم اپنے
 ارادہ سے باز ہو تو میں تم کو رہبانیت کا اعلیٰ ترین عہدہ عطا کرنے کو تیار ہوں، سستی اب بھی خاموش
 ہے، پادری کی تقریر کا اگر نہیں ہوئی نام و نمود، شہرت و عزت سے جذبات سستی کے قلب میں نہیں ہیں
 پادری نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھا، اب کے اس کا وار پہلے سے بھی زیادہ ٹھہرا ہے اچھا میں اس سے
 بھی زیادہ احسان تمہارے ساتھ کرنے کو تیار ہوں، میں جانتا ہوں کہ تم نے آئندہ تیار کو ملوئی
 کرنے کا بیڑا کیوں اٹھایا ہے، تمہاری مجبوریوں کا انتخاب اس دن دیوتا کی قربانی کے لئے ہوا،
 جسے تم مذہبی جوش ظاہر کر رہے ہوئی بحقیقت اس کو بچانے کی ایک ترکیب ہے، اچھا میں اسکو

معاف کروں گا یوں اقربان کا ہر نذر نہ چڑھائی جائیگی، کسی دوسرے کا انتخاب کر لیا جائے گا، اب تو یوں مکی حفاظت کی سبیل بھی ہو گئی، اب مجھے اُمید ہے کہ تمہارے پاس افشائے راز کی کوئی وجہ باقی نہیں ہے بتاؤ! کیا کہتے ہو.....“

ان دلائل پر غور کرو، پادری کی نیت یہی ہے کہ اپنے مذہب کے اقتدار کو برقرار رکھا جائے، سستی کی مخالفت نہ کرے ورنہ یوں کے بارے میں اوس نے کوئی بھی صحیح استدلال پیش نہ کیا اور نہ اس سے بحث کی کہ اوس کی تعین صحیح ہی یا غلط ہو، بلکہ اپنی جماعت کی متحدہ قوت سے سستی کو مروجہ کر کے، اوس کے جذبات پر اثر ڈال کر پادری کے عجز و طرز عمل سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہو، **حلقہ** سیاست میں جن فریب آمیز ترغیبات سے کام لیا جاسکتا ہے اور ایک یا دو شخص نہیں بلکہ ہزاروں افراد کو ایک ہی شکنجہ میں جکڑا جاسکتا ہو، اُس کی روشن ترین مثال گذشتہ جنگ میں جرمنی کا رویہ ہے، تمام ملکوں کو جاسوسوں سے بھر دینا، خفیہ انجمنیں اس مقصد کے لیے قائم کرنا کہ غیر ضروری افراد کو دنیا سے رخصت کر دین، مدارس کا نصاب ایسا معین کرنا کہ بچوں میں ابتدا ہی سے بعض ملکوں کے خلاف انتہائی عداوت کے خیالات پیدا ہو جائیں، یہ سب باتیں بہت اچھی طرح ظاہر کرتی ہیں کہ اجتماعی تہدید اور دباؤ کا اثر ڈال کر افراد سے کس طرح کام لیا جاسکتا ہے اور پھر اوس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے، ایک اور دھپسپ نتیجہ بھی ان تجربات کی بنا پر اخذ کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ ہر اوس جماعت میں جو اقتدار پسند ہوا جس کے افراد خفیہ ذرائع تہدید استعمال کرتے ہوں لازماً دو فرقہ ہوتے ہیں ایک حصہ میں وہ لوگ ہیں جو ناجائز فائدہ حاصل کرتے ہیں، اور دوسرے حصہ میں وہ لوگ ہوتے ہیں جن سے یہ ناجائز فائدہ حاصل کیا جاتا ہو، پہلے حصہ کے افراد ہر موقع پر جماعت کی روح رواں بنتے ہیں اور دوسرے حصہ میں معمولی لوگ ہوتے ہیں جن کا استعمال اول الذکر اصحاب اپنے فائدہ کے لیے بطور آلہ کے کرتے ہیں اور ایسی تیوہ عائد کر دیتے ہیں کہ جن سے نکلنا ان بچاروں کے

لیے ناممکن ہو جاتا ہے، شاید یہ اعتراض کیا جائے کہ طبقہ ثنائی کے افراد سمجھ سے کام کیوں نہیں لیتے
 اور دیدہ و دانستہ اپنے آپ کو طبقہ اول کے بس میں کیوں دیتے ہیں، یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہے،
 جب تک کہ یہ لوگ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ جو طریقے استعمال کیے جا رہے ہیں وہ اون کی
 جماعت کے لیے مفید ہوں گے اور اون سے آگے چل کر بحیثیت فرو جماعت تھوڑا بہت اخلاقی، مالی
 یا کسی اور قسم کا فائدہ اون کو بھی ہوگا اوس وقت تک یہ لوگ بخوشی اپنے آپ کو سرغنائوں کے حوالہ
 کر دیتے ہیں لیکن جو غمی کہ جماعت میں ناکامی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں ویسے ہی باہمی مناقشات اور
 مدد و تعاون کا ظہور ہونا شروع ہوتا ہے گذشتہ صفحات میں جب ہم نے نظم و نسق کی پیچیدگی کو کسی
 جماعت کے انتشار کا باعث قرار دیا تو اوس وقت اسی کی طرف اشارہ تھا، ہندوستان ہی میں دیکھو
 کہ گذشتہ وٹل سال کے عرصہ میں کتنی تحریکات پیش کی گئیں، مختلف طبقوں نے جس زور شور سے ان
 تحریکات کی تائید کی وہ بھی ظاہر ہے لیکن جب نام نہاد لیڈروں کی خود غرضی مثلاً طلب اعزازیاء اور
 کوئی ذاتی منفعت عوام پر ظاہر ہوئی تو لوگ اوس سے کنارہ کش اور اپنے قدیم قائدوں سے متفرق ہو گئے
 ہم نے جماعتوں کی ترغیبات سے بحث کرتے وقت متعدد مواقع پر جرمین سلطنت کے
 خفیہ ذرائع تمدید وغیرہ کا ذکر کیا ہے آج اخباری دنیا ان باتوں کو جرمنیت (Germanism)
 کے نام سے یاد کرتی ہے اور اس لفظ کو اون تمام عیوب کا منظر سمجھا جاتا ہے جو
 شخصی سلطنتوں کے دباؤ اور جماعتوں کے پیچیدہ نظم و نسق کی وجہ سے ظاہر ہوتے ہیں، بہر حال ہماری
 مثالوں سے یہ قیاس کرنا کہ ہم جرمنی کے خلاف ہیں نا انصافی ہوگی، اگر تم اپنے گرد و پیش نظر ڈالو اور
 اپنی قومی جماعتوں کی منصفانہ طور پر تحقیق کرو اون کے ظاہری اور حقیقی مطمح نظر کا مقابلہ کرو تو غالب
 تعداد میں تم کو باطل ترغیبات کے مذکورہ بالا طریقے اون میں بھی نظر آئیں گے، اصلیت یہ ہے کہ جسکو
 آج جرمنیت کہا جاتا ہے، وہ جرمنی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر قوم، اور ہر ملک میں یکساں

طور پر اس کے مفسر تالچ دیکھنے میں آتے ہیں فرق جو کچھ ہے وہ کم کا ہوتا ہے نہ کہ کیفیت کا جہاں کہیں بھی تم کو چند افراد کسی خاص جماعت کے فائدہ اور اقتدار کے لیے متحدہ طور پر کوشاں نظر آئیں تو خواہ اس جماعت کے مقاصد سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی کچھ ہی کیوں نہ ہوں تم کو وہاں حریت (یا یون کہو کہ باطل ترغیبات اجتماعی) کے کرشمے کم و بیش ضرور نظر آئیں گے، خود ہمارے ہندوستان کے سیاسی اور معاشی واقعات سے اس کی توضیح ہو جاتی ہے،

اتنی بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ جب سے ہندوستان مغربی ممالک کے تجارتی انقلاب سے متاثر ہوا ہے، یہاں کی اقتصادیات کی کل، اور اس کا نظم و نسق سرمایہ داروں کی انجمن کے ہاتھوں میں رہا ہے، بد قسمتی سے جن لوگوں کے ہاتھوں میں ملک کی تجارت کی باگ رہی ہے ان کا اصلی مقصد زرعی دولت اور اپنے تجارتی اختیارات کا اپنے ہاتھوں میں محفوظ رکھنا تھا، اس نصب العین کا لازمی نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ مزدوروں کی حیثیت محض میکانیکی رہ گئی ہے اور ان کی انفرادی حیثیت اور حقوق کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا، دوسرا نتیجہ اس نصب العین کا یہ ہوا کہ صنعت و حرفت کے ادنیٰ سے ادنیٰ شعبہ کا نظم و نسق بہت کچھ پیچیدہ ہو گیا، اضافہ پیداوار کی غرض سے تعاسیم عمل کا ظہور ہو لگا یا کہ ایک اعتبار سے مزدوروں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے مفوضہ کام کے سوا کسی شے کی تکمیل میں کوئی کچھ نہیں، جب سے مشینوں کا استعمال شروع کیا گیا اس وقت سے مزدوروں کی حیثیت اور زیادہ میکانیکی ہو گئی ہے، کارخانوں کے مالکوں اور سرمایہ داروں کے پاس افراد انسانی کے اس ناجائز استعمال کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے سب سے سبب ترین طریقہ استدلال یہ ہے ہمارا مقصد اصلی، یعنی اضافہ اقتدار اس وقت تک نہیں حاصل ہو سکتا جب تک کہ پیداوار میں اضافہ نہ ہو لہذا افزائش پیداوار کے جو طریقے بھی استعمال کیے جائیں وہ متحسن ہیں، علاوہ بریں مزدوروں کی تنخواہ میں متدبہ اضافہ کیا جاتا ہو، اس استدلال کی خلق اول وہی ہے جس سے ہم دوسرے باب میں بحث کر چکے ہیں، باقی رہی

شق دوم تو اس کے متعلق صرف اسی قدر کہنا کافی ہو کہ نہ ہوا اور نہ میں بیش قرار سے بیش قرار
 اضافہ بھی افراد انسانی کے اس ناجائز استعمال کی کما حقہ تلافی نہیں کر سکتا اور پھر اضافہ
 بھی کن صورتوں میں کیا گیا؟ ایسا تو بہت کم ہوا ہے کہ کارخانوں کے مالکوں نے خود اپنے حساس
 سے مزدوروں کی تنخواہیں اضافہ کیا ہو بخلاف اس کے جب تک مزدوروں کی طرف سے
 قرار واقعی دباؤ ان لوگوں پر نہیں ڈالا گیا اس وقت تک اضافہ کیا ہی نہیں گیا، یہ حالت تو خیر
 اب تک تھی لیکن زمانہ کی موجودہ رفتار بتا رہی ہے کہ مزدور پیشہ طبقہ بھی اپنا دباؤ محسوس کر کے
 کامیابی حاصل کر سکتا ہے، اب تک سرمایہ داروں کا دور دورہ رہا، اب مزدوروں کی باری آئی ہے،
 ہڑتالوں کی کثرت، اضافہ تنخواہ کے لیے جدوجہد، اور ہنگامے، بلا کہہ رہے ہیں کہ واقعات نے رخ
 بدلا ہے، جو طریقہ طبقہ سرمایہ داران نے اپنے بقائے اقتدار و افزایش دولت کے لیے استعمال کئے تھے
 اس کے جواب کے حربے مزدوری پیشہ طبقہ بھی اپنے حقوق کے تحفظ اور اضافہ تنخواہ کے لیے
 استعمال کر رہا ہے،

سب سے زیادہ قابل افسوس امر یہ ہے کہ مزدوری پیشہ طبقہ سرمایہ داروں کے
 خلاف وہی ذرائع استعمال کر رہا ہے جو مؤخر الذکر اس کے خلاف کام میں لاتے تھے، باطل ترفیقات
 اجتماعی کے تمام خصائص اور اس کے مضر اثرات جو انجمن سرمایہ داران میں موجود تھے مزدور پیشہ
 جماعت میں بھی موجود ہیں، وہی نظم و نسق کی پیچیدگی، وہی تنگ نظری اور خود غرضانہ تحریکات،
 بقائے اقتدار کے لیے افراد کا وہی ناجائز استعمال سب کچھ اب مزدوروں کی مشترکہ جدوجہد میں بھی
 پایا جاتا ہے، یہ حقیقت قابل افسوس ضرور ہے لیکن ایک معنی میں ناگزیر بھی ہے، شرمزہ متعدی
 کی طرح کسی خاص شخص یا خاص حلقہ سے شروع ہو کر دوسروں میں سرایت کرتا ہے اور اس کا
 حلقہ اثر وسیع تر ہو جاتا ہے، ایسی شخص کی موجودگی میں جس کو تم غفیعہ کا روایون کا عادی خیال کر

تمہارا نفس اس کی اجازت تم کو نہیں دیتا کہ تم صاف دل سے اپنے کل خیالات اس کے سامنے
پیش کرو بلکہ اپنی جگہ پر تم بھی اخفائے واقعات پر مجبور ہوتے ہو، بعینہ جب مزدور پیشہ جماعت کو انجمن
سرایہ داران کے خفیہ طریقوں سے دوچار ہونا پڑا تو ان کو بھی مجبوراً وہی طریقے اختیار کرنے پڑے
اب موجودہ حالت یہ ہو کہ ان کی مختلف انجمنیں، عام مقاصد کے لئے نہیں بلکہ اپنے ذاتی اغراض
کے لئے کام کرتی ہیں، اقتصادى اقتدار کا حاصل کرنا اور کابھی نصب العین ہو گیا ہے، انفرادى طور پر
شخصیت سے یہ لوگ بھی بحث نہیں کرتے بلکہ حصول مقصد کے ہر ممکن وسیلہ سے کام لیا جاتا ہے،
فوجى اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے جو کام جبراً فوجى خدمت سے لیا جاتا ہے، وہ ان انجمنوں میں لازمی
رکنیت سے لیا جاتا ہے جس کی غرض محض یہ ہے کہ تمام افراد جماعت چیدہ چیدہ اشخاص کی قیادت
میں بلا لحاظ ذاتیات، مشترکہ طور پر عمل کریں اور سرکشوں کی تنبیہ و تادیب کی جائے، ان واقعات
کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا، اگر مسلمہ کی ایسٹ انڈیا ریلوے کے مزدوروں کی
ہڑتال کے حالات پڑھو تو تم کو معلوم ہو گا کہ جو کچھ اوپر لکھا گیا وہ تقریباً سب صحیح ہے مختصر طور پر
یوں سمجھنا چاہیے کہ جب تک کہ صورت حالات میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہو افراد کو فی الوقت نفع کے لئے
انفعال ہرے ارتکاب اور پھر ان کے جواز سے کوئی چیز نہیں روک سکتی، اگر مخالف قوت زبردست
ہے تو یہ اوس کے مجوزہ قاعدوں کو مان لیتے ہیں لیکن چون ہی کہ موقع ہاتھ آتا ہے اُن کو اپنے موافق
توڑنے میں کوئی باک نہیں ہوتا اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اس وقت فریق مخالف کے دباؤ سے متاثر
ہو کر ہم کو جبراً ان کی شرائط قبل کرنا پڑی تھیں اب جب ہم دباؤ ڈال سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ
ہم اپنے شرائط ان سے نہ منوائیں؟

سیاسیات میں جماعت کی ترغیبوں کی بدترین صورت وہ ہوتی ہے جب کوئی
خاص حلقہ یا خود حکومت زرا و زور کی وساطت سے افراد پر ناجائز دباؤ ڈالتی ہو انگلستان میں

ایسے واقعات نئے نہیں ہیں، جارج سوم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ پارلیمنٹ کے انتخابات کے وقت وہ سرکاری خزانہ سے اون لوگوں کو انعام تقسیم کرتا تھا جو اس کے حسب منشا اپنا ووٹ صرف کرتے تھے سرکاری اعزاز وغیرہ سے حکومت کے طرفداروں کے حوصلہ بڑھائے جاتے تھے، انگلستان سے قطع نظر خود ہندوستان میں یہی ہوتا ہے، خطابات اور اعزازات کا مصرف یہی ہوتا ہے کہ ایک خاص نقطہ خیال رکھنے والے افراد کی ہمت افزائی کی جائے، ہر ملک و قوم میں عطائے خطاب و اعزاز کا حربہ حکومت کے ہاتھ میں ہے، یہ مقصد کے حصول کے لیے بہت کارگر ثابت ہوتا ہے، انتخابات میں اجتماعی دباؤ کے کیا کچھ نتائج ظاہر نہیں ہوتے؟ میونسپل انتخابات میں مختلف جماعتوں کی طرف سے دباؤ کے کیا کیا ذرائع استعمال نہیں کئے جاتے، اور ابھی وہ دن آنے والا ہے کہ انگلستان کی طرح یہاں بھی طاقتور جماعتیں اخباروں کو اپنے قبضہ میں لاکر دوسرے فرقوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کریں گی، اور پارٹی سسٹم (فرقہ بندی) کا اب سے بھی زیادہ زور و شور ہوگا، روس میں بالشویک جماعت کی سرگزشت، ہندوستان میں (نارکست) (فوضویت پسند) فرقہ کا طریق تہدید، اگر لیننڈ مین سن فینیون کے ہنگامے یہ سب باتیں سیاسیات میں قوت مشترکہ کے ناجائز استعمال اور اسکی ناجائز ترغیبات کا پتہ دیتی ہیں،

ذیل کے اقتباس سے جو ہدم مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۲۷ء سے لیا گیا ہے، اندازہ ہو جائے گا کہ اس قسم کی جماعتوں کا عام طور پر طریق کار کیا ہوا کرتا ہے، یہ مصری سازش سے متعلق ہے، تنہایت وچسپ اطلاع پبلک کے گوشگزار کی گئی ہے اور اس کی نمایاں طور پر دفعات بھی ہوئی ہے، یہ ایک خفیہ انجن ہے، اور سیاہ ریوالور کے نام سے مشہور ہے، تمام مہرین اور مذکورہ بالا شاہد کا اسی انجن سے متعلق ہے،

یہ مشہور انجن انتقام ہی سے تعلق رکھتی ہے جو ترقی کر کے اس صورت میں ظاہر ہوئی ہے

تین سال ہوئے جب انجمن انعام نے ممبران پر مقدمہ چلا لیا تھا، اور سزا میں جوئی یقین انجمن
مکمل صورت میں منتظم تھی، اور اس کا اصلی مقصد انگریز انسروٹ پاسپیون اور اعلیٰ عہدہ داروں کو
قتل کرنا تھا، اس کی بیش بڑی شاخیں تھیں جن میں سے ایک قاہرہ میں تھی اس کے علاوہ متعدد
چھوٹی چھوٹی شاخیں بھی تھیں،

انجمن کی ہر شاخ اور شاخ ویشاخ کا ایک صدر ہوتا تھا جس کو اور اس کے ساتھی صرف
دو ممبروں کو معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت ہماری انجمن کس کام میں مصروف ہے، ہر ممبر کے پاس
ممبری کے بہت سے یا ایک کارڈ ہوتا تھا، جو لوٹ بعاوت، ہنگامہ و فساد میں حصہ لے چکے تھے اونکے
پاس یا کارڈ ہوتا تھا، اور جنھوں نے اس کام میں حصہ نہیں لیا تھا ان کے پاس بیخ کارڈ رہتے تھے، ریولور اور گول بارود کا سامان دینا ایجنڈہ
کسی ایک پریذیڈنٹ کے بیان اور دو سکریٹریز کے کوہ سر پریذیڈنٹ کے بیان بھیج دیا جاتا تھا،

شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاہرہ کے بڑے بڑے لوگ انجمن کے پشت و پناہ تھے اور اسکی
مالی اعانت کرتے تھے، کسی قسم کے ارتکاب کی کوشش سے قبل انجمن کی اس برانچ کا صدر اور لوگوں
میں سے کسی ایک شخص کو جسے مناسب سمجھا جاتا تھا، معاملہ کی پوری تفصیل لکھ دیتا تھا اور اشاعت
کے مرتکب ہونے کے بعد پریذیڈنٹ مذکور اس شخص کے پاس آتا اور ۱۱ ایک سو پچاس پونڈ لگا دیتا تھا
جس میں سے سو پونڈ تو خود اس کے حصہ کے ہوتے تھے اور باقی ادن لوگوں میں تقسیم کرنے کو
جو اس کام میں حصہ لیتے تھے،

انجمن کے ممبر خط و کتابت میں تشبیہ و استعارات سے کام لیتے تھے، مثلاً جب اوغین کسی
برقی کام کے متعلق حوالہ دینا ہوتا تو وہ اس کو اس طرح کہتے کہ ”ایک عظیم انسان ڈرامہ“ ”نسانہ
المناک“ ہونے والا ہے، اور اگر چہ لاڈلہ بانی (Allah) کی جان لینے کی کئی
سازش یا کوشش نہیں کی گئی تاہم جب خطوط میں اکا ذکر ہوتا تو ادن کو دنیا کا سب سے بڑا ایکٹر“

کھریا دیا جاتا،

مذکورہ بالا جماعت میں وہ جملہ خاص نظر آتے ہیں جو تہدید افراد، انتفاع ناجائز اور ترغیب باطل میں کام آتے ہیں، ہم اس جماعت کی سرگزشت کو اپنے بیان کی تصدیق میں پیش کر سکتے ہیں،

دوران جنگ میں انگلستان کے بعض مدبرین پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ انھوں نے اپنے مقاصد کی اشاعت و تائید کی غرض سے ملک کے سرور آورہ اخبارات کو رشوت دی (مذکورہ بالا جماعت نے بھی یہی کیا ہے) اس واقعہ نے جب شہرت پکڑی تو عوام الناس کی طرف سے سخت برہمی کا اظہار کیا گیا، چنانچہ رائے عامہ سے مجبور ہو کر، ارفوری کو مسٹر چیمبرلین نے دارالعوام میں پایا کہ ہفتہ غنیمتہ میں جو پریشان کن و رافسوناک واقعات رونما ہوئے ہیں ان کا اصلی سبب یہی ہے کہ پریس اور گورنمنٹ کے فرائض اکثر حضرات کی ذات میں ساتھ ساتھ جمع ہو گئے ہیں، تین اخباروں کے مالک بحیثیت اراکین دارالعوام، نظم و نسق سلطنت میں دخل کار ہو گئے ہیں، پبلک کا اعتماد اراکین سلطنت اور وزیر اعظم پر سے اٹھ جانے کی وجہ یہی ہوئی کہ ان حضرات نے بھی ان مالکان اخبارات کی تائید کی جب تک کہ اراکین حکومت پریس سے اپنے تعلقات منقطع نہ کر لیں اور ملک کی رائے پر اس طریقہ سے ناجائز و باؤڈالانہ چھوڑیں، اوس وقت تک پبلک ان پر اعتماد نہیں کر سکتی؛

اسی باب میں ہم کسی موقع پر جماعتوں کی خفیہ کارروائیوں کا ذکر کر چکے ہیں اور ان کے مضرتناج پر کسی قدر روشنی ڈال چکے ہیں اسی سلسلہ میں یہ معلوم کرنا خالی از ہجسی نہ ہوگا کہ جس زمانہ کا ہم نے ابھی ذکر کیا، اوسی زمانہ میں انگلستان کی پبلک وزیر امور خارجہ کی خود مختارانہ کارروائیوں کی طرف سے بدن ہو گئی تھی، ہمیشہ سے انگلستان کے وزیر خارجہ کو دول خارجہ کے جملہ معاملات میں سیاہ و سفید کا اختیار رہا ہے، خود دارالعوام بھی ان کے فیصلوں میں دست

اندازی نہ کر سکتا تھا، اس خود سمرانہ کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیگر ممالک کے لیے سفراء اور نمائندوں کا انتخاب ایک خاص حلقہ سے کیا جانے لگا۔ اور اس طبقہ کو یہ فکر ہوئی کہ کسی طرح یہ اقتدار ہاتھ سے نہ جانے پائے، غرض کہ دوسرے ملکوں سے انگلستان کے تعلقات ہمیشہ پروہ خفا میں رہے، حال میں یہ احساس روزانہ ترقی پذیر ہے کہ امور خارجہ پر بھی پارلیمنٹ کے رد و برد و مباحثہ ہو کرے اور پبلک کو اون کے متعلق کامل واقفیت ہم پہونچائی جائے، قدیم پالیسی (اخفائے امور خارجہ) کے مؤیدین یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ امور خارجہ کے تصفیہ میں بہت حزم و احتیاط کی ضرورت ہے یہی دلیل ہندوستان میں بھی پیش کی جاتی ہو، اور اکثر اوقات کمیشنوں کی رپورٹیں یا اور خاص خاص واقعات کی تفصیلین، اعداد و شمار، گوشوارہ وغیرہ پبلک کے سامنے پیش نہیں کیے جاتے مثلاً الفور (M. J. ۱۹۰۷ء) نے جو امور سلطنت میں اخفا کی پالیسی کے مؤیدین، ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

”آپ حضرات کا شاید یہ خیال ہے کہ ہر اخفا کی تہ میں برائیوں کا وجود لازمی ہو اور شاید آپ یہ

کہیں کہ اگر ایسا نہیں ہو تو اخفائے اوقات کی ضرورت ہی کیوں داعی ہوتی ہو؟ اس کا جواب میرے پاس

یہ ہے کہ جس طرح روزانہ زندگی میں بغیر حزم و خاموشی سے کام لئے ہوئے خانہ داری کا انتظام مشکل ہو، اسی طرح

سلطنتوں کے انتظام میں بھی بغیر حزم و سکوت کے کام نہیں چل سکتا،

ممکن ہے کہ خاص خاص حالتوں میں یہ بیان صحیح ہو لیکن پھر بھی جس کارروائی کی ابتدا و اخفا اور

راز سے ہوتی ہو اکثر اس کا خاتمہ مناقشات اور عداوت پر ہوتا ہو، امور خانہ داری کی طرح امور سیاست میں

بھی بلکہ ہر شعبہ میں قلوب کو مطمئن کرنے اور تمام افراد کا تعامل حاصل کرنے کا بہترین اسلوب یہ ہے کہ عام

وچپس کے مسائل پر صاف دلی سے بحث کی جائے اور اسے اخفا کا ناگوار جامہ نہ پہنایا جائے،

آجکل جس طرف دیکھو اصلاح و تعمیر کی پکار ہے ہمارا کوئی سیاسی، سماجی، معاشی مسئلہ

ایسا نہیں ہوتا جس میں اس پر زور نہ دیا جاتا ہو عام طور سے لوگ ایک دُور فوکی آس لگائے بیٹھے ہیں جس میں ہماری گذشتہ اغلاط کی کافی تلافی کر دی جائے گی اور بجائے جماعتی دباؤ اور ترغیب کے ناجائز طریقوں کے، انصاف اور آزاد خیالی کا دور دورہ ہوگا، اصلاح و تعمیر کے اس خواب شیرین کی تعبیر ہماری اُمیدوں کے موافق جب ہی ہو سکتی ہے جب مختلف جماعتوں کی اس طرح اصلاح کی جائے کہ ترغیبات باطل کا استعمال نہ ہو سکے اور نہ تعدید و امتناع ناجائز کے خفیہ طریقوں سے لوگوں کی رائے پر اثر ڈالا جائے بلکہ ہر جماعت کو کچھ ایسے اسلوب پر چلایا جائے کہ خاص خاص افراد یا جماعت کے اقتدار کی بقا و تحفظ کی بجائے قوم کی ترقی اور اس کا مفاد میں حیثیتِ عامہ نصب العین قرار پائے، اس مقصد کے حصول کے لیے جو اصلاح سب سے زیادہ ضروری ہو وہ ہمارے طریقہ خیال کی اصلاح ہی، سب سے پہلا فرض ہمارا یہ ہے کہ اس کی اصلاح کرین اور اپنی ترغیبات کو صحیح نہج پر لے آئیں، آئندہ باب میں ترغیب کے صحیح استعمال سے بحث کر کے ہم یہ دیکھیں گے کہ باطل اور صحیح ترغیبات میں فرق کیا ہے؟ صحیح ترغیبات کا معیار کیا ہے؟ اور اول الذکر کے مضر اثرات سے لوگوں کو کس طرح محفوظ رکھا جاسکتا ہے؟

باب چہارم

ترغیب کا صحیح استعمال

صحیح و باطل ترغیبات کا فرق، اخلاقی، عقلی اور منطقی نقطہ نگاہ سے
ترغیبات اجتماعی و انفرادی کی صحت کا معیار، ترغیبات کے
رویا قبول کے متعلق مفید عملی ہدایات

عمل ترغیب کے متعلق ایک بلی کی کا امکان، [گذشتہ صفحات میں ہم ترغیبات انسانی کا جو کچھ
بیان کر چکے ہیں اوس سے ان کے مختلف طریقوں پر بخوبی روشنی پڑتی ہوگی مثالیوں کے ذریعہ سے ہم
اپنے ناظرین کو یہ بھی بتانے کی کوشش کی ہے کہ باطل ترغیبات کے پھندے میں آجاؤ کس قدر
آسان ہے، موجودہ باب میں ترغیبات کے صحیح استعمال سے بحث کر کے ہم اوس معیاروں کو واضح
کرینگے جن پر عمل کر کے ترغیب کا جاترا اور باقاعدہ استعمال ممکن ہو سکتا ہے،

جن حضرات نے عمل ترغیب کے عناصر ثلاثہ جذبہ، تخیل اور ذہن پر غور کیا ہے ترغیبات
انسانی کی بے سرو پا رفتار کو ملاحظہ کیا ہے، بہت ممکن ہے کہ وہ اس کل عمل کو بدلاہٹہ ایک

فریب و عمل خیال کرین اور اس کے صحیح استعمال کی طرف سے نا امید ہو جاؤ مین عمل ترغیب کی
 نفسیاتی تشریح سے ہم جس نتیجہ پر پہنچے وہ یہ تھا کہ ہر ترغیب کا آغاز کسی نہ کسی اعتقاد یا خواہش
 سے ہوتا ہے جو ترغیب و ہندہ کے ذہن مین پہلے سے موجود ہوتی ہے اور وہ خود اپنی ذات کو یاد دہن
 کو اس کے حسب حال عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، اس بیان ہی سے عمل ترغیب کا غیر استدلالی
 ہونا ثابت ہوتا ہے، اس کے اساسی اعتقادات و خواہشات ہی ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے رد یا قبول کا
 انحصار منطق اور استدلال پر نہیں بلکہ تشفی جذبات کی صلاحیت پر ہوتا ہے، ہمارے اعتقادات اور
 خواہشات دلیل کے بعد قائم نہیں ہوتے بلکہ جماعات کے اثر سے وجود میں آتے ہیں جو اعتقادات
 ہم اپنے گرد پیش کے لوگوں کو رکھتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ ہماری نظروں میں بھی صحیح معلوم ہوتے
 ہیں اور جن کو ہمارے ہمسایہ غلط خیال کرتے ہیں وہ ہم کو بھی غلط معلوم ہوتے ہیں، ذرا سے غور سے
 یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے معتقدات اور اساسی خواہشات کی تشکیل مین حصہ لینے والی
 اور ان کے رد یا قبول کا فتویٰ دینے والی مذکورہ ذیل مؤثرات ہیں :- ہمارے الحامات فطری
 قومیت، تعلیم، کتب و اخبارات کا اثر ہمارے گرد و پیش رہنے والے افراد مثلاً دوستوں یا عسایوں
 کی صحبت کے اثرات وغیرہ ہی قوتیں ہیں جو ہمارے دماغ مین کسی عقیدہ کے جاگزیں ہونے کی
 محرک ہوتی ہیں لیکن ہم ان کے اثر سے ناواقف ہوتے ہیں اور یہی فرض کر لیتے ہیں کہ اس کی بنیاد
 کسی نہ کسی عقلی منطق پر ہے کسی عقیدہ کے دماغ مین قائم ہو جانے کے بعد اس کے حسب حال ہو
 کچھ عمل ترغیب ہوتا ہے وہ بھی کم و بیش غیر عقلی و غیر استدلالی ہوتا ہے، اس جذبی عمل سے مجبور ہو کر
 قطعاً لاعلمی کی حالت مین ہم فیصلہ قائم کرتے ہیں جو اگر معینہ نتائج تک ہم کو لیجاؤ مین تو فہما ورنہ ترک
 کر دیے جاتے ہیں، اس طرح من مانے فیصلے صادر کر کے اور ان کو صحیح تسلیم کر کے ہم بالآخر اپنے قبل
 از قبل مقررہ نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں ظاہر ہے کہ ان سب فیصلوں کی بنیاد بجائے استدلال و

منطق کے ہمارے الہامات فطری۔ جذبات حبلی رجمانات اور وجدانات پر ہوتی ہے،
مذکورہ بالا حقیقت سمجھنے کے بعد مقام تعجب ہو گا اگر اکثر افراد دوسرے سے عمل تعجب
 ہی کی طرف سے بدظن ہو جائیں اور دعویٰ کریں کہ جب عمل تعجب ان حالات کے ماتحت ہوتا ہے
 تو پھر اس کا صحیح استعمال خارج از امکان ہے کم از کم وہ حضرات جو ہر فعل میں منطق اور استدلال
 کی جستجو کرتے ہیں اور اپنے کسی گفتار و کردار میں جذبات کا شائبہ تک نہیں آنے دیتے ضرور خیال
 کرینگے کہ تعجب سرے ہی سے نادرست ہوا سلسلے کہ اس کی بنیاد ہی جذبات پر ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ
 کہ الفاظ غیر عقلی "اور غیر استدلالی" عدم عقل اور عدم استدلال کے مراد نہیں ہیں جب تک عمل
 کے لیے غیر عقلی کا لفظ استعمال کر دو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عمل عقل کا ضد ہو یا دے کہ ہمارے
 اکثر غیر عقلی افعال جس انجام تک ہم کو پہنچاتے ہیں وہ بہ نسبت جہالت کے عقل کے زیادہ قریں
 ہوتے ہیں مثلاً لون سے اس بحث کو یوں سمجھ کر زمانہ سلف کے اعتقادات و سمات کو ذاتی تحس
 و تفحص کے بغیر صحیح فرض کر لینا ایک غیر عقلی فعل ہے، لیکن یہ لازم نہیں آتا کہ یہ معتقدات خواہ مخواہ
 جہالت اور بے وقوفی پرستی ہوں اسی طرح جب اثر پذیری کی بدولت بغیر ذاتی استدلال و ثبوت کے
 ہم دوسروں کے نقطہ خیال کے حامی ہو جاتے ہیں تو اس صورت میں ہمارا ایسا کرنا غیر عقلی عمل
 ضرور ہے لیکن کون کہہ سکتا ہو کہ یہ نقطہ خیال لازماً منافی عقل بھی ہے، دوسری ضروری بات یہ ہے
 کہ کسی عمل کا جذبہ ہونا بھی اس کے خلاف عقل ہونے کو مستلزم نہیں ہے کیا ہمارے الہامات فطری
 اور حبلی رجمانات ہم کو بسا اوقات جادہ عقل پر نہیں لیجاتے، اور حیانت حیات انفرادی و
 ملی میں ہمارے معاون نہیں ہوتے معاملات انسانی سے بحث کرتے وقت فطری الہامات
 اور رجمانات کو نظر انداز کر دینا خلل عقل ہے حیات انسانی کے کسی شعبہ کو تو تم کو معلوم
 ہو جائے گا کہ اس منطقی شخص کی ترفیات جو جذبات اور وجدانات کہ بالکل نظر انداز کر دینا ہے

یقیناً بیکار ہوئی ایسے ہی لوگوں کی شان میں یہ شعر صادق آتا ہے،

پائے استدلالیان جو بین بود پائے چوبین سخت بے تمکین بود

آجکل فلسفہ جس سُرخ پر ہم کو لیے جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ صرف افلاطون اور ارسطو کے قائم

کردہ اصول منطق پر دنیا کے کاروبار نہیں چلائے جاسکتے صرف عقل و استدلال ہی سے دنیا

میں کوئی عقلندی کا کام نہیں ہوا کرتا سب سے بڑا دشمن عقل و استدلال *Science*

Power لکھتے ہیں، دور تو کی سب سے بڑی تحقیقات یہ ہے کہ "تہذیب و تمدن

کا دار و مدار جذبات پر ہے نہ کہ عقل و استدلال پر، روزانہ یہی دیکھتے ہیں آتا ہے کہ عوام الناس کو

کسی رائے کا مؤید بنانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اون کے مشترکہ جذبات سے اپیل کی جائے اور

ان جذبات کو استدلال کی وساطت سے اوس رائے کے موافق کر دیا جائے آپ دیکھیں گے کہ مغربی

تمام سلطنتیں اسی طریقہ سے اپنے منشاء کے موافق تبلیغ و اشاعت کا کام انجام دیتی ہیں، جن دلائل کی

بنیاد پر انحال انسانی عقل و استدلال کی غیر معمولی اہمیت ثابت کی جاتی تھی اون کی آج کافی طور پر

تعلیق ہو چکی ہے، ہر تمدن کا آغاز جذبہ ہی سے ہوتا ہے، جذبہ ہی کی بدولت اوس تمدن کی بقا رہے

اور جذبات ہی اوس کے ارتقا کا باعث ہوتے ہیں، اسی مفہوم کو اقبال اس انداز سے پیش کرتا ہے،

اچھا ہے دل کے ساتھ ہے پاسانِ عقل لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

صحیح تر یہ ہے کہ **عمل تر غیب** کے متعلق جو غلط فہمی عام طور پر پائی جاتی ہے

اوس کا تو ایک حد تک ازالہ ہو چکا، اور ہم نے دیکھ لیا کہ جذبات پر اس کا انحصار یا اس کا غیر عقلی

ہونا ہمیں ترغیب کے طریقوں میں صحت کی طرف سے ناامید نہیں کر سکتا، چونکہ ترغیب تمام وکال

جذبات ہی پر منحصر ہے لہذا اس کے صحیح استعمال کی شرط اولین یہ ہے کہ ہم اپنے جذبات میں تیز کرنا

سکھیں اور وقتاً فوقتاً ان کا جائزہ لیتے رہیں، یہی ایک ایسا طریقہ ہے کہ جس سے کہ ہم ایک بڑی

حد تک باطل ترغیبات سے محفوظ رہ سکتے ہیں اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہمارے جذبات اور اعمالات فطری ہماری ترغیبات پر حاوی ہو جائیں گے اور ہم آسانی غلط استنباطات، ناقص فیصلات، اور فریب و تخیلات کے پھندے میں گرفتار ہو جائیں گے، کیونکہ ان سب کی اصلی محرک جذباتی تحریک ہی ہو ا کرتی ہے، افعال انسانی میں جذبات کی جو کچھ اہمیت ہے وہ انظر من الشمس ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سب جذبات قابل تعریف اور مستحسن نہیں ہیں اُن کے متعلق جتنے جذبات ہیں ان میں کوئی نہ کوئی پہلو قابل اعتراض ضرور پایا جاتا ہے، لیکن ان میں بھی کچھ جذبات ایسے ہوتے ہیں جن کی بالواسطہ یا براہ راست تحریک اعلیٰ درجہ کے افعال کا سرچشمہ ہوتی ہے، اسی طرح سے دوسروں کے متعلق جتنے جذبات ہوتے ہیں ان میں مافیہ جذبات کہا جاسکتا ہے وہ بھی بڑی حد تک مستحسن ہوتے ہیں مگر ان سے بھی قبیح اور قابل اعتراض نتائج ظہور پذیر ہو سکتے ہیں، قابل تعریف جذبات صرف وہی ہو سکتے ہیں جو کسی خاص وصف سے متصف، ہمارے نفس کے قابو میں ہوں اور صحیح طور پر مستعمل ہوں، ان مستحسن جذبات کی صف اول میں جن جذبات کو جگہ دی جاسکتی ہے وہ وہی ہیں جنہیں ہم اُپر عمرانی یا دنی جذبات کہہ چکے ہیں اور جن کا انحصار کم و بیش دیگر افراد انسانی کے ساتھ تعلقات اور شرکت عمل پر ہے،

نفیسات جدیدہ میں جہاں وظائف نفسی کے متعلق اور بہت سے انکشافات ہوئے ہیں وہاں ایک سب سے ضروری تحقیق یہ ہے کہ شعور کی تین حالتیں تسلیم کی گئی ہیں، سب سے پہلی حالت کو نفس کی شعوری حالت کہا جاسکتا ہے جو معمولاً و طبعاً ہر صحیح دماغ والے شخص میں اس کے اوقات بیداری میں پائی جاتی ہے، مثلاً سامنے والی میز کا درک آنے جانے والوں کی طرف میری توجہ منعطف ہو جانا یہ سب میرے نفس کی شعوری حالت کو مستلزم ہیں، دوسری حالت وہ ہوتی ہے جبکہ کوئی چیز براہ راست میرے شعور میں نہیں ہوتی لیکن حافظہ تلامذہ خیالات تخیل وغیرہ کی وسعت

وہ بھی شعور میں آسکتی ہے مثلاً میں تحریر میں بہت مہمک ہوں لیکن جب کوئی شخص مدرسہ کا نام لیتا ہے تو میرے دماغ میں مدرسہ سے متعلق کچھ خیالات گزرنے لگتے ہیں اور کچھ واقعات یاد آجاتے ہیں، نفس کی اس حالت کو عام طور پر نیم شعوری حالت کہا جاتا ہے اس کے علاوہ کچھ باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو ہمارے دماغ کی سب سے سچی تہوں میں غچی رہتی ہیں اور اون کو شعور کی سطح پر لانے کے لیے بہت کچھ جدوجہد کرنا پڑتی ہے، ان واقعات کے متعلق ہمارے نفس کی حالت کو غیر شعوری یا لاشعوری حالت کہا جاسکتا ہے،

اس قدر تمیدی بحث کے بعد یہ سمجھنا چاہیے کہ اون جذبات سے قطع نظر کر کے نفس کی شعوری حالت سے متعلق رکھتے ہیں ہماری جذبی زندگی کے دیگر عناصر زیادہ تر نفس کی لاشعوری حالت میں موجود ہوتے ہیں یا اون کو کہہ سکتے ہیں ہمارے معمولی اور طبعی زندگی کی تہ میں چھپے رہتے ہیں، ظاہری حسن اخلاق، ہمدردی، اور محبت کے خوشنما پرہم کے پیچھے ہر انسان کے نفس میں محبت و عداوت، حُب اقتدار، خوف و شک، غصہ و انتقام، کے جذبات بھی ابتدائی مدارج میں پائے جاتے ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سی بسیط تحریکات اور ذہنی ہوئی خواہشات بھی موجود ہوتی ہیں، جو ارتقاء انسانی کے مختلف مدارج میں مجملہ موجود رہی ہیں اور ہم میں بطور گزشتہ نسلوں کی یادگار کے باقی ہیں، یہ سب کی سب ناقابل ادراک طور پر اپنا عمل کرتی رہتی ہیں، فطرت انسانی کی اس پوشیدہ زندگی کے وجود کو ماننا اور نفس کی لاشعوری حالت کا ہواڑ ہماری ادنیٰ سی ادنیٰ ترغیبات پر پڑتا ہے اسے تسلیم کرنا ہمارے لیے بہت ضروری ہے، باطل ترغیبات کی مختلف اشکال، تہدید افراد، و ترغیبات اجتماعی کے مفسرات جن سے گزشتہ صفحات میں بحث کی جا چکی ہے ان سب کا اصلی مخرج یہی ہے شعور تحریکات و جذبات میں،

ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ باطل ترغیبات (اجتماعی و انفرادی) خود فریبی، مکائد نفس و غیرہ

اصلی ماخذ ہماری غیر شعوری خواہشات اور جذبات ہوتے ہیں، اس کی وجہ ان تحریکات کے چند
 خصائص ہیں مثلاً سب سے پہلی بات یہ ہے کہ حُبِ اقتدار اس کا زبردست ترین خاصہ ہے جو کسی
 نہ کسی صورت میں انسان کو اپنے اقتدار کے اظہار اور اوقاف پر ابھارتا ہے، اگر ایک طرف بڑی بڑی
 جماعتوں میں یہی خاصہ بقا کو اقتدار کے بہت کچھ سامان کرتا ہے اور بعض اوقات بڑی بڑی
 خونریزیوں اس کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں تو دوسری صورت میں یہ بالکل معصوم طور پر حملوں حرکت
 و سکنات، اشاروں میں ظاہر ہوتا ہے، مقصود بہر حال وہی ہوتا ہے یعنی اپنے اقتدار کا دوسروں پر
 اظہار، تمنا بے تکلف دوست جب تمہارے کندھے پر ہاتھ مار کر نہایت صاف دلی سے تم سے
 سوال کرتا ہے کہ ”کھوجی! اچھے تو ہو“ تو خود اس کو اور تم کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ ان پانچ الفاظ
 میں اقتدار و تفوق کی جھلک نظر آتی ہے لیکن ایک تجربہ کار نفسیات کا ماہر تعین بتا سکا کہ ان الفاظ
 میں اس کی غیر شعوری خواہشِ فوقیت و اقتدار پنا اظہار کر رہی ہے،

دوسری خصوصیت ان غیر شعوری تحریکات کی یہ ہوتی ہے کہ ان کا رجحان زیادہ تر
 غیر معاشرتی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہماری باطل تر غیبات جزا زیادہ تر ہماری غیر شعوری، دہنی ہوئی
 خواہشات کا نتیجہ ہوتی ہیں غصہ طور پر کام کرتی رہتی ہیں اور اپنی تشفی کے لیے غصہ ذرا لے کر تہدید و حصول
 انتقام ناجائز کو کام میں لاتی ہیں جب کبھی حالتِ بیداری یا خواب میں ہمارے تخیل کی خود ممانہ
 پرواز نفس کی لاشعوری حالت میں ہم کو عرش بالا پر پہنچا دیتی ہے، ہم اس خیالی دنیا کے بطل اعظم
 اور دوسرے ہمارے محکوم ہوتے ہیں تو اس وقت غیر شعوری تحریکات کا یہ رجحان غیر مدنی اور
 غیر معاشرتی نہیں تو اور کیا ہے اس کے غیر مدنی ہونے کا اس سے بڑے معرکہ کیا ثبوت ہوگا کہ ہم کسی ان
 خیالات کا دوسروں کی موجودگی میں اظہار نہیں کرتے، اسی طرح جب ہم ان غصی خواہشات کی تحریک
 سے مجبور ہو کر اپنے خود غرضانہ جذبات مثلاً عیش پسندی، حصول مراعاتِ خصوصی، اقتدار یا ثروت

کی تشفی کی کوشش کرتے ہیں تو ہم فطرۃ ایسے وسائل سے کام لیتے ہیں جو ہماری اصلی خواہشات کو دوسروں پر اور خود ہمارے شعور کے سامنے ظاہر نہ ہونے دین غیر شعوری تحریکات کے مخالف مدن و معاشرت ہونے کا یہ دوسرا ثبوت ہے،

جن حضرات کو نفسیات جدیدہ کی ایک اہم شاخ نفسی مرضیات (Psychopathology) کے متعلق زیادہ واقفیت نہیں ہے اون کو شاید یہ منکر تعجب ہو کہ ان غیر شعوری رجحانات کی اصلاح اور ان کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی بھی تدبیریں ہو سکتی ہیں نہایت حال میں اختلالِ نفسی کا جو علاج بذریعہ نفسی تحلیل (Psycho-analysis) کیا جاتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اختلالِ نفسی کی سب سے بڑی علت یہ ہے کہ مریض خارجی یا ذہنی اثرات کی وجہ سے اس پر مجبور ہوتا ہے کہ اپنے پُر زور مگر ناقابلِ تشفی جذبات و خواہشات کو بجز اپنے شعور سے ہٹا کر شعور خفی میں لے آئے، تم نے اکثر ایسے پاگلوں کو دیکھا ہو گا جو سر پر سر کنڈے کا تاج پہنے ہاتھ میں لکڑی لیے بڑے رعب و داب کے ساتھ بازاروں میں پھرتے ہیں اور اپنے آپ کو بادشاہِ وقت سمجھتے ہیں تحلیلِ نفسی کے فدیہ سے اگر تم اس شخص کی کیفیتِ نفسی کا مطالعہ کرو تو شاید تم کو معلوم ہو کہ اس شخص کے جذبات حکومتِ پسندی، حبِ ثروت وغیرہ بہت کچھ پُر زور تھے مگر خارجی حالات مثلاً نامساعدتِ روزگار یا ذہنی اثرات مثلاً ذاتی ناقابلیت کے احساس نے ان جذبات کے بجز خار کے آگے ایک دیوار کھڑی کر دی ہو گی کہ یہ جذبات اس شخص میں شعوری نہ رہے لیکن قطعاً ذہنی نہیں ہوتے اور غیر شعوری بن گئے اس جبرِ لہذا کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان جذبات کا اثر پہلے سے بھی زیادہ پُر زور ہو گیا، خود یہ جذبات مسدود ہوئے تھے لیکن اپنی رو میں اس کی شخصیت و شعور کو بھی فنا کرتے گئے اور یہ آدمی پاگل ہو گیا، ایسا ہونا اس کے جذبات کی تشفی کے لیے زیادہ مفید ہے، کیونکہ یہ شخص خیالی دنیا میں بادشاہ بنا بیٹھا ہے

اور اچھی طرح اپنے مخفی جذبات کی تسخیر کرتا ہے،

تم شاید یہ اعتراض کرو کہ دنیا میں ہر فرد اس پر مجبور ہوتا ہے کہ اپنی خواہشات کا منہ مائے اور نفس کشی کرے پھر ہر شخص پاگل کیوں نہیں ہو جاتا؟ بات یہ ہے کہ کسی ناخوشگو ارسلیلہ خیالات کو شعور سے دور کرنا تو معمولاً اور طبعاً ہوتا ہی رہتا ہے، مثلاً غم غلط کرنا لیکن بعض صورتوں میں یہ ہوتا ہے کہ صرف ناخوشگو ارسلیلہ خیالات ہی کل وجہ مفقود نہیں ہو جاتا بلکہ اپنے ساتھ مریض کے شعور سے دیگر تجربات کو بھی حذف کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی شخصیت جو اب تک ایک منظم اور مرکب حالت میں تھی منتشر ہو جاتی ہے، شدت غم سے پاگل ہو جانا اسی کی مثال ہے، دوران جنگ میں شیل شاک (گولوں سے پھنسنے کا دھماکہ) سے یہی کیفیت رونما ہوتی تھی، لیکن ان سب باتوں کے باوجود یہ کبھی نہیں ہوتا کہ شخصیت تمام و کمال منتشر و فنا ہو جائے، تجربات نفسی کا بیشتر حصہ غیر شعوری حالت میں موجود رہتا ہے اور مناسب ذرائع سے اس کا احیا ہو سکتا ہے، علاج کا طریقہ یہ ہے کہ مریض سے اس کی تکالیف و شکایات کا بیان کرایا جاتا ہے تاکہ حذف شدہ تجربات نفسی (جو اصل باعزت اختلال ہیں) زندہ ہو سکیں، جن ملازمات سے اس کے جنون کو نشہ ہوتی جو ان کو بغور دریافت کیا جاتا ہے، جب مدد و خیالات اور حذف شدہ تجربات نفسی (جو مریض میں ہيجان پیدا کرتے تھے) اس پر ظاہر کر دیئے جائینگے اور وہ اس سے واقف ہو کر اپنے خلل داغ اور ان کے درمیان کوئی رشتہ علت و معلول دریافت کر سکے گا تو فوراً اس کی حالت درست ہو جائے گی،

غیر شعوری تحریکات کے متعلق جو کچھ لکھا گیا بہت کچھ تشنہ ہے اس سے زیادہ مکمل

لے اردو میں آجنگ کوئی کتاب نفسیات جدید کے اس شعبہ تجزیہ نفسی کے متعلق نہیں لکھی گئی، اگر تیزی و ان حضرات جن کو ان شعور میں دلچسپی ہو، کتب ذیل کو بہت کچھ مفید و مکمل اور دلچسپ پائینگے، (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

بحث موجود کتاب کی حد نظر سے باہر ہے اس موقع پر اس کے بیان کرنے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ اس طریقہ علاج کی اہمیت باطل ترغیبات کی صحت اور اون کے علاج میں دریافت ہو جائے نفسیات جدیدہ سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہو کہ اختلال نفسی کا سہل علاج یہ ہے کہ غیر شعوری باتوں کو شعور میں لے آیا جائے اسی طرح سے عمل ترغیب میں باطل ترغیبات، خود فریبی وغیرہ سے بچنے کا بہترین ذریعہ یہ ہو کہ ہم بلا خوف و شرم اپنے اندرونی تحریکات کا اچھی طرح جائزہ لیں، اون کی بوجہ کی تحلیل کریں اور بالاخر اون کے حسن یا قبح کو شعور کے سامنے بلا کم و کاست پیش کر دیں، اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم کو معلوم ہو گا کہ ہماری ترغیب کی محرک بہت سی غیر شعوری خواہشات تعین ہو جائیں گی خود غرضی اُتھلا پسندی اور دیگر عیوب کی وجہ سے دوسروں کے سامنے تو کیا خود ہمارے نفس کے سامنے بھی ظاہر نہیں ہو سکتی تعین اور ہم ان کو قبول کرتے ہوئے شرماتے تھے، غرضی خواہشات کو اپنے نفس کے سامنے لے آنا یہی لگتا ہے کہ ہم اون کو دنیا اور اس کے دیگر تعلقات کے ساتھ وابستہ کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح اون کی ایک بڑی خصوصیت (یعنی اون کا خلاف معاشرت اور خود غرضانہ ہونا) جاتی رہتی ہو، اعمال صحیحہ اور صحت نفس برقرار رکھنے کی ایک بڑی ترکیب یہ ہے کہ اپنی ہر بات کو کل دنیا کے متحدہ نقطہ خیال سے دیکھا جائے، کس قدر تمام شکر ہے کہ ضروریات زندگی ہمیں کسب معاش پر مجبور کرتی رہتی ہیں اور اس طرح سے جو تعلقات دوسرے افراد کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور خود اپنی زندگی میں اون کے وجود کی جو کچھ اہمیت ظاہر ہوتی ہے وہ ہم کو دوسروں کے حقوق سے بھی اطلاع کر دیتی ہے اور ہم بہت سی غیر شعوری

(بقیہ ماحیشہ منورہ گذشتہ)

Green Psychunalysis in the
class room 2. Trend: Interpretation of
Dreams. 3 -Trend: Psychopathology
of every day life. 4-gung Psychunalysis method

اور خود غرضانہ تحریکات کی کورانہ تقلید سے باز رہتے ہیں لیکن پھر بھی غیر شعوری تحریکات کبھی کبھی ہم سے اپنے حسب حال عمل کر اچھوڑتی ہیں خود غرضانہ جذبات کی تشفی اور مخفی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہم ایک ترکیب سوچتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں، اپنے ضمیر کی مخالفت آواز کو بند کرنے یا دوسروں کی نظروں میں اپنے افعال کو بجا ثابت کرنے کے لیے ہم جھوٹی دلیلوں کی ایک عمارت کھڑی کرتے ہیں اور دنیا پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے افعال خود غرضانہ نہیں ہیں بلکہ نیک نیتی، انثار اور مفاد عامہ پر مبنی ہیں، نفس انسانی کی یہ کارروائیاں عام ہیں ان کو مستثنیات میں داخل نہیں کیا جاسکتا اس عالمگیر مرض کا علاج یہی ہے کہ نفس کی جملہ ابلہ فریبیوں، مخفی خواہشات وغیرہ کو نفس کے سامنے لے آیا جائے اور اس طرح انکا اظہار کر دیا جائے،

حاصل کلام یہ کہ ترغیب کی ابلہ فریبیوں سے بچنے کے لیے وقتاً فوقتاً اپنے غیر شعوری

جذبات کا جائزہ لیتے رہو اور پردہ اخلاص سے نکال کر اون کو شعور کے سامنے لے آؤ تاکہ اون کو اصلی رنگ میں ٹیکر کر تعاری آئکھیں گھلین اور تم اون کے فریب میں نہ آ جاؤ، اگر ایسا لیا جائے تو تمہارا جاوہ حق سے منحرف ہونا ممکن ہوگا، مختلف جذبات میں تمیز کرنا اون کے حسن و قبح کو دیکھنا، نفسانی و ہیما نہ خواہشات اور معاشرتی اور مدنی تاثرات میں حد فاصل قائم کرنا، یہ صحیح ترغیب کی شرط اولین ہے اسی کو بالفاظ دیگر یون سمجھو کہ ترغیب کا صحیح استعمال ہمارے ترجیحی اور اخلاقی فیصلوں پر منحصر ہے، یعنی پہلے کسی شے کی اصلی اہمیت کا اندازہ لگانا اور پھر اخلاقی نقطہ نگاہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی فیصلہ صادر کرنا، جس طرح غیر شعوری تحریکات زیادہ تر اعمال افضل کی محرک ہوتی ہیں اوس طرح سے جذبی رجحانات کو اپنے قابو میں رکھنا، اون کی کورانہ تقلید نہ کرنا اور قوت تمیزی سے کام لیکر اچھے اور بُرے میں تمیز کرنا اعمالِ صالح کا باعث ہوتا ہے، فطری تحریکات پر قابو ہو ہی شخص پاسکتا ہے جس کے دماغ میں آنایا ذات کے متعلق صحیح اوصاف و تصورات موجود ہوں ہر اخلاقی فعل کے لیے شعور ذات لازم ہے

اور اخلاقی فیصلوں کا وجود بھی ضروری ہے،

ترغیب کی صحت کا اخلاقی معیار **ایہ تو ہر شخص تسلیم کرے گا کہ اخلاقی فیصلوں کی اساس وجدانات ہیں** جب کبھی کوئی شخص کوئی اعلیٰ درجہ کا اخلاقی کام کرنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ اس فعل کی تحریک کرنے والا کوئی نہ کوئی وجدان اوس میں اپنا عمل کر رہا ہو، حب الوطنی، محبت، ہمدردی، ان وجدانات پر جن اخلاقی فیصلوں کی بنیاد رکھی جاتی ہیں ہر شخص جانتا ہے، اب بحث طلب مر یہ ہے کہ وہ کون سے وجدانات ہیں جن سے ہم اسے اخلاقی فیصلے وجود میں آتے ہیں اس کا جواب دینے سے قبل ہم کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وجدانات کی دو قسمیں ہوتی ہیں وجدانات عینی اور وجدانات مجرد، وجدانات عینی وہ ہیں جنکی محرک کوئی شے یا اشیاء موجودہ ماحول ہوتی ہیں، مثلاً خوشنما پھولوں سے محبت، چھوٹے بچوں سے من حیث العام یا کسی خاص شخص سے محبت وغیرہ، برخلاف اس کے وجدانات مجرد وہ ہوتے ہیں جن کی تحریک دینے والی اشیاء نہیں بلکہ کوئی صفت یا تجریدی کیفیت ہوتی ہے، مثلاً حق پسندی، عدل پروری، حسن پرستی، بحیثیت مجموعی وغیرہ، اخلاقیات میں ان اضافی اقسام کی کمیت سے بحث کرتے وقت پروفیسر میکڈوگال اپنی کتاب نفیسات معاشرت میں لکھتے ہیں ایسے اخلاقی فیصلوں کا صاف درہونا جو تعمیم رکھتے ہوں صرف مجرد وجدانات ہی پر منحصر ہے ورنہ وجدانات عینی جن اخلاقی فیصلوں کے محرک ہوتے ہیں وہ صرف فیصلہ کنندہ کی ذات تک محدود ہوتے ہیں انہیں تعمیم کا وجود نہیں ہوتا اور دوسروں پر صحت کے ساتھ ان پر منطبق نہیں کیا جاسکتا، اس قسم کے وجدانات قوت فیصلہ کو ناکارہ کر دیتے ہیں.....

وجدانات کی ہر دو اقسام کے متعلق جو کچھ لکھا گیا اوس سے یہ معلوم ہوگا کہ عینی وجدانات صحیح فیصلوں کے صدور میں مانع آتے ہیں، چونکہ ان کی حیثیت ایک معنی میں انفرادی اور خود غرضانہ ہوتی ہے اسلئے یہ بھی باطل ترغیبات کے محرک ہو سکتے ہیں، دوسرے باب میں جو مشالیں

ترغیب کی ابلہ فریبوں کی دمی گئی ہیں اور ان پر غور کر دو تو خود غرضانہ وجدانات کا لگاؤ پاؤ گے،

اجتماعی ترغیبات کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے اور ان کے جو مضر اثرات بتائے گئے،

اوس کا باعث بھی یہی معنی خود غرضانہ وجدانات ہیں؛ ہادی النظر میں تم کو شاید اجتماعی کے ساتھ خود غرضانہ کا استعمال اجتماع ضدین نظر آئے اور تم سوال کرو کہ اجتماعی ترغیب میں خود غرضانہ وجدانات کو کیا قبل؛ اگر تم نے تہدید افراد کے طریقوں اور ہارسی دی ہوئی مثالوں پر غور کیا ہے تو تمہیں یہ غلط فہمی باقی نہ رہے گی، ہم یہ نہیں کہتے کہ جماعات کے اغراض لازماً خود غرضانہ ہوتے ہیں ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ اگر دس افراد ایک جماعت بنائیں جس کا مقصد شخصی یا ذاتی منفعت کے بجائے عام مفاد ہو تو یقیناً جو نتائج مفیدہ اس جماعت سے مترتب ہو سکتے ہیں، انکو اگر بیش افراد بھی انفرادی طور پر بے غرضی اور خلوص سے کام کریں تب بھی نہیں پیدا کر سکتے مگر یہ کس صورت میں؟ جب جماعت کا مقصد نفع ذاتی یا شخصی نہیں بلکہ مفاد عام ہو۔ اس شرط کا ہونا لازمی ہے، شرکت عمل، تعاون، مشترکہ جدوجہد ان سب کا اقتضا یہ ہونا چاہیے کہ ہمیں زندگی کے اعلیٰ مدارج تک لیجائیں، گزشتہ باب میں جو اعتراضات جماعتوں کے رویہ اور ان کے طرز ترغیب پر کئے گئے تھے انکا اطلاق محض ان جماعات پر ہوتا تھا جو شرکت عمل، کی آڑ میں ذاتی اغراض کی تکمیل کرتی ہیں اور اس طرح سے

باماشرب خورو و بہ زراہ نماز کرد

کی مصداق بنتی ہیں، اور جماعات کو کوئی بھی برائین کہہ سکتا جو خلوص، صدق اور بغیر غرضی پر قائم ہوتی ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ اچھے جب بگڑتے ہیں تو بڑی طرح بگڑتے ہیں۔ اپنے گرد و پیش نظر ڈالو تو تم کو اس جملہ کی صداقت میں شبہ نہ رہے گا، ایک ذہین لڑکا جب کسی بُری صحبت میں داخل ہو جائے تو بڑا زبردست بد معاش یا بڑا مشہور چور بن سکتا ہے، اسی طرح سے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فطرۃ حلیم الطبع اشخاص کو جب غصہ آتا ہو تو اتنا مدجہ کا ہوتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کا یہی قانون

جماعت کے مفید و مفسر ہونے پر حاوی ہے، اگر کسی جماعت کی اُفتاد اچھی پڑی ہے، اس کے مقاصد فی الحقیقت اعلیٰ دار فہمین تو اس کے منہج فلاح و بہبود ہونے میں کبکوکلام ہو سکتا ہے لیکن اتنے ہی افراد کی جماعت جب بدقسمتی سے خود غرضانہ مقاصد کی حامی ہو جاتی ہو تو اس کا حلقہ شرمیلی تنہا ہی وسیع ہو جاتا ہے۔

جماعات کی ترقیب سے بحث کرتے وقت ہم نے کہا تھا کہ جب لوگ کسی غرض کی تکمیل کے لیے تجزیال ہو جاتے ہیں تو ان پر پذیرائی کا نتیجہ فنانے شخصیت ہوتا ہے، ذاتی اصابت رائے تفکر و تدبیر سب کچھ رخصت ہو جاتا ہے ہم یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ جب مختلف جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں حُب اقدار کے لیے صفت آراہوتی ہیں تو ان میں باہمی مناقشات رونما ہوتے ہیں اور ایک جماعت کا فرد دوسری جماعت کے افراد یا اپنے سے مختلف خیال والے افراد کو اپنا دشمن خیال کرنے لگتا ہے، جس جماعت میں یہ سب باتیں پائی جائیں وہ ان اگرچہ سب ساتھ ملکر کام کرتے ہیں لیکن پھر بھی حقیقی معنوں میں شرکت عمل کا فقدان ہے، اس جماعت کا شیرازہ اس وجہ سے بندھا رہتا ہے کہ ہر شخص کے ذاتی منافع، مراعات، حقوق وغیرہ کا خیال اسکو جماعت کی شرکت پر مجبور کرتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ ایسی جماعت کو جماعت کہنا ہی نہیں چاہیے، ہاں ایسے افراد کا مجموعہ البتہ کہہ سکتے ہو جن میں سے ہر ایک ذاتی منفعت کے لیے جد و جہد کر رہا ہو اور اذکار یہ مجموعہ جماعت سے وہی نسبت رکھتا ہے جو اینٹوں اور کٹریوں کا انبار مکان سے یا ہجوم اشجار باغ سے یعنی ماہیت وہی ہے، لیکن ترتیب نیک نیتی، خلوص (جو جماعت کے حقیقی مفہوم میں داخل ہیں) سرے سے غائب ہوتے ہیں، اور اصلی تعاون کی بجائے بڑے چبانے پر انفرادیت نظر آتی ہے،

شرکت عمل اور اتحاد باہمی کا تصور جس طرح ہمارے دماغ میں خوش آئند خیالات پیدا

کر سکتا ہے اوسی طرح ہیبت ناک تصویریں بھی پیش کرتا ہے، کبھی اس لفظ کو سنکر ہم کو ایک ایسی جماعت کا خیال آتا ہے جس کے افراد ایثار کا نمونہ ہیں اور کبھی ایک ایسے جتنے کا تصور بندھتا ہے جس کے افراد آپس میں محض اس وجہ سے متحد ہوئے ہیں کہ پہلے سے زیادہ ذاتی نفع حاصل کریں اور افراد کو مجبور کریں، غرض کہ اس اتحاد عمل کو اچھایا بڑا جامہ پہنانا ہمارے نقطہ خیال پر منحصر ہے آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ جماعت یا جماعت بندی کا ذکر استحسان اور تعریف کے الفاظ سے کیا جاتا ہے اور حسن ظن کی شدت جماعت کو ایک خیر گُل بنا کر پیش کرتی ہے، موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اب تک جماعت بندی کا نتیجہ بحیثیت مجموعی کسی طرح قوم کے لئے مفید نہیں کہا جاسکتا، چند خاص جماعتوں کو چھوڑ کر بقیہ سب جماعتیں ہمارے بتائے ہوئے مضر اثرات سے پاک ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتیں،

اگر کوئی جماعت یہ چاہے کہ اس کو "انفرادیت برپا نہ کرنے کا" ملزم ٹھہرایا جائے اور حُبِ منفعت ذاتی کا جرم اُس پر نہ عائد کیا جائے تو اسے اس امر کی ضرورت ہو کہ وسیع النظری اور ایثار کو اپنا معیار بنائے، نانہ کی روش کا اقتدار یہی ہے، مشرکہ بچہ جی وطن جو ایک مشہور مؤرخ ہونے کے علاوہ ایک زبردست اشتراکی بھی ہیں، اپنی تصنیف "جنگ کا اثر مستقبل پر" میں لکھتے ہیں کہ "ہم مل جلکر خدمت کرنے کا جو زبردست اور روز افزون رجحان آج کل پایا جاتا ہے، اسکی مثال پہلے کبھی نظر نہیں آتی، لیکن خدمت کسلی، اور کسی؟ میرا خیال ہے کہ مل جلکر خدمت کرنے کا عقیدہ اوسی وقت قابل قبول ہو سکتا ہے جب ہم اس اصول کو اپنا ہادی بنائیں کہ کل افراد انسانی ایک بڑی سلطنت کے رعایا ہیں جس کا بادشاہ خدائے بزرگ و برتر ہے اور خدمت خلق ہی خدا کی سب سے بڑی عبادت ہے، ہم کو اپنے اعمال و افعال کا ایک عام معیار مقرر کرنا چاہیے، جو اپنی عمومیت کے لحاظ سے تمام دنیا پر یکساں حاوی ہو، امیر فقیر سے، شاہ گدا سے، افریقہ کا حبشی لڑکے سے

یہ سوال کر کے کہ میں اور تم دونوں اس معیار پر کتنا تک پورے اترے ہیں، لیکن یہ معیار کیا ہو؟
دُنیا کو ملکِ خدا سمجھ کر افراد کو اوس کی رعایا خیال کر کے کام کرنا۔

ہمارے اکثر ترغیبات باطل کیوں ہوتی ہیں؟ اکثر بیکار کیوں ہوتی ہیں؟ اس کا جواب ایک لفظ میں ادا ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ”تنگ نظری“ کی وجہ سے۔ چارم ارل گرے آجھانی نے اپنی کتاب ”معیارِ عمل“ میں ایک چٹکھ بتایا ہے، جس کو اگر ہم سمجھ لیں تو یقیناً اپنی ترغیبات میں ہم کو نامی نہ اٹھانی پڑے اور نہ باطل ترغیبات ہمارے لئے پُر فریب ہو سکیں، کہتے ہیں ہر کام کے کرتے وقت خواہ اُس کا تعلق خاندان سے ہو یا کُل ملک سے اپنے دل سے سوال کرو کہ جو کام میں کرنے والا ہوں اوس کام کو اگر دنیا کا ہر فرد کرے، اور دنیا کے ہر فرد پر اوس کا اثر بھی ہو تو بحیثیتِ مجموعی یہ کام نبی نوع انسان کو فائدہ بخشنے کا یا نقصان پہونچائے گا، اگر تعارضِ ضمیر تم سے کئے کہ اس کام کا نتیجہ عام طور پر مُضر ہوگا، تو اس کام سے باز رہو اس کے پاس تک نہ پہنکو، خواہ ایسا کرنے سے تمھارے خاندان یا ملک کو فی الوقت کسی فائدہ سے محروم کیوں نہ رہنا پڑے۔

ترغیب کا صحیح استعمال اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب ترغیب دہندہ کے ذہن میں فطرتِ انسانی کی عظمت اور نبی نوع انسان کی محبت جاگزیں ہو، اگر ایسا ہو تو دنیا سے ناجائز انتفاع، کارِ برآری اور اسی قسم کے دوسرے غیر معاشری افعال یک لخت جاتے رہیں، ہمارا فرض یہ ہونا چاہیے کہ حتی الوسع ایسی تدبیریں سوچیں جن سے انسانیت کے متعلق مذکورہ بالا اعلیٰ خیالات، افراد کے دماغ میں قائم ہو سکیں، سب سے پہلی بات جو اس کے متعلق ذہن میں آتی ہو وہ یہ ہے کہ اگر کل افراد انسانی اپنے آپ کو ایک ہی زنجیر کی کڑیاں، ایک ہی گلدستہ کے پھول خیال کرنے لگیں تو پھر دنیا سے خراب افعال بہت ہی کم ہو جائیں، جنگوں کے اسباب پر غور کرو، اگر انسانیت کی عظمت ہر شخص کے دل میں موجود ہوتی تو کیا وہ اور اوس کے مُضر اثرات دنیا پر اپنا منہ جو بس

سایہ ڈال سکتے؟ زمانہ سلف سے لیکر اب تک اگر کوئی قوت، افراد انسانی کی ترغیبات کو غلط راستے پر لگتی ہے تو وہ یہی "ماؤٹھا" کا سوال ہے، ہر شخص اپنے قدمے کی خیر مناتا ہے، ہر فرقہ دوسرے فرقہ کو ہر قوم دوسری قوم کو غیر خیال کرتی ہے، اور یہی شے باعث اختلاف ہے، اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری ترغیبات اچھے نتائج پیدا کریں، اور جائز ہوں، تو سب سے پہلے تمہارا فرض یہ ہونا چاہئے کہ دوسرے کی زندگی میں دھپسی ہو، کسی فرد کو غیر خیال کرو، اور دوسروں کی ضروریات اور احساسات کا پاس کرو، بقول میرے

ہر دم قدم کو اپنے رکھ احتیاط سے یاں یہ کار گاہ ساری دکان نشینہ گر ہے
 کیا اچھا ہو کہ ہماری موانست و محبت کا حلقہ اثر وسیع ہوتے ہوتے مذکورہ بالا شعرا کا مصداق ہو جائے،
 تم شاید یہ اعتراض کرو کہ ہم حقیقت سے گزر کر "تصویریت" میں گرفتار ہو گئے ہیں اور شاید
 مختلف اقوام کے اس عالمگیر اتحاد کو محض ایک خوش آئند خواب خیال کر دیا، بالاصل اگر ایسا ہوتا
 آسان نہیں ہے تو ناممکن بھی نہیں ہے، کیا تم نے برسات کے موسم میں کسی قصبہ یا شہر کی طغیانی کی
 کیفیت کو دیکھا ہے، ہندو، مسلمان، شیعہ، سُنی، برہمن، سُودر، امیر، فقیر، ان سب کا ایسی تو نہیں
 کیا روئے ہوتا ہے؟ کیا ایک دوسرے کا شریک حال نہ تھا؟ انفلوئنزا کی دست برد کے زمانہ میں
 باہمی ہمدردی کی کیسی لہر دوڑ گئی تھی، میدان جنگ میں ہندی، انگریز، فرانسیسی، افریقی،
 امریکن، سب کس طرح ایک دوسرے کی خدمت کرتے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی بھی تکلفات،
 دنیوی رسوم و رواج، اور حفظ مراتب کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور انسان کو زندگی کے بسط اور دشوار
 گزار مراحل طے کرنا پڑتے ہیں، اُس وقت ہمدردی، اخوت اور اسی قسم کے مدنی جذبات کا جوش
 عالمگیر ہوتا ہے، میدان کارزار میں جب دنیا کے بنائے ہوئے اختلافات پیچھے چھوٹ جاتے ہیں اور
 موت ایک عریان حقیقت بن کر نظروں کے سامنے آتی ہو اس وقت سب برابر ہو جاتے ہیں،

کا دیرین راہ فلان ابن فلان چیز سے نیست

دنیا میں کسی چیز کا حاصل کرنا اتنا دشوار نہیں ہے جتنا وحدتِ مسماعی و مقاصد کا، لاکھ کوشش کرو
یہ ممکن ہی نہیں کہ مختلف افراد انسانی کسی مقصد کے حصول کے لیے واحد ذریعہ استعمال کریں، اس بارے
میں تمہاری ترغیب کامیاب ہو ہی نہیں سکتی، وجہ یہ ہے کہ ہر شخص فطرۃً دوسرے سے مختلف ہوتا ہے،
یہ اختلافات تو غیر فطری و ذہنی ہیں، لیکن خود انسان نے گروہ، قوم، مذہب بنا کر اختلافات میں
اور اضافہ کر دیا ہے، حالانکہ عالمگیر اخوت اور رشتہ اتحاد دراصل منشاء قدرت ہے جب کبھی ہم تکلفاً
دنیوی اور تعصبات ذاتی کی بنا پر اس منشأ کی طرف سے غافل ہو کر ایک دوسرے کے مخالف ہوجاتے
ہیں، تو قدرت کوئی نہ کوئی صورت ایسی پیدا کرتی ہے کہ اس منشأ کی یاد لوگوں کے دلوں میں تازہ
ہو جائے اور وہ خواہ غرضی طور پر ہی کیوں نہ ہو،

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند

کے حقیقی مفہوم کو سمجھ لیں،

ذہنی اعلیٰ مرتبہ پر ترغیبات کا معیار **انکو کور بالبحث** سمجھنا تو معلوم ہو گیا کہ چونکہ ترغیبات میں اخلاقی فیصلوں کا وجود ہوتا ہے
لہذا ان کے صحیح یا ناجائز ہونے کا معیار بھی اخلاقی ہونا چاہیے مطلب یہ کہ جو ترغیبات اخلاقی نقطہ نگاہ سے
پسندیدہ ہوں وہ اچھی، اور جو اس معیار سے گری ہوئی ہوں وہ بُری خیال کی جائیں یہ تو خیر بحث کا
ایک رُخ ہوا مگر مصیبت یہ ہے کہ ہماری ترغیبات میں فیصلے صرف اخلاقی اعتبار ہی سے گزرتے ہوئے
نہیں ہوتے بلکہ ان میں ذہنی منطقی اور عقلی عیوب و اسقام بھی پائے جاتے ہیں، باطل ترغیبات میں سو
استدلال کا جو کچھ حصہ ہو اسے ہم مکائدِ نفس سے بحث کرتے وقت دیکھ چکے ہیں اخلاقی پہلو سے اگر بُر ترغیب
ترغیبات کو دیکھو تو ان میں یہ عیب نظر آتا ہے کہ یہ خود غرضانہ اور غیر معاشرتی ہوتی ہیں، اب اگر ذہنی
نقطہ نگاہ سے دیکھو تو ان کے معائب کچھ اور ہی نظر آتے ہیں، مثلاً فطرتِ انسانی کا غلط اندازہ لگانا

اور قیاسات میں تعصب کے کام لینا، فطرت انسانی کا غلط اندازہ لگانے کی مثال تم کو انتفاع ناجائز اور
 تہدید کے طریقوں میں نظر آئے گی، جو لوگ انسان کو اپنے حصول مقصد کے لئے آلہ بناتے ہیں وہ یہ نہیں
 سوچتے کہ انسان جذبات و تاثرات رکھتا ہے، نشین کی طرح جس میں ہے، اپنے مطلب کے لئے اس طرح
 افراد انسانی کا میکانیکی استعمال فطرت انسانی کا غلط اندازہ لگانا نہیں تو اور کیا ہے، ہم کو یاد رکھنا چاہیے
 کہ بیجان اشیاء کی طرح انسان پر تجربات کرنا اور اس سے مشینوں کی طرح ہمہ وقت اپنے حسب خواہش افعال
 سرزد کرنا ناممکن ہے، بیجان اشیاء کی تحقیق و تعقیب میں ہر تجربہ کار امکان ہوا اور ان تجربات کی بناء پر
 عام کلیہ کا استقرا کیا جاسکتا ہے، مگر انسان کے طرز عمل کے متعلق اول تو تجربات ہی بہت دشوار ہیں،
 کیونکہ تجربات خاص خاص شرائط کی موجودگی چاہتے ہیں مگر انسان کے خیالات، جذبات، خواہشات، افعال
 یہ ہر خطہ بدلتے رہتے ہیں اگر بعض محال تجربات ممکن بھی ہوں تو اون کی بناء پر جو اصول قائم کئے جاتے
 ہیں وہ مخصوص و محدود و لا اطلاق ہوتے ہیں، اون میں تعمیم نہیں ہوتی، فطرت انسانی کی تہ میں ہر وقت کوئی
 ایسا ناقابل تشخیص جو ہر عمل کو تارہتا ہے جس کی وجہ سے قطعیت کے ساتھ انسانی افعال کے متعلق حکم نہیں
 لگایا جاسکتا، پانی پر متعدد تجربات کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ کا استقفا کر سکتے ہیں کہ جب کبھی دو مقدار
 ہائیدرجن ایک مقدار گیس سے ملے گی، تو دو مقدار پانی بنے گا، لیکن کسی کچھ پر یون کی کمائیوں میں
 منہک دیکھ کر تم قطعی طور پر یہ حکم نہیں لگا سکتے کہ جب کبھی پر یون کی کمائیاں بیان کیجاؤ گی کچھ منہک ہوگا
 اپنے اس کلیہ کے متعدد استثناء تم کو نظر آئیں گے۔ پس ترغیبات باطل کی بدولت دوسروں سے اپنی مرضی
 کے مطابق کام کرنا ہم کی کوشش کرنا اور نکال آ کر کے طور پر استعمال کرنا یہ بہت بڑی غلطی ہے، اور ترغیب کا
 بہت بڑا نقص ہے،

غرض کہ ذہنی اعتبار سے دیکھو! اخلاقی اعتبار سے باطل ترغیبات پہنچنے اور صحیح طور پر اوستے
 استعمال کرنے کا رستہ ہی ایک طریقہ ہے کہ انسانی شخصیت کا صحیح اندازہ لگایا جائے انفرادی اعتبار سے

جو فرق مختلف انسانوں میں ہے اوس کا لحاظ رکھا جائے، اور اس بات کو ذہن نشین کر لیا جائے کہ مختلف انسان ایک ہی قسم کے مؤثرات سے مختلف طور پر متاثر ہوتے ہیں، اسی کو دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ ہماری جملہ ترقیبات کی بنیادنی اور معاشرتی جذبات اور وجدانات پر ہونا چاہیئے، نہ کہ ذاتی اور خود غرضانہ تاثرات پر، ہماری اجتماعی مساعی کی رُوح و روان یہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ ”قومی مفاد کے لئے شرکتِ عمل اور تعاون ناگزیر ہے“ لیکن کن معنوں میں؟ زمانہ موجودہ میں قومی خدمت کی ضرورت پر اس قدر زور دیا جا رہا ہے اور اہل اور نااہل افراد اس قدر شد و مت سے اس پر اٹھار خیال کر رہے ہیں کہ اندیشہ ہے کہ کسین قومی خدمت کا مفہوم ہی سر سے غلط نہ سمجھا جائے، تنگ خیال مبلغین اور متعصب قائدین کی تلقین کا ایک اثر یہ ہوا ہے کہ لوگوں نے قومی خدمت سے یہ مراد لینا شروع کر دیا ہے کہ ہمارا فرض ہے کہ ہر شخص کے معاملات سے متعارض ہوں خواہ وہ غلط راستے پر ہو یا صحیح طریقہ پر، ہماری نصیحت کا محتاج ہو یا اوس سے بے نیاز، افسوس ہے کہ ہندوستان میں اکثر قومی یا سیاسی جماعتوں کے رضا کار ریپٹریہ پر کاربند ہیں، اس میں شک نہیں کہ ان کا یہ طرز عمل ان کے ایشا قومی کا ثبوت ہے، لیکن اخلاقیات نے اتنا کی بھی کچھ حدود مقرر کر دی ہیں، اگر ہم غور و خوض سے کام لیں تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں کا ہر ایک فرد اپنی علیحدہ دنیائے خیالات میں رہتا ہے اور یہ کہ دوسروں کے حالات اور صورتِ واقعات سے کما حقہ واقف ہونا تو درکنار ہم خود اپنے خیالات کا اندازہ غلط لگاتے ہیں، اتنا سمجھ لینے کے بعد ہم غیر ضروری تعارض سے باز رہینگے، قومی خدمت کی مدد لا تنہا ہی نہیں ہیں، اس میں ہر شخص کا حصہ مقرر ہے، اصلی معنوں میں قومی خدمت وہی ہو سکتی ہے جیب بلا کسی تحس و تفتیش کے ہمارے سامنے خدمت کے مواقع آئیں، اپنی شاہراہِ عمل سے منحرف ہو کر دوسروں کی راہ کی تاک لگانا قومی خدمت کا حقیقی مفہوم ادا نہیں کرتا۔

ترغیب کا صحیح استعمال منطقی نقطہ محاسبہ، اخلاقی اور عقلی اعتبار سے صحیح ترغیب کا معیار تو ہم دیکھ چکے

ابنِ منطقی نے اس سے دیکھنا باقی ہے یا دھوکا کہ دوسرے باب میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ باطل ترغیبات میں استدلال یا کم از کم استدلال نہ بحث پائی جاتی ہے، جب ہم کسی صورتِ حالات کو اپنے ذاتی تاثرات اور مفاد کی روشنی میں دیکھتے ہیں یا اس کا اندازہ کم و بیش ذرات سے کرتے ہیں تو اس صورت میں اپنے اس عمل کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ہم کسی نہ کسی استدلال سے ضرور دہلیتے ہیں اس کی کئی صورتیں ممکن ہیں، اپنے کسی ناجائز فعل کے جواز کے لیے کبھی تم اُون لوگوں کی مثال دے دوں گے جو جو تمہارا جیسا فعل کر چکے ہیں اور اس طرح نظر ابتر کر کے گناہ کی شدت کم کرنا چاہتے ہو، کبھی اُن لوگوں کے نام لگواتے ہو جنہوں نے باطل یہی کام کیا لیکن دُنیا اُون کو صالح ہی فرض کرتی رہی، کبھی اپنے دوست زید کی مثال پیش کرتے ہو کہ وہ مجھ سے بھی بدتر افعال کرتا ہے، کبھی اپنے فعل کا باعث و اوقات کی پیچیدگی کو قرار دیتے ہو اور کبھی یہ کہتے ہو کہ "نیت تو صادق ہے" پھر افعال کے حسن و قبح کی تحقیق سے کیا حاصل، وغیرہ وغیرہ،

جس طرح ترغیبات باطل میں جذبات کی زیرنگیان کم و بیش غیر شعوری اور ہمارے نفس و ادراک سے باہر ہوتی ہیں، اس طرح سے سو استدلال اور غلط طریقوں سے اپنے افعال کا جواز یہ چیزیں بھی ہمارے قبضہ اختیار سے باہر اور غیر ارادی ہوتی ہیں، اُوکا مخرج بھی یہی غیر شعوری تحریکات ہیں، بادیِ نظر میں تو اس قسم کے غیر ارادی استدلال اور شعوری استدلال میں کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا کیونکہ دونوں میں یکساں طور پر تمثیلات اور تشبیہات کا وجود ہوتا ہے، لیکن فی الحقیقت اول الذکر کا کارہ و خام ہے انسانی زندگی میں نقول و استدلال کا کام یہ ہے کہ تجربات ماضی کو ترتیب کے ساتھ منظم حیثیت میں محفوظ رکھے تاکہ اُون کی روشنی میں ہم اپنے مستقبل کو درست کر سکیں اور اپنے آئندہ طرزِ عمل کو اپنے سابقہ تجربات پر منطبق کر کے اوس کی صحت یا غلطی سے واقف ہو جائیں، گویا اس اعتبار سے استدلال کا مدعا ہے اصلی، ہدایت، اور مستقبل کے لیے شاہراہِ عمل کی فراہمی ہے، لیکن غیر شعوری اور غیر ارادی استدلال میں ہدایت کی یہ صلاحیت نہیں پائی جاتی، اسی لیے جن تشبیہات سے اوس میں کام لیا

جاتا ہے وہ ناقص اور قوت تینے سے مبرا ہوتی ہیں، چونکہ ان کی اساس غیر شعوری خواہشات و جذبات ہوتے ہیں، اس لیے وہ حقیقت سے دور اور بعض وقت انتہا وجہ کی مصلحہ خیز ہوتی ہیں،

جس کسی کو ہمارے مذکورہ بالا بیان کی صداقت میں شبہ ہو وہ خواب میں ان بے دھنگی تشبیہوں کے کرشمے اچھی طرح دیکھ سکتا ہے، نفسیات جدیدہ میں خواب کے متعلق جو عظیم الشان لٹریچر فراہم ہو گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ خواب میں انسان اپنی ان آرزوں کو پورا کرتا ہے جو کسی وجہ سے زندگی میں پوری نہ ہو سکیں، حالت خواب میں ہمارا شعور خفی تشبیہات و نظائر باطل سے کام لیکر ہماری زندگی کی ناخوشگوار خواہشات کو کچھ عجیب جامہ پہناتا ہے، جن چیزوں کو خواب کے آثار و علامات کہا جاتا ہے وہ انہی تلبیسات کا نام ہے مثال کے طور پر فرض کرو کہ کسی شخص الف کو ہر وقت یہی خیال رہتا ہے کہ ایک شخص ب کو نقصان پہنچائے، لیکن الف کا ضمیر ہمہ وقت اسے روکتا رہتا ہے اب الف خواب دیکھتا ہے کہ ایک شخص نے اس پر حملہ کیا اور اس نے اس شخص کو مار ڈالا ہے اس خواب کی تحلیل نفسی سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ خواب والا دشمن وہی شخص ب ہے، دشمن کا لباس اس وجہ سے پہنا دیا گیا کہ اس صورت میں اسے ماننا الف کے ضمیر کے منافی نہیں رہ جاتا گو یا اس طرح زندگی کی ایک ناموافق خواہش خواب میں پوری کی گئی، اس مثال سے ہمارے شعور خفی کی باطل تشبیہ اور تخیل کے طریقہ اچھی طرح واضح ہو جاتے ہیں،

غیر شعوری تشبیہات کے یہ کرشمے صرف مالم خواب تک ہی محدود نہیں ہیں، بلکہ ہماری معمولی باطل اور پر فریب ترغیبات میں بھی ان کا عمل ہوتا رہتا ہے خیالی پلاؤ کا بھی اس قسم کی بے تکلی فریب ہے، غیر شعوری تحریکات کے جو خواص ہم کچھ مصنفات ادھر بیان کر آئے ہیں وہ اس میں بھی پائے جاتے ہیں، پہلی بات تو یہ کہ اس کی حیثیت خود غمناک اور غیر معاشری ہوتی ہے، جو شخص خیالی دنیا کی سیر میں مصروف رہتا ہے، وہ اپنی ذات کے سوا تمام دنیا سے شعوری دیر کے لیے بے خبر ہو جاتا ہے یہی خبری

کہ خیالی بلاؤں جیسا کہ خود اُس کے نام سے ظاہر ہے آخر مل ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب تم نے اپنے آپ کو حقیقت اور واقعیت سے علیحدہ کر لیا تو پھر تمہارے خیالات محل نہ ہوں تو اور کیا ہوں؟ غیر شعوری تحریکات کا دوسرا خاصہ جو اس خیالی بلاؤں میں پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ یا تو ناگوار خیالات پر رنگ آمیزی کر کے ادن کی ہیئت لگا دینی کو چھپایا جاتا ہے، یا پھر سرے سے اونگھا کر ہی نہیں ہونے دیا جاتا ہے، تیسرا خاصہ یعنی حبِ قدسِ فطرت کا سیلان بھی خیالی بلاؤں میں درجہ اتم موجود ہوتا ہے، ہم بھی اپنے آپ کو حقیر تو دیکھتے ہی نہیں باطل ترقیبات میں بھی غیر شعوری تحریکات کے متذکرہ بالا خواص نظر آتے ہیں غاصب اپنے غصب کو ہلکا کرنے کے لیے بڑی بڑی سلطنتوں کے غصب کی مثال پیش کرتا ہے کہ کسی معصوم شخص کو مجرم ثابت کر کے اور اسکو سزا دلایا کہ ایک وکیل اپنے زعم میں خود کو سوسائٹی کا نجات دہندہ فرض کرتا ہے، اپنی رعایا میں جلبِ لطف کا جوش اور دوسری قوموں کی جانب سے ادن کے جذباتِ نفرت کو براہِ گنہگار کرنے کے لیے قیصرِ جرمنی اپنے ملک کی کالیف کو حضرت علیؑ علیہ السلام کی کالیف سے مشابہت دیتے ہیں، شیعہ و سنی مسلمانوں کے ہنگامہ کے بعد شیعہ حضرات اپنی غلطیوں اور دوسرے فرقہ کی طرف سے لوگوں کے جذبات کو براہِ گنہگار کرنے کے لیے اس ہنگامہ کی تمثیل کر کے بلائے معلیٰ کے واقعہ فاجعہ سے کہتے ہیں، مذکورہ بالا اصلی اور فرضی مثالوں میں سے کسی ایک کو لو، تو تم کو معلوم ہو جائیگا کہ غلطی کی اصل وجہ قوتِ تیز کی کمی اور غور و خوض، صحیح معائنہ و مقابلہ و اقامت کی نااہلیت ہے، پس معلوم ہوا کہ ترقیبات کو صحیح نہج پر لانے اور انکا جائز استعمال کرنے کے لئے صرف مختلف جذبات میں تیز کرنا اور غیر شعوری خود غرضانہ تحریکات اور معاشرتی وجوہات کا فرق جاننا ہی ضروری نہیں ہے، بلکہ تصورات اور خیالات میں تیز کرنا ہی ہمارا فرض ہے،

ہر قسم کے استدلال عقلی کی بنیاد اصولِ تشبیہ و تمثیل پر ہے ہمارا استدلال اُسی وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ جب اوس کی اصطلاحات اور تعینوں میں لازمی اور بینِ تشابہ ہو، اگر مشابہت غیر نامِ اتفاقی ہے تو اوس کی بنا پر جو استدلال کیا جائے گا وہ بھی غلط ہی ہوگا،

غور کرو، مثلاً تھا را استدلال ہے کہ چونکہ تمام مادی اشیاء میں وزن ہوتا ہے اور ہو ابھی ایک مادی شے ہو اسلئے ہوا میں بھی وزن ہونا ضروری ہو اب اسی میں دیکھو کہ استدلال کی غلطی یا صحت اسو شبابہت پر منحصر ہے جو ہوا میں اور دیگر مادی اشیاء میں باعتبار مادیات پائی جائے، اگر ہوا میں کسی قسم کی مادیات ہو جیسی کہ دیگر اشیاء میں تو تمہارا استدلال صحیح ہو ورنہ نہیں، کیونکہ اس صورت میں مقدمہ صغریٰ ہی ناقص ہو جاتا ہے، سو استدلال کی کسی قسم کو لو، تم دیکھو گے کہ اس میں غلطی کی وجہ یا تو یہ ہے کہ تمہاری قوت تیز نے غلطی کی یا یہ کہ تم نے تبویب اصطفا (Classification) میں غلطی کی یعنی کسی مجبوعہ حالات کو ایسے عنوان کے تحت میں رکھا جس میں وہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے شامل نہیں ہو سکتا تھا، ہر غلطی میں ہی ہوتا ہے جب میں غلط استدلال کرتا ہوں یا غلط نتیجہ اخذ کرتا ہوں تو اسکا باعث یہی ہے کہ میں اپنے خیال میں صورت حالات کو کچھ اور سمجھتا ہوں اور فی الحقیقت یہ اس سے مختلف ہو، پس منطقی نقطہ نگاہ سے ترغیب کے جائز استعمال کی شرط یہ ہے کہ ہم واقعات و حالات کو صحیح روشنی میں دیکھیں تبویب میں غلطی نہ کریں اور غلط تشبیہات کے دعوہ نہ کریں،

خلاصہ، مختصر یہ کہ جسے ہم حقیقی اور جائز معنوں میں ترغیب کہہ سکتے ہیں وہ ایک خود شعوری عمل ہے جس میں ذہن تخیل اور جذبات باہم مخلوط ہوتے ہیں اور یہ اختلاط غیر شعوری تحریکات کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی بنا صورت حالات کے صحیح ذہنی درک پر ہوتی ہے، صحیح اور جائز ترغیب میں صرف انہی استنباطات، تخیلات، اور تشبیہات سے کام لیا جاتا ہے، اور صرف وہی جذبات براگتہ کئے جاتے ہیں جو بالاصل صورت زیر بحث کی تحت آئیں، برخلاف اسکے ترغیبات باطل میں تخیل، ذہن اور استدلال کا عمل معنوی اور غیر مادی ہوتا ہے اور صورت حالات سے تطابق لازمی نہیں خیال کیا جاتا، اپنا منشاء مافی الغیر حاصل کرنے کے لئے یا کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے ہم غلط منطق سے کام لیتے ہیں، اپنے تخیل کو ناجائز طور پر اکساتے ہیں اور جلد از جلد اپنا مقصد حاصل کرنے کی نیت سے

ایسے جذبات کو استعمال دیتے ہیں جو اگرچہ حصول مقصد میں ہمارے معین تو ضرور ہوتے ہیں لیکن نصائح دیکھو تو اون میں اور صورت زیر بحث میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا، یہ ہوسکتا ہے کہ کسی خاص ترغیب میں زیادہ خامیاں غصہ نہی کی وجہ سے ہوں اور تخیلی اور جذبی نقطہ نگاہ سے وہ غلط نہو، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر ایک قسم کی غلطی دوسری غلطیوں کو بھی مستلزم ہے، جذبات تخیل، اور ذہن ایک دوسرے کو مدد دیتے ہیں، ایک دوسرے کی ہدایت اور ایک دوسرے کے ساتھ شرکت عمل بھی کرتے ہیں، جائز ترغیبات میں یہ تینوں شعور دار ارادہ کے اختیار میں رہ کر ہم آہنگی سے کام کرتے ہیں، ترغیبات باطل میں بھی یہی تینوں عمل پیرا ہوتے ہیں لیکن اس صورت میں انکا عمل خارج از اختیار و ارادہ ہوتا ہے اور اس کا مقصد محض ایک مقررہ حد تک ہم کو لیجانا ہوتا ہے، صحیح اور باطل ترغیبات میں ماہ لاتیازیسی ہے، ورنہ بلحاظ عناصر ترکیبہ یہ دونوں ایک ہی ہیں،

باب پنجم

ترغیب خاموش

ترغیبات غیر لفظی اور اون کے اقسام، اشارات سطوت شخصیت، موسیقی، نقاشی، بانسکوپ وغیرہ کے ذریعہ سے ترغیب ان کے صحیح یا فریب دہ اثرات سے بحث

ترغیب خاموش اور اسکے طریقے، اب تک ہم نے عمل ترغیب کی نفسیاتی تشریح کی ہے، باطل ترغیبات کے طریقے، خود فریبان، اجتماعی ترغیبات کے نقصان، ترغیبات کو صحیح سوچ پر استعمال کرنے کے وسائل، یہ سب ہماری بحث کا مرکز رہے ہیں، اب ترغیب کے اقسام سے بحث کر کے ہم یہ دیکھیں گے کہ وہ کون سے مختلف ذرائع میں جن کے ذریعہ آدمی خود اپنے نفوس کو یاد دوسروں کو ترغیب دیتا ہے،

حرف عام میں ترغیب سے مراد تحریری یا تقریری ترغیب لی جاتی ہے، یعنی یا تو کوئی معزز بانی دلائل کی رُو سے دوسروں کو کسی فعل کرنے پر راغب کرے یا پھر واسطہ تحریر سے یہ مقصد حاصل کیا جائے لیکن ان کے علاوہ ایک اور طریقہ ترغیب بھی ہے جس میں الفاظ سے خواہ بانی ہوں یا معرض تحریر میں لائے جائیں ترغیب کا کام نہیں لیا جاتا بلکہ خاموش طریقہ پر لوگوں کو متاثر

کیا جاتا ہے، اس باب میں اسی سے بحث کی جائیگی،

بادی النظرین لوگوں کو ترغیب خاموشی کا تصور قائم کرنا ذرا دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن مغور سے ہی مغور سے معلوم ہوتا ہے کہ فی حقیقت خاموشی وہ کبھی انسانوں کے قلوب کو متاثر کیا جاسکتا ہے، اور ان کو کسی خاص فعل کے کرنے کی ترغیب دیا جاسکتی ہے، آنکھوں کے اشاروں سے جو کام لیا جاسکتا ہے، وہ بعض اوقات فصیح و بلیغ تقریروں سے بھی نہیں ہوتا، خاموشی میں جو گویائی ہوتی ہوتی ہوا اس سے شاعر بڑے بحث کرتے رہے ہیں، نظرت کے خاموش مناظر دلوں کو جس طرح متاثر کرتے ہیں، وہ ہر نظرت پسند شخص جانتا ہے، سعدی آج سے بہت پہلے اسی خاموشی کی طرف اشارہ کر گئے ہیں۔

برگ و رخسار سبز و نظر پوشیار
ہر درتے و خیریت معرفت کردگار

اگر تم نے کسی جادو بیان مقرر کو تقریر کرتے سنا ہے، تو تعین معلوم ہوا ہوگا کہ الفاظ تو جس طرح تیر و دفتر بنکر دل میں اترتے ہیں، وہ تو خیر ہے ہی لیکن اسکی آواز، حرکات و سکنات، اشارات، شکل و صورت، سطوت شخصیت کا بھی عجیب اثر ہوتا ہے، اگر تم کبھی بالیکوپ گئے ہو، اور وہاں سے کسی خیال کو دل میں لئے ہوئے باہر آئے ہو تو تعین اندازہ ہوا ہوگا کہ بغیر الفاظ کی وساطت کے صرف تصاویر کے ذریعہ سے بھی لوگوں کے خیالات پر قابو پانا ممکن ہے، اور فی حقیقت موجودہ زمانہ میں بالیکوپ سے تبلیغ و اشاعت کا کام بہت بڑے پیمانہ پر ادا کیا جاتی ہے، یہ سب ترغیب خاموشی کے اثر کا پتہ دیتے ہیں اور جن ذرائع سے بغیر الفاظ کے ترغیب دی جاسکتی ہے وہ یہ ہیں، اشارات، سطوت شخصیت، موسیقی، نقاشی، بالیکوپ وغیرہ۔

اشارات اشارات تقریباً ہر تقریر میں پائے جاتے ہیں، تفہیم کے لئے ہاتھوں سے اشارہ کرنا، لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے جہم کا اون کی طرف جھکانا، جوش کے مواقع پر ٹھیکیان بند کر کے

زور سے ہاتھوں کو ہلانا، آس کی جنبش، تہقہ یا تبسم، ان سب کا وجود تقریر و نین برابر ہوتا ہے، مولوی وحید الدین صاحب تسلیم نے اپنی نا تصنیف وضع اصطلاحات میں الفاظ کی ابتدا سے بحث کرتے وقت ضمناً اشاروں کا بھی ذکر کیا ہے، اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ الفاظ کی کمی کو پورا کرتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ ادا کے مطلب سے قاصر رہ کر لوگ اشاروں کا استعمال کرنے لگتے ہیں، پھر بھی ان کے اس خیال کو کلیہ کی حیثیت نہیں دیا جاسکتی، الفاظ کی کمی کے علاوہ، اور مواقع پر بھی (جو ہم اوپر بتا چکے ہیں) اشارات کام میں لائے جاتے ہیں، زمانہ قدیم سے فن خطابت میں اشاروں کے استعمال پر بھی زور دیا جا رہا ہے، اور آج بھی جہاں کہیں اس فن کی باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے وہاں انتخابِ لفاظ، آواز کے ادا و اتر چڑھاؤ کے ساتھ ہی ساتھ اشاروں کے استعمال کی باقاعدہ تعلیم دیا جاتا ہے،

یون تو کم پیش ہر شخص دوران تقریر میں حرکات و سکنات، جنبش اعضاء، تغیر خط و خال سے کام لیتا ہے، لیکن ترغیب میں اس کا استعمال مختلف قوموں میں مختلف مقدار میں ہوتا ہے، لاطینی اقوام میں اس کا ظہور بہت کچھ دیکھنے میں آتا ہے، رومہ الکبریٰ، اور یونان کے قدیم مشہور خطیب اس طریقہ سے بہت کچھ کام لیتے تھے، گرجون میں جو مذہبی وعظ ہوتے ہیں ان میں آج بھی بہت کچھ اشارات سے ادا کے مطلب، اور نائید کا کام لیا جاتا ہے، مشرقی اقوام میں بھی اس کا اثر بہت کچھ پایا جاتا ہے، ہندوستان میں خاص کر جنگالی مقرر و نین، تغیر سخن اور ہاتھوں کی جنبش وغیرہ سے سامعین کو متاثر کرنے کا بہت کچھ ملکہ ہوتا ہے، کبھی اقوام میں یہ بات ذرا کم پائی جاتی ہے، انگریز اور بہت سے جدید خیال کے ہندوستانی بھی اشارات کے قصد استعمال کو مذموم خیال کرتے ہیں، سرِ دست اس سے بحث منظور نہیں کہ یہ طریقہ کما تنک پسندیدہ ہے، جو کچھ دیکھنا ہے وہ یہ جو کہ بحیثیت آکر ترغیب اس کا اثر کم ہوتا ہے،

فرانس کے ایک ظالم بادشاہ وقت کا جنازہ رکھا ہوا ہے، اگر جاہل سناٹا چلایا ہو تو ہر شخص سیاہ لباس میں ہوس گردن جھکائے بیٹھا ہے، بہت سے قلوب اندر ہی اندر اس بدکردار کی موت پر خوش ہو رہے ہیں، یہ لوگ کسی ہمدردی کی بنا پر نہیں بلکہ سلطنت کے قانون سے مجبور ہو کر نماز جنازہ میں شریک ہوئے ہیں، اتنے میں ایک بلند قامت شخص منبر کے پاس جا کر کھڑا ہوتا ہے اور مردود و مردیکہ کے بعد یہ شخص بہت دیر ہی آواز میں رُک رُک کر انجیل سے ذیل کی عبارت پڑھتا ہے، ”میری حیثیت آج دنیا میں بہت ممتاز ہے، جتنے لوگ بیت المقدس میں گزرے ہیں، اون میں کوئی ثروت و شوکت، جاہ و جلال، شان و شکوہ میں مجھ سے زیادہ نہ تھا، لیکن آہ! مجھ پر ایک حقیقت کا انکشاف ہو گیا ہے، کہ دنیا میں مجھ جیسا، اور ایسے روحانی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔۔۔۔۔۔“

عبارت پڑھی جا چکی، خطیب نے کتاب بند کر دی لوگ منظر میں کد اب کیا کئے والے ہیں، مگر یہ کہ سر جھکائے، آنکھیں بند کیے دونوں ہاتھ باندھے کھڑا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کی عبارت نے اس کے خیالات میں کوئی خاص سچان پیدا کر دیا ہے، اور یہ اندر ہی اندر اپنے جذبات سے برسرِ بیکار ہے کچھ لوگ اس کی خاموشی پر تعجب ہیں، بعض اس کی ظاہری حالت سے متاثر ہوئے ہیں، دو چار کے سینوں سے دبی ہوئی آہ نکلی، مگر متوجہ سب ہیں خطیب نے سر اٹھایا، گرد پیش نظر ڈالی، مگر فوراً ہٹا بھی لی، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ ان سیاہ پوش مائیموں کے نظارہ نے اس کے دل پر کوئی خاص اثر کیا، اب آہستہ آہستہ اس کی نظریں گر جاکی چار دیواری پر پھر رہی ہیں، جہاں چاروں طرف شاہانِ سلف کے اسلمہ آویزان ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس منظر نے اسے اور بھی زیادہ متاثر کر دیا ہے، اس نے مجمع کی طرف نیم باز آنکھوں سے دیکھا، ہونٹوں کو خمیش ہوئی اور آہ میں طے طے کچھ الفاظ سنائی دیئے، ”سبا یو! انسان خاک کا پتلا ہے، سب بزرگی خدائے بزرگ و برتر کے لیے ہے۔“

اب مجمع میں ایک عام بے چینی، اور اضطراب پایا جاتا ہے، غور سے دیکھا تو بادشاہ کے خاص غافلین کی

ہنگون سے بھی آفسٹپک رہے ہیں،

(۲) علی گڑھ کالج کے اسٹریچی ہال میں طلباء جمع ہیں، ایک مشہور پرنسپل نصحت ہو رہا ہے اور اس نے الوداع کہنے کے لئے طلباء کو بلوایا ہے، مختلف حلقوں میں مختلف رایوں کا اظہار کیا جا رہا ہے ایک کثیر جماعت اس موقع پر خوش نظر آتی ہے، کچھ دل ایسے بھی ہیں جو منہموم ہیں، ہال میں خاموشی چھائی پرنسپل پشت کے دروازہ سے داخل ہو کر چوتھے پر کھڑا ہوتا ہے، پیشانی سے پسینہ خشک کر کے مجمع پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالتا ہے، عجب عالم سکوت ہے، اب اس کی نظریں ہال کی دیواروں پر ہنسک رہی ہیں، بانی کالج کی تصویر سے ہنسک رہا ہے یہ دیوار کے اوس حصہ پر چبھ ہوئی ہیں جہاں غیر معاذین کالج کے نام تھرپر کندہ ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دل ہی دل میں ان تیرہ سال کے خاموش ساتھیوں کو الوداع کہہ رہا ہے، تقریباً پانچ منٹ کی خاموشی کے بعد وہ طلباء کی طرف متوجہ ہوتا ہے، منہموم آواز میں یہ الفاظ سنائی دیتے ہیں،

”عزیز شاگردو! میں نے تم کو.....“

جذبات کا تلام، آوازیں گزرتی پیدا کر دیتا ہے، اور بہت جلد غصہ، اناظر، لکڑ پرنسپل ہال سے چلا جاتا ہے مجمع میں اب دوسری ہی کیفیت ہے، ہم نے اپنے کانوں سے سنا کہ وہی لوگ جو پہلے اظہار

مخالفت میں بلند آہنگ تھے، اب اظہار تاسف میں رطب لسان ہیں،

مذکورہ بالا مثالوں میں اگرچہ اشاروں سے بہت زیادہ کام نہیں لیا گیا، پھر بھی تغیر

نہیں، اور خود سکوت، آئہ ترغیب ثابت ہوئے، کچھ لوگ ان چیزوں کو بھی پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتے، ایسے کہ ان میں اکثر اوقات تصنع کی ہوتی ہے، مثلاً پہلی مثال میں خطیب کے اشارات پر تصنع کا الزام اس بنا پر لگایا جاسکتا ہے کہ ایک جابر بادشاہ کے انتقال کے موقع پر کسی مذہبی رہنما کا اس قدر اظہار تاسف کیا معنی رکھتا ہے؟، اظہار لال حقیقی ہو یا مصنوعی تاہم اعتراض کرتے وقت ایک اور

باس کا بھی خیال رکھنا چاہیئے، اور وہ یہ کہ خطابیات کے طریقے مختلف قوموں میں، بلکہ خود ایک ہی قوم میں بلحاظ اختلاف زمانہ مختلف ہوتے ہیں،

باموقع اشارات سے جو کام لیا جاسکتا ہے، اور سامعین کے افعال کو جس حد تک متاثر کیا جاسکتا ہے، اس کی مثال ذیل کے واقعہ سے ملتی ہے، جوہ رابرج ۱۹۱۶ء کو دارالعوام انگلستان میں پیش آیا، آئرلینڈ کے ہوم رول بل پر مباحثہ ہو رہا تھا، طرفین میں بہت کچھ جوش تھا، مشر جان رڈمنڈ تقریر کر رہے تھے، اور اپنی تقریر کا خاتمہ ادھون نے اس طرح کیا،

”جو کچھ مباحثہ آج ہو رہا ہے، اسے آپ سب اصحاب سن چکے ہیں مجھے صرف اسی قدر کہنا ہے کہ اب بحث و مباحثہ سے کوئی مزید فائدہ حاصل ہونے کی امید نہیں، جو اصحاب میرے ہم خیال ہوں ان سے میری ادبیاہ و خواہش یہ کہ اس بیکار گفتگو میں تفریق وقت نہ کریں، اور اراکین دارالعوام کو مطلق العنان چھوڑ دیں تاکہ جو کچھ ان کا جی چاہے قرار دوا کر شکر کریں، چونکہ یہاں ٹھہرنا موجب ذلت و توہین ہے لہذا میرے ہم خیال اصحاب فوراً اٹھ کھڑے ہوں، اور میرے ساتھ چلکر باہمی مشاورت سے آئندہ طرز عمل کے متعلق کوئی رائے قائم کریں،“

جس اخبار سے مذکورہ بالا اقتباس لیا گیا ہے، وہ آگے چلکر لکھتا ہے:-

”یہ الفاظ مشر رڈمنڈ نے بہت جوش و خروش سے کہے، قومیت پسندوں میں بہت کچھ جوش تھا مشر رڈمنڈ کی تائید میں برابر تالیان بجائی جا رہی تھیں، جون ہی کہ مقرر ہال سے اٹھا، تمام قومیت پسند جماعت ایک ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور باہر جاتے جاتے سرکاری ممبروں پر سخت طعن و تشنیع کی بوجھار کرنی لگی، نظارہ عجیب و غریب تھا، تمام سیاسی حلقوں میں اس سے سنہری پھیل گئی،“

اس موقع پر دیکھو کہ حرکات و سکنات کتنی باموقع تھیں، غصہ میں بات کرتے کرتے کیا ایک اٹھ کر چلے جانا بالکل فطرت انسانی ہے، مشر رڈمنڈ کا یہ فعل اضطراری تھا، اور ان کے جذبات کا صحیح

منظر، اس سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ بعض اوقات اشارات، حرکات و سکنات سراسر مصنوعی بھی ہوتے ہیں، انکا اظہار صداقت پر معنی نہیں ہوتا، بلکہ سامعین کو متاثر کرنے کے لیے ایکٹرون کی طرح بالقصد تعین سے کام لیا جاتا ہے، بعض اوقات حرکات و سکنات اضطراری و فطری تو ہوتی ہیں، لیکن پھر بھی اون کو مستحسن نہیں کہا جاسکتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ہر ترغیب کی بنا جذبہ ہے، لیکن جذبہ فریب آمیز بھی ہوتا ہے، اسی طرح سے حرکات و سکنات جذبات کے جسمانی مظاہر ہیں، اور فریب آمیز جذبات کے مظاہرات بھی فریب آمیز ہوتے ہیں، خواہ وہ اضطراری ہوں یا مصنوعی، شاید یہ اعتراض کیا جائے کہ حرکات و سکنات مصنوعی کیسے ہو سکتی ہیں، اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو مقرر کے دل میں جذبات کا سرے سے وجود ہی نہ ہو، لیکن پھر بھی دھوکہ دینے کے لیے ایسی حرکات کیجائیں، جن سے معلوم ہو کہ فی الواقع اس کے دل پر کوئی جذبہ طاری ہے، مثلاً بناوٹ کی منہی، یا دھوکہ دینے کے لیے زور سے ہاتھ بلانا، تاکہ لوگوں کو اپنے جذبہ غضب کا یقین دلایا جائے، دوسری صورت وہی ہے جو اس سے قبل بیان کی جا چکی ہے یعنی حرکات کا اضطراری ہونا، جذبات کے حرکی لواحقات کے طور پر ان کا ظاہر ہونا، لیکن خود ان جذبات کا فریب آمیز ہونا، شوقِ اول میں ترغیب کی فریب دہی پائی جاتی ہے، مثلاً فرض کرو کہ میں کسی ایسے مجمع کے سو برو تقریر کر رہا ہوں جو میرے مزعومہ نقطہ خیال کا حامی ہے، یا ور ہے کہ میرا نقطہ خیال صرف مزعومہ ہے، اور میرے الفاظ میرے دل کے ترجمان نہیں، مگر سامعین میری اصلی رائے سے ناواقف ہیں، اگر ان کو شرارۃً غیض و غضب پر آمادہ کرنا میرا مقصد ہو تو میں بہت آسانی سے ان کو اس کی ترغیب دے سکتا ہوں، مثلاً دانت بند کر کے الفاظ کا ادا کرنا، ہاتھوں سے اس طرح اشارے کرنا جیسے میں کسی کو مار رہا ہوں، اگر اتفاق سے مخالف فریق کا کوئی رکن ادھر سے جا رہا ہو، تو مجمع کو براہِ بغتہ کرنے کا آسان یقین یہ ہے کہ میں اس کے پیچھے دوڑوں، میرے ساتھ ہی سب سامعین بھی دوڑیں گے، اور یقیناً بلوہ کی صورت رونما ہو جائیگی، جن لوگوں نے مولانا مہر علی صاحب دہلویؒ کے زوال بعد ادا کا مطالعہ کیا ہے، ان کو کتنا

کتاب میں طبعی اور تشقی کی زمینانہ تقریروں میں حرکات و سکنات کے یہ مضمر اثرات کثرت سے نظر آئیں گے۔ ہر ناکون میں جو بوسے عام طور پر ہوتے ہیں اور ان سے بھی اس بات کا کافی ثبوت ملتا ہے، اکثر ایسے مواقع پر بعض شریر انفس لوگ ایک پتھر کا رخانہ کی دیوار پر مارتے ہیں اور فی الفور پورا مجمع سنگ باری کرتا ہوا نظر آتا ہے، ڈھاکہ میں عدم موالاتیوں کے جلوس میں اس قسم کا واقعہ راقم کا چشم دید ہے، صرف ایک تماشاخی کی تقلید میں مجمع نے پولیس کی چوکی پر پتھر پھینکنا شروع کر دیا اور عام بوسے کی نوبت آگئی، کچھ گولیاں بھی چلیں، شق دوم میں خود فریبی کا دخل ہے،

مذکورہ بالا مثالیں، اور بالخصوص آخری واقعہ پڑھ کر کسی کو یہ ماننے میں تاہل نہوگا کہ مصنوعی اشاروں سے کام لیکر جو محض فریب دہی کے لیے کیے جاتے ہیں، سامعین کو جبر و تشدد یا کسی اور عمل کی ترغیب دینا دشوار نہیں ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی حرکات و سکنات ہیں جن کا استعمال ترغیب میں جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اشارات با موقع ہوں، مقرر کے اصلی جذبات کی ترجمانی کرتے ہوں، اور اس کی شخصیت کے مطابق ہوں تو جائز ہیں، والا نہیں، غرض کہ اشارات الفاظ اور مقرر کی شخصیت، ان تینوں میں باہمی مناسبت اور ربط کا ہونا ضروری ہے، اگر مقرر ایسے حرکات و سکنات سرزد کر رہا ہے، جن کا الفاظ تقریر، اور نوعیت تقریر سے کوئی علاقہ ہی نہیں، تو یقیناً تو کہ اس کی نیت دھوکہ دہی کی ہے، مثلاً درستی عقائد پر وعظ دیتے وقت اگر کوئی مقرر پاؤں پٹکے، یا زور سے ہاتھوں کو جنبش دے، تو یہ حرکات یقیناً باطل ہونگے، کیونکہ نوعیت مضمون کو اس قسم کے اظہار جوش و خروش سے کوئی علاقہ ہی نہیں ہے، اسی طرح سے اگر میرے حرکات و سکنات میری شخصیت سے متناقض ہیں، تو یہ بھی مصنوعی اور فریب دہی ہیں، اگر ایک بے ریش و بروت نوجوان دوران تقریر میں مقدس بزرگوں کی طرح اپنے بے ریش چہرہ پر ہاتھ پھیرے، یا کوئی متین، سنجیدہ، بزرگ صورت مقرر دوران تقریر میں عامیاناہ حرکات سے کام لے تو دونوں صورتوں میں حرکات و سکنات

لازمًا جھوٹے مظاہرات ہیں،

مختصر یہ کہ اگر سامعین احتیاط سے مقرر کی حرکات و سکنات کا مطالعہ کریں، تو وہ دعوے کی بنیاد نہیں آسکتے، لیکن کس قدر مقام افسوس ہے کہ اثر پذیری کی بدولت قوت تیسرے معطل و مجاہاتی ہے، حرکات کا مطابق فطرت، یا منظر جذبات ہونا نہیں دیکھا جاتا اور خصوصاً ادنیٰ طبقے کے مجموعہ میں بہت جوش و خروش پیدا ہو جاتا ہے جس سے آفات جان تک کی ذہنی آفتی ہی بڑھتی ہے جس سے استدلال سب رخصت ہو جاتا ہے۔

آن کس است اہل بشارت کہ اشارت داند کلمتہ ہا ہست بے محرم اسرار کجا است؟
سطوت، ترغیب کی کامیابی کا شہرت اور سطوت، ”پریمی ایک بڑی حد تک انحصار پر مشہور مقروں کی تقریریں خاص انماک سے سنی جاتی ہیں، اسی طرح سے مشہور مصنفین کی تصانیف میں بھی لوگ خاص بچھپی لیتے ہیں، اگر ایک ہی قابلیت کے دو مقرر ہوں، اون میں سے ایک کو سطوت تقریر حاصل ہو چکی ہو اور دوسرے کے پاس سوائے ذاتی قابلیت کے اور کوئی طفرائے امتیاز نہ ہو، تو اس صورت میں ہر شخص جانتا ہے کہ اول الذکر کی باتوں پر جو توجہ کی جاتی ہے، دوسرے کو اس کا نصف حصہ بھی نصیب نہیں ہوتا، اس مثال سے معلوم ہوا ہوگا کہ سطوت بھی نچملہ دیگر غیر عقلی عناصر ترغیب کے ہی کسی فرد کو کسی خاص سطوت، کا حاصل ہونا، اس میں اون صفات کے وجود کو مستلزم نہیں ہے، جس کی سطوت، اسے حاصل ہے، سطوت کا انحصار افراد کی اثر پذیری پر ہوتا ہے اور اثر پذیری ایک جذباتی عمل ہے، عام طور پر سطوت، کو ایک فطری اور ذہنی شے سمجھا جاتا ہے، چنانچہ ہم نے اکثر حضرات کو سطوت ذاتی بھی استعمال کرتے دیکھا ہے، غور کرو تو یہ الفاظ اجتماعِ ضدین معلوم ہوتے ہیں، سطوت حاصل ہوتی ہے، لوگوں کی طرف سے ملتی ہے، خاندانی تعلقات، دولت، ثروت اور مرتبہ کی وجہ سے بھی پیدا ہو جاتی ہے، لیکن فطری کسی نہیں ہوتی، جو حضرات اسے فطری کہتے ہیں وہ سطوت اور شخصیت

مین کوئی فرق نہیں دیکھتے، حالانکہ یہ دونوں ملحدہ چیزیں ہیں، ان سے شخصیت کے تحت مین بحث کی جائیگی،
اپنے گرد و پیش نظر ڈالو، تم دیکھو گے کہ اگر کچھ کبھی کبھی سطوت محض دھوکا اور نمائش نہیں
 بلکہ حقیقی بھی ہوتی ہے، لیکن بسا اوقات جس چیز کو سطوت، سے تعبیر کیا جاتا ہے، اوس کی اصلیت
 سوائے نمائش کے اور کچھ نہیں ہوتی، اگر زید کو سطوت اخلاقی حاصل ہے تو اوس سے یہ لازم نہیں
 آتا کہ اخلاق زید کی خصلت بھی ہے، زمانہ کا قاعدہ ہو کہ اگر کوئی شخص بظاہر آثار و وجہ میار اخلاق پر
 پورا اترے، دیکھنے والوں کی موجودگی میں بہت متانت اور وقار کے ساتھ چلے، بدنام محبتوں میں
 شریک نہ ہو، قابل اعتراض مقامات پر دیکھا نہ جائے، تو اوس کے اخلاق کی شہرت ہو جاتی ہے، لیکن اوسکی
 سطوت اخلاق، اوس کی صفات اخلاقی کی دلیل نہیں ہے،

سطوت اخلاقی کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، وہ ہر قسم کی سطوت پر صادق آتا ہے، تاریخ
 میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں، بڑے بڑے پارسا حضرات جن کے تقدس کی دُور دُور تک شہرت
 تھی، جب ان کا نقلی جامہ پارسائی چاک ہوا، تو کیا کچھ داغ سیکھڑی دیکھنے میں نہیں آئے، دورا کبریٰ
 کا مشہور عالم مفتی قاضی مخدوم الملک جو ایک عرصہ تک ہندوستان کی مسند شیخ الاسلامی پر بھی حکم
 رہ چکا تھا، اور جس کی پابندی شریعت کی ایک دنیا مداح تھی، اسی مخدوم الملک کی جب حقیقت کھلی تو
 دیکھنے والوں نے دیکھا کہ غضب کا مال خانہ دانی قبرستان سے نکلا، اور لوگوں نے حیرت و استعجاب سے
 سنا کہ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے مفتی شریعت، ہر سال انبالا اپنی بیوی کے نام ہبہ کر دیتا تھا، اور وہ سال ختم ہونے
 سے پہلے ہی اوس کے نام بخش دیتی تھی تاکہ اوسے زکوٰۃ کی شرط طُحُل کا لٹل نہ پوری ہونے پائے، کون
 انکار کر سکتا ہو کہ مخدوم الملک کو سطوت پارسائی حاصل نہ تھی، لیکن کیا فی الحقیقت وہ پارسا بھی تھا؟
 ہمارے زمانہ میں اگر اسمبلی کا کوئی رکن بظاہر منطقی دلائل سے کام لیتا ہوا نظر آئے، اور ان
 تقریر میں صحت لفظی کا بہت خیال رکھے، منطقِ نابیرایہ تقریر اختیار کرے، تو تمام ملک اس کی تیزی فکر و

تدبیر اور استدلال کا قائل ہو جاتا ہے، حالانکہ بہت ممکن ہو کہ نہ

عالم ہمہ افسانہ ماوراء ماہیچ

کا مقولہ ہمارے دوست کی شان میں انکسار کی بجائے حقیقت ہو،

ہم دیکھ چکے ہیں کہ جن صفات کی موجودگی کو بنائے سطوت فرض کیا جاتا ہے، وہ بسا اوقات ذاتی یا شخصی نہیں ہوتیں بلکہ اضافی، یا معنوی ہوتی ہیں، ترغیب و ہمدہ کی ثروت، اور خاندانی وجاہت اس کی ترغیب کی کامیابی میں جو حصہ لیتی ہے وہ روزانہ اخبارات سے ظاہر ہے، یہ جو ہم آئے دن سنا کرتے ہیں کہ فلان کتب خانہ، اسپتال، یا مدرسہ کا افتتاح فلان خطاب یافتہ شخص نے کیا، اس کی وجہ کیا ہے محض یہی کہ ان عمارتوں کے بانی اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان ”معزز“ افراد کے اقتساب سے عوام الناس بھی اون کی جانب تفت ہو گئے، اس سے بحث نہیں کہ سطوت خاندانی یا سطوت قول کا اثر ترغیب پر کم ہوتا ہے یا زیادہ، سوال یہ ہے کہ یہ دونوں کسی حد تک ترغیب میں بطور سند قبول کیے جاسکتے ہیں، ظاہر ہے کہ قول دوسری باتوں کے لئے طفرائے امتیاز، نہیں ہو سکتا، اور نہ کسی فرد کا کسی خاندان سے اقتساب اس کے ذاتی محاسن و مائب کا اصلی نظر ہے، وصف اضافی ”ہنر ذات“ نہیں ہے، و اما قول لکھنے

اما بنو و وصف افسانی ہنر ذات این فتویٰ ہمت بود ارباب ہم را

وصف گل وریحان ہوا باز نہ گردد ہر چند ہوا عطر و ہدوت شمع را

سطوت کے اثر سے مرعوب ہو جانے کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اس کی ”اثر افزائی“

بھی جذبات اور نیم شعوری تحریکات کی طرح غیر عقلی ہوتی ہے، کسی قسم کی سطوت کو لو، اس کا مدار زیادہ تر مہنوعات اور نمایش پر نظر آئے گا، پادشاہوں کا جاہ و جلال اور شہزادوں کا دبہ اور ان کے درباروں کی آرائش کی وجہ سے قائم ہے، یا خاندانی روایات پر منحصر ہے، مدبران سلطنت کا رعب و اب، اون کے حکم اور اقتدار کے سبب سے ہوتا ہے، افسران فوج کی شان، اون کی وردیوں سے ہوتی ہے، اون

صورتوں کے علاوہ جانِ مطوت کے ساتھ شخصیت کا اثر بھی شریک ہو، اور قہنی مثالیں لوگے اورین مطوت کی بنا حقیقت، اور استدلال پر بہت کم نظر آئیگی، ضرورت کے مطوت کا موجودہ معیار بدلا جائے، یا کم از کم کسی اثرین اگر لوگ اپنے اعمال کو نہ بدلیں، مطوت کی بنا لوازمات اور مصنوعات اثرین بلکہ اخلاقی، حقیقی اور ذاتی صفات پر ہونا چاہیے۔ اِنَّ اَكْمَرَ حَكْمٍ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰى كُمْ، اور لَيْسَ بِاللّٰهِ سَاسٌ ۝ ۱۷۷ ما سچی کے زین مقولون میں اسلام نے اسی ضرورت کو واضح کیا ہے،

شخصیت، اعام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ مطوت اور شخصیت مرادف الفاظ ہیں، ہم اس غلطی کی طرف مطوت سے بحث کرتے وقت اشارہ کر چکے، مطوت یا وحاگ اور شخصیت یا نفوذ میں سب بڑا فرق ہے کہ ذاتی الذکر وہی ونطری ہوتی ہے اور ذاتی صفات عالیہ پر منحصر ہوتی ہے، حالانکہ اول الذکر آکتابی ہے، اس کا وجود کسی صفت عالیہ کے وجود کو مستلزم نہیں ہے، مختصر یہ کہ مطوت کو اگر چاہو تو نفوذ کی نسبت لبتہ کہہ سکتے ہو، لیکن شخصیت کا اطلاق اس پر ہرگز نہیں ہو سکتا، اس میں شک نہیں کہ لوگوں کا ان دونوں باتوں سے مرعوب ہو جانا غیر عقلی فعل ہے، اور تعدیہ اثر کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن مطوت کا اثر شخصیت کے مقابلہ میں کمین زیادہ غیر عقلی ہوا کرتا ہے، ایسے لوگوں کی ترغیب جن کی مطوت کی بنیاد خاندانی حیثیت، تمول، حکومت یا اور کوئی اضافی وصف ہے کیون کا رگر ثابت ہوتی ہے؟ مذکورہ بالا صورت میں تعدیہ اثر جذبی عمل ہے، اگر نفوذ ذاتی اور شخصیت کا محاط کیا جاتا تو ترغیب کو قبول نہ کیا جاتا، گویا کہ ترغیب کو قبول کرنا محض اسی وجہ سے ہے کہ ترغیب دہندہ کا رعب و غیر ذاتی، اور غیر شخصی ہے، اخبارات کی ترغیب کیون کا میاب ہوتی ہے؟ قوانین پارلیمنٹ مضابطہ عدالت، احکام دارالقضاۃ لوگوں کے دل میں ایک قسم کی وحشت اور رعب کیوں پیدا کرتے ہیں؟ وجہ یہ ہے کہ ان قوانین و احکام میں مطوت کا اثر ہے، کسی فرد یا افراد کی شخصیت کا کٹاؤ نہیں پایا جاتا، چونکہ لوگ ان ذاتوں کا تشخص اور تعین نہیں کر سکتے، جو پس پردہ عامل ہیں، اسلئے

ان چیزوں کی وحاک اون کے دلون پر اور زیادہ بیٹھ جاتی ہے، اگر اخبارات کی اوٹیر ہم کے بجائے دین کا استعمال کرتے یا پابلیشنگ کے ارکان ہر قانون کو اپنے اپنے ناموں کے ساتھ شائع کرتے تو ان صورتوں میں اخفائے شخصیت باقی نہ رہتا اور نہ ان چیزوں کا اتنا اثر ہوتا، بعض رسالوں کے مدیر برابر واحد مکمل کا استعمال کرتے ہیں، ان کا خیال ہوتا ہے کہ اس طرح سے وہ شاید حکم میں زیادہ کامیاب جائیں یہ خیال سراسر غلط ہے دین کے استعمال کے ساتھ زید عمر بکر کی شخصیت کا سوال پیش ہوتا ہے، اور اوٹیری کا بند پر وہ فاش ہو جاتا ہے،

سطوت اور شخصیت میں مذکورہ بالا تناقض تو ضرور پایا جاتا ہے، لیکن پھر بھی جب مؤلف الذکر کے اندر جو کچھ ظاہری بنون ملاء و جاہت ذاتی وغیرہ کا خیال کیا جاتا ہے تو اس کا اثر بھی جذبی اور غیر عقلی ہوتا ہے، کچھ کے اچھے یا بُرے ہونے کے متعلق جب کبھی اظہار خیال کیا جاتا ہے تو ہماری رائے پر مقرر کی آواز جھکاؤ و سکناات، خط و خال کا ضرور اثر ہوتا ہے، اگرچہ ہم اس سے لاعلم ہوتے ہیں، تسخیرِ قلوب کی استعداد اور کشش کا ملکہ مقررہوں کے لئے طفرائے امتیاز خیال کیے جاتے ہیں، ان خارجی باتوں سے متاثر ہونا فطرتِ انسانی کا خاصہ ہے، اور اگر یہ چیزیں فی الحقیقت منظرِ شخصیت ہوں، تو ان سے مرعوب ہونا غیر مستحسن نہیں کہا جاسکتا، صفاتِ باطنی اور نظاہراتِ خارجی میں اگر تعالُف نہ پایا جائے، تو ثنائی الذکر کا اثر (ترغیب میں) جذبی فعلِ نہیں ہے، اگر تم کو کسی مقرر کی صداقت کا یقین ہوتا ہے، تو باوجودیکہ تم اوس کے نقطہ خیال کے حامی نہ ہو پھر بھی اوس کی تقریر کو انصاف کے ساتھ جانچتے ہو اور حسیبا تنقید سے کام نہیں لیتے، خاص خاص مواقع سے قطع نظر، زندگی میں روزی ہی ہوتا رہتا ہے، کسی شخص کی گفتگو سنکر محض اوس کے الفاظ کی بنیاد پر اوس کے متعلق رائے قائم نہیں کی جاتی، بلکہ اوس کی فحاصلت اور عادت کے متعلق جو کچھ ہمارے فطن، یا سو فطن ہو، اس کا اثر بھی ہمارے فیصلہ پر پڑتا ہے اور ایسا کرنا چند ان قابلِ اعتراض نہیں بشرطیکہ فحاصلت کے اندازہ میں تعصب کا دخل نہ ہو، ہرے

کیٹو (CATO) نے خطیب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہو وہ نیک آدمی جس میں
تقریر کا ملکہ ہو، اس سے زیادہ جامع اور واضح تعریف مشکل ہے، اگر ہم سطوت کے ظاہری مظاہرات
سے دھوکہ نہ کھائیں، حقیقی، اور مصنوعی کے درمیان حد فاصل قائم کریں، اور ہر قسم کی ترغیب کا وسیع
بجائے ظاہری باتوں کے، ترغیب و ہندہ کی صدق نیت اور ذاتی اخلاقی صفات کو قرار دیں، تو ہم
کبھی محض شخصیت کے عیب میں اگر سر اچھی یا بری ترغیب کو قبول نہ کریں، اور نہ اون لوگوں کے دھوکے
میں آئیں، جو افراد کی کمزوریوں اور جماعتوں کے خاصہ اثر پذیری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر، اون کو
بطور آلہ کامیابی کے استعمال کرتے ہیں،

عربی و لغت شاعری، جملہ وسائل ترغیب مثلاً حرکات و سکنات، اشارات سطوت
اور شخصیت جن سے ہم اب تک بحث کرتے رہے، اگرچہ فی نفسہ ترغیب خاموش کے ذیل میں آتے ہیں،
تاہم ان کو ترغیب لفظی سے جدا نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ ان کا اثر الفاظ کے ساتھ وابستہ ہے، لیکن
یہ بھی ممکن ہے کہ الفاظ کا مطلق استعمال نہ ہو، اور پھر بھی ترغیب کا عمل ہو سکے، اس کی مثال موعظی اور
نقاشی میں ہی تو پیریزین پھر خودی جذباتی طرزیں ہوتیں بلکہ درویش بھی ہی جذباتیہ کر دیتا ہیں جگہ وہ خود منظر ہیں، نغموں کا
اثر لوگوں پر کیا کچھ نہیں ہوتا انسان راتوں میں سوہنی کی راگنیاں کتنی دہشت پیدا کرتی ہیں، چاندنی
رات میں تالاب کے کنارہ بانسری کی سُری آواز کتنی فرحت و انبساط سے لبریز ہوتی ہے، ماہِ محرم کے
ماتمی نغمے، فوجی انسروں کی تجنیز و تکلیف کے وقت بینڈ کی آواز کتنی دل خراش ہوتی ہے، اوس کے سنتے
ہی دل دنیا سے بیزار ہو جاتا ہے زندگی عذاب معلوم ہوتی ہے، فنا، دنیا کی بے ثباتی وغیرہ کے خیالات

سہ (ELDER CATO) ۱۲۳ ق۔ م میں شکولم (TUSCULAM) میں

پیدا ہوا، ابتدائی تربیت فنِ کاشتکار میں پائی، بعد ازاں رومنہ اکبری چلا گیا، اور متحدہ طرزیوں میں شریک رہا، روم کا

سنسور (SENSOR) متور ہوا، ہر جدید ایجاد کا سخت مخالف تھا، لارنس سے اسکو شدید دشمنی تھی ۱۲۳ ق۔ م میں قاتل پائی

برخلاف اس کے بستر مرگ، جان بلب مریض، مایوس بیوی بچہ کی تصویر دیکھ کر دل پر غم کا بادل چھا جاتا ہے، اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں، اعلیٰ درجہ کی تصاویر میں ایک عجیب خاموش گویائی ہوتی ہے، اور اس کا ترفیبی اثر الفاظ کی مدد سے بے نیاز ہوتا ہے، انگلستان میں ہوگا تیرہ کی تصاویر بہت کچھ اخلاقی درستی کا باعث ہوئیں، شراب خواری عیاشی وغیرہ کے خراب نتائج تصاویر کے ذریعہ ظاہر کر کے اس مصور نے بہت کچھ اصلاحی کام کیا، ہندوستان میں بھی، دوران جنگ بلقان میں بلغاریوں کے مظالم کی تصویریں لوگوں کے دلوں پر بہت کچھ اثر کرتی تھیں، مسجد کا منورہ کے واقعہ میں سب سے زیادہ چندہ اللہ لال کی تصاویر، اور اوڈیرا لال کی جاوہر لال کی وجہ سے جمع ہوا، تصاویر کی کامیاب ترغیب کی بڑی وجہ ان کی صفت نمایندگی اور اظہارِ واقعات ہے، ع

شعیدہ کے بودا مند دیدہ؛

تقریر اور تحریر میں جو کچھ کا تخمیل کو کرنا پڑتا ہے، وہ تصویر میں جس باورہ کرتی ہے، اور اس ذریعہ سے ناخواندہ لوگ بھی ترغیب کے حلقہ اثر میں آجاتے ہیں، اُمتی، اور عالم دونوں یکساں طور پر صورتِ حالات کو سمجھ لیتے ہیں، اور ترغیب دہندہ کے حسبِ منشاء عمل کرتے ہیں،

موسیقی، نقاشی، صناعی میں جذبات سے اسی طرح اپیل کی جاتی ہے، جس طرح

کہ خالص عمل ترغیب میں، فرق ان میں یہ ہے کہ اول الذکر صورتوں میں کسی طرز عمل کی براہِ راست تشبوت نہیں ہوتی، مگر مؤخر الذکر میں جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، انسانی طرز عمل کو براہِ راست متاثر کیا جاتا ہے، فنون لطیفہ کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے وہ انسانی فعل، جس کا مدعا، علامت نشانات

لے ہوگا رتھ (HOGARTH) ۱۶۹۶ء میں لندن میں پیدا ہوا، ایک سنار کی دکان میں

بطور امیدوار کے داخل ہوا، نقاشی اور تصویر کشی کی تعلیم بطور خود حاصل کی، اسکی تصویروں کا موضوع ہمیشہ اپنے زمانہ کی اخلاقی ترقی

کا اظہار رہا، ان تصویروں نے انگلستان کی عام اخلاقی حالت کی رستی میں بہت کچھ مدد دی، وفات ۱۷۶۴ء

کے ذریعہ سے (مثلاً حرکات، خطوط، رنگ، اصوات یا الفاظ) دوسروں میں بالقصد کوئی جذبہ پیدا کرنا فنون لطیفہ کی تحت میں آتا ہے، لیکن اس تعریف کے ساتھ ساتھ ایک اور شرط بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے اور وہ یہ کہ صاحب فن، جن جذبات سے متاثر ہو، یا جن سے دوسروں کو متاثر کرنا چاہیے، وہ شاہد غرض سے خالی اور غیر شخصی ہوں، یعنی کسی ذلت سے اون کا لگاؤ نہ ہو، ذاتی خواہشات کے اثر سے پاک ہوں، اور حیات کے وسیع اور اعلیٰ تصورات پر مبنی ہوں، ان چیزوں کے علاوہ، فن لطیف سے اگر کوئی اور مقصد پورا کرنا مد نظر ہو، تو اسے فن لطیف نہیں کہہ سکتے، نقاشی اُسی وقت تک فن لطیف ہے، جب کہ محض اپنی لطافت کے لحاظ سے کی جائے، موسیقی کا بھی یہی حال ہے، فنون لطیفہ میں سے کسی کو لو، اگر وہ فی الحقیقت، فن لطیف ہی تو اس میں حیات انسانی کے عملی رُخ سے تم کو ایک طرح کی بے تعلقی نظر آئے گی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اون کا بالواسطہ اثر عمل پر بھی ہوتا ہے اور اس کی مثالیں ہم پہلے سے چکے ہیں، لیکن ان صورتوں میں ان فنون لطیفہ کی فہرست سے خارج کر دینا پڑے گا۔

باسکوپ یا محرک تصاویر کے ذریعہ سے ترغیب | **تصاویر کے ذریعہ سے ترغیب** کا بے نیاز مقلد بننے پر جو کمال کثرت سے استعمال کیا جا رہا ہے، باسکوپ ہی، گزشتہ جنگ کے زمانہ میں مختلف حکومتوں نے اسی کے ذریعہ نشر و اشاعت، اور اپنے مقصد کی تبلیغ و اشاعت کا کام لیا، انگلستان، اور دیگر اتحادی سلطنتوں میں اسی کے ذریعہ سے عوام کو جنگ کے اسباب سے مطلع کیا گیا، محرک تصاویر کو کھارجر من "ہیمیت" اور "منظالم" سے اون کو آشنا کیا گیا، ابھی حال ہی میں انگلستان کے اخباروں نے غل چایا تھا کہ جاپانی قوم باسکوپ کے ذریعہ سے انگریزی آبادی کو اپنا حامی اور ہم خیال بنا رہی ہے، سیاسی اغراض سے قطع نظر، معاشرت کی اصلاح کا کام بھی باسکوپ سے لیا جاتا ہے، مثلاً شراب نوشی یا قمار بازی کی وجہ سے کسی خاندان کی تباہی کے حالات دکھا کر ناظرین کو ان افعال قبیحہ سے متنبہ کیا جاتا ہے، آج کل مجلس اقوام اس کی تعلیمی اہمیت اور درس و تدریس میں اس کے استعمال پر غور کر رہی ہے

بالسکوپ کی کامیاب ترغیب کا خاص سبب تدبیری انکشاف واقعات ہی، واقعات

کے بعد دیگرے نظر کے سامنے آتے ہیں، جو اس نمسہ یا تمثیل کی وساطت سے اصلی یا فرضی حالات دکھا کر لوگوں کے جذبات کو تحریک دی جاتی ہے،

اگرچہ بالسکوپ کا اساسی اصول وہی ہے جو تصویر کی ترغیب دیتا ہے، لیکن نمونہ لٹریچر

طرح سے محدود ہے، صناعتی، نقاشی، مصوری، ان سب میں رنگ آمیزی اور دوسری علامات کے ذریعہ ظاہر

واقعات و افعال تو کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ اظہار بلحاظ زمان و مکان، محدود ہوتا ہے، یعنی ان میں کسی

خاص مقام پر، کوئی خاص واقعہ یا فعل، ایک ہی وقت میں وقوع پزیر ہوتا ہوا نظر آتا ہے، مثال کے

طور پر فرض کرو کہ تم کوئی ایسی تصویر دیکھتے ہو جس میں قاتل خنجر اٹھائے ہوئے کسی شخص پر حملہ کر رہا ہے،

اور شخص دونوں ہاتھ پھیلا کر اس سے رحم کا نتیجہ ہے، ظاہر ہے کہ یہ تصویر صرف اس وقت کا اظہار کرتی

ہے جبکہ مظلوم قاتل کے قبضہ میں آچکا تھا، ظلم کی وجہ، قاتل کے جذبات کا اشتعال، اس کا تعاقب مظلوم

کا بھانگنا، اور دوسرے بہت سے واقعات جو اس تصویر کے قصہ کو مکمل کریں، تصویر میں ظاہر نہیں کیے جاسکتے

ان کے لیے لکھی تصویروں کی ضرورت ہوگی، کیٹس (KEATS) نے ایک چینی کے پیالہ پر کسی

حسین عورت اور اس کے عاشق کی تصویر دیکھ کر کہا تھا، ”تھکوا دلی نوجوانی حاصل ہے، اور تیرا عاشق

ہمیشہ تجھ سے محبت کرتا رہے گا، مطلب یہ کہ جہاں تک تصویر کا تعلق ہے نہ تو معشوقہ کا انحطاط لوگوں کو

معلوم ہوگا، نہ عاشق کی محبت میں کوئی کمی کسی کو نظر آئے گی، ڈو سو برس کے بعد بھی دیکھو، تو اس تصویر

کی وہی کیفیت پاؤ گے، جو ابتدا سے تھی، اس مقولہ کے بیان کرنے کا مقصد یہ دکھانا تھا، کہ قصا ویر،

زمانیت اور مروز زمانہ کے ساتھ جو واقعات اور تغیرات رونما ہوتے ہیں، انہیں ظاہر کرنے سے قاصر

ہیں، لیکن بالسکوپ میں یہ سب کچھ تدبیری انکشاف واقعات سے آٹا فائنا ظاہر ہو جاتا ہے، سبب لہ واقعات

کی تمام اہم کردیاں موجود ہوتی ہیں،

باسکوپ کی تصاویر اظہار زبانت، تبدیلی مقام، اور درمیانی واقعات کے انکشاف

سے عاجز نہیں ہیں، اور ان سلسلہ واقعات کا بھی اظہار کیا جاسکتا ہے جن کا قیام مبینوں بلکہ برسوں کے صرف ایک آدمہ تشریحی جملہ کی ضرورت ہوتی ہے، نقاشی اور مصوری کے برخلاف، باسکوپ قید وقت سے بے نیاز ہے، بلکہ ناول یا زبانی قصوں کی طرح تشریح و توضیح واقعات پر بھی اسے مکمل قدرت ہے،

ایک لحاظ سے اگر دیکھو تو باسکوپ میں تسلسل واقعات اور زبانت کے اظہار کی صلاحیت

ناول سے بھی زیادہ ہوتی ہے، علت و معلول کا رشتہ جس طرح باسکوپ میں ظاہر کیا جاسکتا ہے اور آسانی کے ساتھ ناول میں بھی نہیں ہوتا، ناولوں میں یہ رشتہ متعدد صفحات عبور کرنے کے بعد ہاتھ آتا ہے لیکن باسکوپ میں علاقہ بسیت بہت کچھ میں اور واضح ہوتا ہے، اس کی بہترین مثال مشر جرارڈ کی کتاب میرا چار سالہ قیام جرمنی سے ملتی ہے، جس اتفاق سے اس کتاب کے واقعات کی ایک فلم بھی تیار کر لی گئی اور ان دونوں کے مقابلہ سے باسکوپ کی کامیابی کا راز اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کتاب میں ایک موقع پر اوس دعوت کا بیان ہے جو برلن کے حکام سیاسی نے سفیر امریکہ کے اعزاز میں دی تھی، اس موقع پر میرزا لون نے امریکہ کے ساتھ بہت کچھ اظہار ہمدردی رد و تہی کیا تھا، پھر کئی صفحات کے بعد جرمنی کے حکام کے کسی خفیہ جلسہ کا ذکر ہے، جو اسلئے منعقد کیا گیا تھا کہ امریکہ سے جنگ کرنے کے متعلق باہمی مشاورت سے کوئی تصنیف کیا جاسکے، یہ تو کتاب کی حالت ہے، لیکن جب یہی واقعات باسکوپ میں دکھائے جاتے ہیں تو پہلی دعوت کے بعد ہی دوسرے خفیہ جلسہ کا منظر پیش کر دیا جاتا ہے، اور اس طرح سے ناظرین پہنچے مطالعہ مقابلہ میں کمین زیادہ اثر پڑتا ہے، انسانوں کے مقابلے میں باسکوپ کی برصی ہوئی ترقیبی حیثیت کی یہ بہت اچھی مثال ہے، تو الی و تو اترو واقعات دکھا کر اپنے حسب منشاء جذبات کو آسانی اشتعال دیا جاسکتا ہے،

باسکوپ کی کامیابی کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ جس طرح ہمارے خیالات وقت کی

قید سے بے نیاز ہیں، اور گزشتہ کا خیال کر کے، اور کبھی مستقبل کی خیالی تصویر قائم کر کے، ہم اپنے آپ کو یاد و سرودن کو ترغیب دے سکتے ہیں، اسی طرح سے بالٹسکوپ میں بھی حال سے بحث کرتے کرتے ماضی یا مستقبل کی تصویر بھی دکھائی جاتی ہے، مثلاً اسی ظہر میں جس کا ہم حوالہ دے چکے ہیں، جب سفیر امریکہ کو اطلاع ملتی ہے کہ ماؤتھیکہ وہ ان جرمن جہازوں کی حفاظت کا ذمہ نہ لے جو امریکی ساحلون پر لنگر انداز ہیں اوس وقت تک اسے پروا نہ رہا رہی نہیں دیا جاسکتا، تو معاً اوس کے خیال میں عورت کا منظر، اور مدبرین جرمنی کی دوستانہ تقریریں آجاتی ہیں، بالٹسکوپ میں اوس کے ان خیالات کا اظہار بھی کیا جاتا ہے، اور جو خیالات سفیر کے دماغ میں چکر لگا رہے ہیں وہ پردہ پر ظاہر ہوتے ہیں، اور ذمہ سرعت خیال کے ساتھ غائب بھی ہو جاتے ہیں، لوگوں کے خیالات کے اظہار کی صلاحیت اور حال سے بحث کرتے وقت پردہ پر مستقبل یا ماضی کے واقعات کی تصاویر کا ظاہر ہونا، یہ ایک اور وجہ بالٹسکوپ کی ترغیب کی کامیابی کی ہے، خیالات کی تصاویر دکھا کر وہی خواہشات اور خیالات ناظرین کے دماغ میں بھی پیدا کر دیے جاتے ہیں، اور ترغیب دی جاتی ہے،

ناظرین کے جذبات کو براہِ گنجتہ کرنے کی ایک اور تھکب جو بالٹسکوپ میں کی جاتی ہے یہ ہے
 کہ ایکٹرون کے خط وخال، اون کے چہروں کا آمار چڑھاؤ، یہ باتیں بھی پردہ پر ظاہر کی جاتی ہیں، تو یہ خط وخال میں جذبات کو متحرک کرنے کی جو صلاحیت ہے اوس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، جب ہم کسی کو فوطا بسلط سے سُکراتے ہوئے دیکھتے ہیں، اور اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک پالتے ہیں تو (خاص صورتوں سے قطع نظر) خود ہمارے قلوب میں بھی انبساط کی ایک لہر دوڑ جاتی ہو، کسی کو خوف کی حالت میں دیکھ کر خشک ہونے کا زہر چہرہ پر نکلی ہوئی آنکھیں دیکھنے کے بعد ہم میں بھی خوف کی ایک لرزش غبی پیدا ہوتی، غرض کہ کسی جذبہ کے خارجی مظاہرات دیکھ کر ہم میں بھی اوس قسم کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں، بالٹسکوپ میں بھی اس خاصہ سے بہت کام لیا جاتا ہے، خط وخال، اور چہروں کی کیفیت کا اظہار اگرچہ تصویر میں بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن

اون کا تفسیر نہیں دکھایا جاسکتا، بالٹسکوپ میں جس کا میابی کے ساتھ یہ باتیں دکھائی جاتی ہیں، وہ ناولوں کے متعدد صفحات سے بھی ممکن نہیں، حرکات و سکنات بھی بالٹسکوپ میں خوب دکھائے جاسکتے ہیں، اور چونکہ یہ چیزیں (چہرے کا تغیر، حرکات سکنات وغیرہ) دیکھنے سے متعلق ہیں، اور معرض تحریر میں پوری طور سے نہیں لائی جاسکتیں، بالٹسکوپ میں انہیں دکھا کر جذبات کو اچھی طرح نشہ دی جاسکتی ہے،

توالی و تواتر واقعات، تغیر خط و خال، ایکٹروں کے خیالات کا تصویر و ن اظہار حرکات سکنات، ان سب باتوں نے مل جل کر بالٹسکوپ کو ترغیب کا ایک کامیاب آلہ بنا دیا ہے، اور اسکی

کامیابی کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ بقول ایک انگریزی اخبار کے اڈیٹر کے (FOUR YEARS) -

”STOY IN GERMANY“ - چار سال قیام جرمنی کے فلم نے انگلستان کی آبادی کے ۲۰ حصہ کو جنگ کے اسباب سے مطلع کیا اور جرمنی کی بھیمیت، اور وعدہ خلافی دکھا کر اس کے خلات شدید نفرت کے جذبات پیدا کیے، ”ہندوستان میں ابھی تک بالٹسکوپ سے تبلیغ و اشاعت کا کام نہیں لیا جاتا، لیکن یہ صرف وقت کا سوال ہے، اور وہ وقت دو نہیں ہو جب یہاں بھی سیاسی تحریکات کی تائید میں اور معاشرتی اصلاح کے لیے بالٹسکوپ کا استعمال شروع ہو جائے گا،

ابتک ہم ان خصائص سے بحث کرتے رہے جنہوں نے بالٹسکوپ کی ترغیبات کو کامیاب کر دیا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس طریقہ ترغیب میں خامیاں نہیں ہیں، بالٹسکوپ کی ترغیب متعدد اسقام رکھتی ہے، اور اس کی کامیابی کا انحصار انہیں خرابیوں پر ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ بالٹسکوپ کی ترغیب تمام و کمال جتنی ہے، نظریں پر وہ پرچی جتنی ہیں، مختلف قصا ویر دیکھ کر، جذبات کو فوری تحریک تو ضرور ہوتی ہے، لیکن ناظرین کے قوائے عقلیہ تعطل کی حالت میں رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بالٹسکوپ کا اثر جھٹلا اور کم عقلوں پر بہت ہوتا ہے، جو محض محسوسات سے متاثر ہوتے ہیں، اگرچہ جاہل لوگوں کو واقعت کرانے کا بہترین ذریعہ بالٹسکوپ ہی ہے، لیکن نفسیاتی نقطہ نگاہ سے دیکھو، تو یہ طریقہ ترغیب ناگزیر

حقیقی ترغیبات اور نہیں کہتے، جن میں تو اے عقلیہ کو مجہول کر کے مقصد برآری کی جائے، بلکہ اُس میں نفس کے مختلف مظاہرات، استدلال، تخیل، تاثر، ارادت وغیرہ کا آزادانہ عمل بھی ہونا چاہیئے۔

دوسرا عیب بالاسکوپ کا یہ ہے کہ اوس میں واقعات کا اظہار بے ربط، مبالغہ آمیز، اور سنسنی خیز ہوتا ہے، جن فلموں کا مقصد لوگوں کو برہوتی ایسی خیال کا موید بنانا ہوتا ہے، اوس میں واقعات کی ترتیب اور ان کے باہمی ربط کی پروا نہیں کی جاتی، تصویروں کے انتخاب اور واقعات کے احضار میں صرف یہ خیال پیش نظر ہوتا ہے کہ یہ جذبات کو مشتعل کر سکتے ہیں یا نہیں، ظاہر ہے کہ یہ سب ترغیب باطل کے خصائص ہیں، جائز ترغیب کا طریقہ دوسرا ہوتا ہے، واقعات کی ترتیب، ان کا بتدریج اور بے مبالغہ ناظرین کے سامنے پیش کرنا، موافق اور مخالف دونوں رخوں کو دکھلانا، حرکات و سکنات کا باقاعدہ استعمال یہ سب باتیں جائز ترغیب کے لوازمات ہیں، نہ یہ کہ واقعات کا ہجوم، مبالغہ، اور سرعت کے ساتھ آنکھوں کے سامنے لایا جاتا ہے، تاکہ عقل سے کام لینے کا موقع ہی نہ رہے!

اگر یہ مختلف عیوب نہ بھی ہوتے، تب بھی بالاسکوپ کی ترغیبات کو ناجائز قرار دینے کے لئے صرف یہی کافی تھا کہ اوس میں میکائی مسائل سے کام لیا جاتا ہے، اس ترکیب سے جو کچھ واقعات پیش کیے جاتے ہیں وہ عاقل افراد پر زیادہ اثر نہیں کرتے، اور جو کچھ اثر ہوتا ہے تو وہ بھی عارضی تھیمز کے ذریعہ سے جو جذبات ناظرین کے سامنے ظاہر کیے جاتے ہیں، وہ باوجود اس کے کہ اوس میں انسان کام کرتے اور چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، پھر بھی حقیقی نہیں بلکہ مصنوعی خیال کیے جاتے ہیں، پھر بالاسکوپ کی ترغیب جس میں تصادیر کام کرتی ہیں اور یہ تصادیر بھی شین کے ذریعہ سے متحرک کی جاتی ہیں کیسے حقیقی ہو سکتی ہے،

باب ششم ترغیب لفظی

مکالمہ، بیع، اشتہارات، اخبارات کے ذریعہ ترغیب، ہر ایک
کے ضمنی مباحث، اور اسکے متعلق عملی ہدایات

ترغیب لفظی کے ذیل میں تحریری اور تقریری دونوں قسم کی ترغیبات داخل ہیں، سچ پوچھو تو
مدعاے ترغیب دونوں صورتوں میں دی ہی ہے لیکن پھر بھی ان کے اجزائے ترکیبی میں کسی قدر اختلاف ہوتا ہے
مثلاً ترغیب تحریری میں ذہنی عنصر کسی قدر زیادہ ہوتا ہے اور غیر عقلی عناصر کی صل اندازی کا کم احتمال ہوتا ہے
برخلاف اس کے ترغیب تقریری میں مقرر کی شخصیت کا اثر بھی سامعین پر ہوتا ہے، اور پھر اس کے پاس
اپنی ترغیب کو پرزور اور کامیاب بنانے کے اور وسائل بھی موجود ہیں، مثلاً حرکات و سکنات کا استعمال
اشارات، وغیرہ جو ظاہر ہے کہ ترغیب تحریری میں ممکن نہیں، ان دونوں اقسام میں سے، چونکہ ترغیب تقریری
میں مختلف عناصر ترغیب کے کرشمے بدرجہ اولیٰ نظر آتے ہیں، لہذا اسی کو اظہار خیال اور ترغیب کا
عام ترین اور مناسب ذریعہ کہا جاسکتا ہے، اس باب میں ان دونوں قسموں کے بعض ذیلی اصناف
سے بحث کی جائے گی، جو فی الحقیقت ترغیب کے ذیل میں آتی ہے، لیکن ان کو ترغیب کوئی نہیں کہتا مثلاً
ترغیب تقریری کے اصناف مکالمہ اور بیع کے وقت بائع کی مشتری سے گفتگو، اور ترغیب تحریری کے

اصناف :- اشتہارات، اور اخبارات کی ترغیب،

مکالمہ یا عام گفتگو، گفتگو یا مکالمہ کے متعلق، خواہ وہ کسی قسم کی کیون نہ ہو، عام طور پر

یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں عناصر ترغیب ضرور پائے جاتے ہیں، خواہ دل بہلانے یا وقت کاٹنے کے

لئے گفتگو کی جائے، یا دوسروں کو نوحہ یا ایذا پہنچانا مقصود ہو، تم کو یہی نظر آئے گا کہ مکالمین ایک دوسرے

کو کسی نہ کسی قسم کی ترغیب ضرور دے رہے ہیں، اور ایک دوسرے کی شخصیت سے متاثر ہو رہے ہیں

مذکورہ بالا مواقع کے علاوہ، جہاں گفتگو سے محض واسطہ ترغیب کا کام لیا جاتا ہے، ایسی گفتگو بھی

ہوتی جو جس کا مقصد یہی ہو کہ دوسروں کی رائے، یا ان کے افعال کو متاثر کیا جائے، عسلی

معاشرتی، سیاسی، معاشرتی، اخلاقی، مذہبی، فاضلہ ان جملہ مباحث پر جو گفتگو کی جاتی ہے اس کا

مقصد براہ راست ترغیب دینا ہوتا ہے، گفتگو کا مدعا کچھ ہی کیون نہ ہو، اس کی ترغیب کا کامیاب

ہونا گفتگو کرنے والے میں کچھ ذاتی صفات چاہتا ہے، اس کے مزاج عام افتاء طبیعت، خصلت، ان

سب باتوں کا ترغیب کی کامیابی یا ناکامی میں بہت کچھ دخل ہے،

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی گفتگو ہمیشہ کامیاب طور پر ختم ہوتی ہے، دوسروں کو

اپنا خیال بنانے اور اپنی مرضی کے مطابق کام کرانے کا انھیں خاص ملکہ ہوتا ہے، لازمی نہیں ہر

یہ لوگ جادویمان مقرر بھی ہوں، خطابیات کے طریقے چاہے یہ نہ جانتے ہوں، لیکن معمولی کاروبار زندگی

میں یہ لوگ ہمیشہ اپنی بات دوسروں سے منوالیتے ہیں، اس گروہ کے برخلاف کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں

جن کی گفتگو کسی کو مرغوب نہیں ہوتی، ذرا ذرا سے شبہات رنج کرنے میں، خفیف سے خفیف بات منوالے

میں انھیں گھنٹوں لگ جاتے ہیں، اور پھر بھی ان کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، اور باتوں کے علاوہ

(مثلاً قوت استدلال، نفوذ ذاتی وغیرہ) پہلے گروہ کی کامیابی کا سبب بڑا راز یہ ہے کہ وہ عام فطرت

انسانی سے واقف ہوتے ہیں، اس کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں، دیگر معاملات دنیوی کی طرح گفتار

میں بھی داد و ستد کے اصول پر کار بند رہتے ہیں،

ترغیب جائز کی طرح خوش گفتاری بھی اوس وقت حاصل ہوتی ہے، جب فطرت انسانی

کی محبت، ہمدردی، اور دوسروں کی شخصیت کے متعلق عظمت اور توقیر کے نقوش ہمارے دلوں پر گہرے بیٹھے ہوئے ہوں، یا دہے کہ ان چیزوں میں سبالغہ سے کام لینا اتنا ہی مفسر ہے جتنا کہ اون کا قطعاً لحاظ نہ رکھنا، ہمدردی سے یہ مراد نہیں ہو کہ مسائل متنازعہ فیہ میں دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اپنی رائے بھی بدل دی جائے، اور اون کے خیال کو صحیح مان لیا جائے، جو لوگ ایسا کریں اون کو غلطی، نہ سمجھنا چاہیئے، بلکہ اون کی ان خیالی کو معتقدات کی کمزوری، اور دلائل کی سطحیت پر محمول کرنا چاہیئے، اہم اور سنجیدہ مضامین پر جو گفتگو ہوتی ہو، اوس میں ہمیشہ ذاتی تین، اعتماد، اور وثوق کے ساتھ رائے دینا چاہیئے، لیکن ان باتوں میں بھی خیر الامور اور سلطما کے زریں اصول پر کار بند رہنا چاہیئے، وثوق جب اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے، تو تنگ نظری کا باعث ہوتا ہے اور اس کو تعصب کا نام دیا جاتا ہے، اپنی اصابت رائے پر بھروسہ رکھ کر، دوسروں کی کسی بات کو نہ ماننا یا اون سے ابھڑنا مکالمہ کے محاسن نہیں کئے جاسکتے، دوسروں کے خیالات، طبیعت، اور تاثرات کا حتی الوسع لحاظ رکھنا چاہیئے، سہولت اور نرمی کے ساتھ اپنے منشاء، انی الضمیر کا ادب پر اظہار، اور انکی رائے کی بجا تنقید کرنی چاہیئے، جو لوگ ان باتوں پر عمل نہیں کرتے، اور باہمی مکالمہ کا آغاز صحت دلی کی بجائے سونہن، تعصب، یا کبیدہ خاطر ہی سے کرتے ہیں، ایسی صحبتوں میں اول تو گفتگو کا جاری رہنا ہی محالات سے ہو، اور اگر ہو بھی تو محض رسماً اور وضع کی پابندی کے لحاظ سے ہوگا، حقیقی لطف گفتگو معقود ہوگا، خوش گفتاری کے لیے صدق نیت ایک دوسرے کا پاس و لحاظ، وحدت مساعی کا ہونا لازمی ہے،

اب روزمرہ کی مکالمہ کو اس کسوٹی پر کسو، تم کو اوس میں بیشتر ان صفات کا فقدان

نظر آئے گا، اور بجائے ان کے وہ جملہ خصائص دکھائی دینگے، جو ترغیب باطل کی ذیل میں چھپ چکے ہیں

دوسروں کی شخصیت سے بے اعتنائی، قول و عمل کا تخالف، دل آزاری، طعن و تشنیع، یہ اور ایسی قسم کے دوسرے خصائص اکثر گفتگو میں بھی نظر آئینگے، یہ سب باتیں جتنی قاطع محبت اور غیر معاشرتی ہین وہ ظاہر ہی ہے، اصلیت یہ ہے کہ اس قسم کی گفتگو غیر شعوری تحریکات کی وجہ سے ہوتی ہے اور غیر شعوری تحریکات کے جو نتیجے خصائص ہوتے ہیں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے،

ہم نے قصداً مکالمہ کے ذیل میں استدلال کے کوششے، تحلیل کی پرداز اور جذبات کی ہنگامہ آرائیوں سے بحث نہیں کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں سے ترغیب تحریری و تقریری میں جو مدولی جاتی ہے، اس سے ہم پہلے ابواب میں بحث کر چکے ہیں، گفتگو کو کامیاب بنانے کے لئے عام ہدایات دی جا چکی ہیں، جن پر کا بندر ہر شخص کے لئے اپنی قوت مکالمہ کے ذریعہ دوسروں کو ترغیب دینا ممکن ہو سکتی ہے، ذیل کے معنی خیز جملوں سے گفتگو کے ضروری خواص سب کچھ جامع طور پر ظاہر ہو گئے،
بیچ، بائے کی گفتگو، معمولی مکالمہ کے علاوہ، گفتگو کی ایک اور قسم بھی ہے جس میں کبھی نہ کبھی برز و جھگڑا، پیچیدہ ہو جاتا ہے، ہماری مراد اس گفتگو سے ہے جو خرید و فروخت کے وقت بائے، اور مشتری میں ہوتی ہے، ایسے موقعوں پر بائے کی حیثیت ترغیب دہندہ کی ہوتی ہے، موجودہ زمانہ میں دوکانداری کو بھی معمولی حیثیت سے بند کر کے، ایک فن کے درجہ تک پہنچا دیا گیا ہے، اور مختلف ممالک، بالخصوص امریکہ میں خالص اس موضوع پر کہ بائے کو خریداروں کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیئے، متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں،

اس سے تو شاید کسی کو انکار نہ ہو کہ بحیثیت ترغیب دہندہ کے بیچارے دوکاندار کی حیثیت بہت کچھ نازک ہوتی ہے، صرت یہی نہیں کہ اسے مختلف مزاج اور طبائع کے خریداروں سے سابقہ پڑتا ہو، بلکہ ہر خریدار اس کی طرف سے یہ سوچنے لگے ہوئے دوکان میں داخل ہوتا ہے کہ ”اس کی نیت مجھ سے زیادہ سے زیادہ وصول کرنے کی ہے،“ اس سوچنے کی روشنی میں دوکاندار کا ہر نعل شبہ نظر آتا ہے،

اگر وہ اخلاق سے پیش آئے، تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ خوشامد سے کام لے رہا ہے، اگر وہ استقلال کیساتھ قیمت بتائے، اور اپنے رویہ سے اس کا اظہار کرے کہ خریدار کے چیز خریدنے یا نہ خریدنے سے اس کا کوئی فائدہ یا نقصان نہیں ہے، تو اس صورت میں اسے کچھ خلقی سے تعبیر کیا جاتا ہے، انصاف سے دیکھو خریدار کا یہ رویہ سراسر غیر مستحسن ہے، انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ دوکانداروں... کا مقصد صرف جیب منفعت ہی نہیں ہوتا، انکو ان حقوق کا لحاظ رکھنا ہوتا ہے جو ان پر بالغ کے انسان ہونے کی حیثیت سے ہیں۔

دوکانداروں کے لئے سب سے زیادہ ضروری صفات، مشاہدہ کی تیزی، اور قیامت شکنی
 کا حکم میں، انہیں ایک نظر میں پہچان لینا چاہیے کہ کونسا خریدار کس مزاج کا ہوگا، اور اُسی کے حسبِ حال اس کے ساتھ پیش آنا چاہیے، ان کی اپیل زیادہ تر انفرادی ہوتی ہے، ان کی ترغیب کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ خریداروں کی ضروریات کا اندازہ لگا کر، اگر ان ضروریات کا احساس ان کے دماغ میں خفیف اور مبہم ہو تو اس میں وضاحت اور یقین پیدا کر دیں تاکہ ان میں خریدنے کا میلان پیدا ہو جائے، دوکانداری سے قطع نظر، اگر غور سے دیکھا جائے، تو انفرادی طور پر لوگوں کی طرف متوجہ ہونا، اختلافات طبائع کا لحاظ کرتے ہوئے ترغیب دینا، ہر کامیاب ترغیب کے لئے ضروری ہے، اکثر زعمانی تقریریں زیادہ تر اسی وجہ سے ناکام رہتی ہیں بحیثیت مجموعی ان میں اثر ضرور ہوتا ہے، لیکن سامعین انفرادی طور پر اور خصوصیت کے ساتھ اس کا اثر محسوس نہیں کرتے وکلا اور بیرسٹراس راز سے آشنا ہوتے ہیں، اور بحث کرتے وقت ان کا تاثر مدعا سب سے زیادہ شدید مخالف کو رام کرنا ہوتا ہے، موسیٰ بنی بان نے اپنی کتاب نفسیات جماعات میں لکھا کہ قلعہ لکھا ہے، سب اراکین جو ری اس کے تخیال ہو چکے تھے، اور اب اس کی فصاحت کے جیلے صرف ایک شخص پر تھے، یکایک دوران تقریر میں رک کر اس نے جج سے کہا، ”براہ کرم چپراسی کو حکم دیجیے کہ چک ڈالے، فلان جیوری صاحب کے چہرہ پر دمویپ آ رہی ہے، جس سے اوکو تکلیف ہو رہی ہے“ یہ الفاظ اس شخص کی تسخیر کے لئے کافی تھے، اور بالآخر لاشاؤ کو کامیابی ہوئی، ایک مشہور

دیکس مسٹر ملک اپنی کتاب خطبات قانونی، میں لکھتے ہیں، سب سے پہلے اُس رکن کو رام کر دو، جو سب سے زیادہ ذہین ہو، اور مقدمہ میں زیادہ دلچسپی لیتا ہو، لیکن بقیہ گیارہ ارکین کی طرف سے بھی قطعاً بے پروا نہ ہو جاؤ، ورنہ ان کے احساسات کو ٹھیس لگے گی، اور وہ یخبین گئے تم ان کا عدم وجود برابر جانے ہو اور ممکن ہے کہ ان کی رائے تعارضی رائے کے خلاف ہو جائے، اس ہدایت کو دو کا مدار ان پر منطبق کر کے دیکھو تو ان کا سب سے پہلا فرض یہ نظر آتا ہے کہ مشتری کو خوش رکھیں، یعنی قوت تیز، اور فیصلہ سے کام لیکر خریدار کی شخصیت اور ضرورت کے حسب حال الفاظ استعمال کئے جائیں، ساتھ ہی اسکا بھی لحاظ رہے کہ مشتری قبل از قبل بائع کی طرف سے بدگمان ہو کر دوکان میں داخل ہوتا ہے، اس لئے اس کی رائے سے تعارض کرنا، یا تو وضع و خوش خلقی میں انتہائی مبالغہ سے کام لینا، خریدار میں ایک طرح کی ہمد پیدا کر دے گا، جو ظاہر ہے کہ بائع کیلئے مفید نہیں ہو سکتی،

اشتہارات، عام طور پر ہر ملک کے معاشی ارتقاء کے تین مدارج تسلیم کیے گئے ہیں سب سے پہلا درجہ وہ ہوتا ہے جب کسی گاؤں کے لوگ انفرادی طور پر اپنی ضروریات کے پورا کرنے میں مشغول نظر آتے ہیں، اس حالت میں تجارت کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اشیاء کی قدر معاشی کا تعین بجائے وہیون کی تعداد کے مقدار اشیائے متبادلہ سے ہوتا ہے، اول خوش بعدہ درویش، معاشی بد و جہد کا اصول قرار دیا جاتا ہے، ہر شخص جو کچھ پیدا کرتا ہے، اس کا مقصد اول خود اپنی ضروریات کی کفالت ہوتا ہے، اور جو کچھ بچ رہتا ہے وہ دوسروں کو دے کر ان سے دوسری احتیاجات پوری ہوتی ہیں اس دور اول کے بعد جسے ہم بجا طور پر خود کفالت، کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں، دوسرا دور شروع ہوتا ہے، اس دور کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ دوسروں کی ضروریات میاں قرار دی جاتی ہیں، نجار، زرگر، پارچہ بان، غرض کہ تمام صنائع اور دست دراز افراد جو کچھ پیدا کرتے ہیں وہ دوسرے بازاروں کے لئے پیدا کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس حالت میں کاروبار

اور خرید و فروخت کا صحیح معنوں میں آغاز ہوتا ہے، فلاں مقام پر کس چیز کی ضرورت ہے؟ فلاں تہوار کے موقع پر کس قسم کے لوگوں کا مجمع ہوتا ہے؟ آج کل کا فیشن کیا ہے؟ یہ سوالات ہیں جن کا سہارا ضروری ہوتا ہے، اس کے بعد جو دور آتا ہے اور جسے معاشیات میں فیکٹری کے درجہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اُس میں پیدائش اشیاء بہت بڑے پیمانہ پر عمل میں آتی ہے دوسرے ملک بھی حلقہ تجارت میں داخل ہو جاتے ہیں، اور اس طرح سے بائع اور مشتری ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں، یہی وہ حالت ہے جہاں اشتہارات کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے، اور پڑانے لوگوں کے خیال کے باطل خلاف تجارت میں رٹوئے دلآرام کے لئے، مشاطہ کی ضرورت تکلف کی حد سے گزر کر بوازاں کمزور ہونے لگتی ہے۔

دوبد خرید و فروخت میں جو کام بائع کی چرب زبانی کرتی ہے بالکل وہی غرض اشتہارات کی بھی ہوتی ہے، انکا منشا یہی ہوتا ہے کہ خریداروں کے سامنے عام ضرورت کی اشیاء کا ایسے الفاظ میں کر کیا جائے کہ ان کی خواہشات کو تحریک ہو یہی چیز ہے جو اشتہارات کو بھی دوسرے محرکات ترغیب کی صف میں لاکر کھڑا کرتی ہے اور اسی حیثیت سے ان کی نفسیاتی خصوصیات پر غور کیا جاسکتا ہے، یوں تو ہر شخص جب کسی دکان میں داخل ہوتا ہے، تو کوئی نہ کوئی خواہش لئے ہوئے جاتا ہے، لیکن بسا اوقات یہ خواہش مبہوم ہوتی ہے، اس صورت میں دوکاندار کی چرب زبانی اور لسانی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اسے پرزور بنا دیا جائے، اسی طرح اشتہارات کا مقصد بھی اسی خواہش کو بیدار کر کے اسے قوی تر بنانا ہوتا ہے، اس قسم کے اشتہارات جلب منفعت کے لئے دیئے جاتے ہیں، ترغیب تحریری کی دوسری اصناف کی طرح اشتہارات کی ترغیب بھی منظم و ترتیب لئے ہوئے ہوتی ہے، جذبات کو مشتعل کرنا، متخیلہ کی ریشہ دوایان استدلال کی تائید، یہ سب باتیں ادنیٰ پیمانہ پر، لیکن بدلی ہوئی نوعیت کے ساتھ اشتہارات میں بھی نظر آتی ہیں، الفاظ کے ساتھ ساتھ تصاویر سے بھی مدد لی جاتی ہے، اور اس طرح سے توضیح و تشریح کے ساتھ ساتھ تفریح بھی ہو جاتی ہے،

یوں تو اشتہارات کا مدعا اکثر و بیشتر یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کو خرید و فروخت کی ترغیب دے جائے لیکن زمانہ موجودہ میں اذکارِ حلقہ اثر وسیع ہوتے ہوئے سیاست، اور حتیٰ کہ (انجلیستان میں) مذہب پر بھی حاوی ہو گیا ہے، تبلیغ و اشاعت کا کام انہی کے ذریعہ سے لیا جاتا ہے قومی و سیاسی مباحثِ عموم کو روشناس کرانے کے لیے، اور ان کی تائید حاصل کرنے کے لیے بھی اسی واسطہ کو کام میں لایا جاتا ہے، میونسپلٹی اور کونسلوں کے انتخابات، ترک موالات، فراہمی زر، اعانت سواراج اور ایسے بہت سے سیاسی اور معاشرتی مسائل پر متعدد اشتہارات نظر سے گزرتے ہیں، خود حکومت بھی تبلیغ و اشاعت کے مستقل محکمے قائم کرتی ہے، مجروحین کی امداد، فوجی بھرتی وغیرہ کے متعلق سرکاری دارالاشاعتوں سے اشتہارات شائع ہوتے رہتے ہیں، اور ہر شخص جانتا ہے کہ اس قسم کے اشتہارات کی کامیابی بحیثیت محرکات ترغیب بہت کچھ ہے،

اشتہارات کے خصائص سے ناظرین کو روشناس کرانے کے لیے، اور ان کے اساسی اصول نفسیہ سے واقف کرنے کے لیے ذیل کی مثال بہت کچھ مفید ہوگی، یہ اشتہار زمانہ جنگ میں برطانوی فوجی راتِ خدمت قومی کی طرف سے شائع کیا گیا تھا،

”وٹمن کی نیت تعین قانون مارنے کی ہے، اوس کی کوششوں کو غارت کر دو، برضا و رغبت

قومی خدمت کے لیے خود کو وقف کرو وہ برطانیہ کو ہر حال میں جلد از جلد دوسرنگی

مدد سے بے نیاز ہو جانا چاہئے، جنگ کے قابل افراد کو سبک دہ کر کے جلد درجہ صلح حاصل کرنے

میں مددو، آج ہی اپنا نام لکھاؤ، ابھی ابھی جا کر نزدیک ترین ڈاکخانہ یا دفتر خدمت قومی سے

رضا کارانہ خدمت کا تمہارے آؤ اور اوس پر ابھی ابھی دستخط کرو“

ہر عمل ترغیب کا آغاز کسی نہ کسی خواہش یا عقیدہ سے ہوتا ہے باوجود ترغیب دہندہ کے وہ

میں قبل از قبل موجود رہتا ہے، مذکورہ بالا اشتہار میں بھی اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اشتہار کی ترغیب

جس خواہش سے شروع ہوئی، وہ یہ ہے کہ قومی خدمت کے لیے رضا کاروں کی کثیر ترین تعداد جلد از جلد فراہم کی جائے،

مشترکہ خواہش تو معلوم ہو گئی، اب آؤ یہ دیکھیں کہ یہ خواہش اس کے دماغ میں کیوں پیدا ہوئی؟ لازم ہے کہ اس سے کسی جذبہ یا فطری رجحان کی تشفی ہو، ورنہ اس کا وجود ہی نہ ہوتا، وہ کون سے جذبات ہیں جو مشترکے دل میں پیدا ہوئے، اور جن کو وہ بذریعہ اشتہار و وسوسہ میں بھی پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ ان کی تحریک سے لوگ اس کے حسب انتشار عمل کریں، میثانت حیات کا جذبہ ہر شخص کے دل میں نظرۃً موجود ہوتا ہے، اس کو اشتعال دینے کے لیے یہ کہا گیا کہ دشمن کی نیت میں فاقون مارنے کی ہے، یعنی وہ ذرائع ہمہ رسانی خوراک کو مسدود کر دینا چاہتا ہے، جذبہ حب الوطنی کو تحریک دینے کے لیے یہ کہا گیا کہ برطانیہ کو جلد از جلد وسوسہ کی مدد سے بے نیاز ہونا چاہیے، یہ کہہ کر کہ دشمن کا حملہ وسائل ہمہ رسانی خوراک پر ہے، لوگوں کے دل میں غصہ و غضب کے جذبات برانگیز کیے گئے، ان سب جذبات کی ملی جلی طاقت نے مشترکہ دلیمن یہ خواہش پیدا کی کہ فوج بھرتی کی جائے، اور چونکہ اس کا خیال تھا کہ اگر یہی جذبات لوگوں کے دل میں بھی پیدا کر دیے جائیں گے تو وہ اس کے حسب خواہش عمل کریں گے، اس لیے اشتہار کی وساطت سے یہی جذبات ان کے دل میں پیدا کرنے کی کوشش کی گئی،

ان جذباتی عناصر کے علاوہ، اگر اس اشتہار کو بغور دیکھا جائے تو عنصر ذہنی بھی مختصر اور عام فہم دلائل کی شکل میں نظر آتا ہے، لوگوں کے سامنے یہ کلیہ پیش کیا گیا کہ فوج میں بھرتی ہونے والے اپنی حب الوطنی کا ثبوت دینگے، اور وہ اس طرح سے کہ فاقون کی مصیبتوں کو دور کرنا، دشمن کو شکست دینا، برطانیہ کو بیرونی امداد کی طرف سے بے نیاز کر دینا، یہ بھرتی ہونے والوں کا فرض ہوگا اور یہ سب وطن خواہی اور خدمت قومی کی بین مثالیں ہیں، مزید دلیل یہ پیش کی گئی کہ ان کی اعانت اور شرکت عمل سے جنگ بھی جلد از جلد ختم ہو سکے گی کیونکہ دولت برطانیہ اپنے قہادی غلبہ کی بدولت دشمن کو صلح پر مجبور کر سکے گی،

جذبی اور ذہنی اپیل سے قطع نظر، اور ترکیبِ عبارت اور ترمیمِ الفاظ پر بھی غور کرو، طرزِ بیان کتنا پُر زور ہے، موقع کی اہمیت، اور تعمیل کی ضرورت ظاہر کرنے کے لیے علی قلم سے کام لیا گیا، مشتر نے کمالِ نظر و شناسائی کی بنا پر کہیں بھی لفظ جرمن یا جرمنی استعمال نہیں کیا، اس لیے کہ دشمن کے ”بند“ لفظ سے خطرہ کا احساس زیادہ عام ہو جاتا ہے، ضرورت کی شدت ظاہر کرنے کے لیے تمام عبارت امر میں لکھی گئی، ہر پڑھنے والے کو یہ احساس دلانے کے لیے کہ مشتر کا روئے سخن اسی کی جانب ہی عبارت میں جمع مخاطب ”تم“ استعمال کیا گیا، اور واحد یا جمع غائب کا استعمال (مثلاً لوگوں کو چاہیئے، یا ناظرین کو چاہیئے الخ...) نہیں کیا گیا، قومی مبلغین کے لیے اس آخری اصول پر کاربند رہنا از بس ضروری ہو بغیر اس کے، ترغیب کی کامیابی دشوار ہے، مثلاً ترک موالات ہی کی تحریک کو لو، اگر کوئی مبلغ بدیشی صنائے کے استعمال کی ترغیب کسی جمع کو دے رہا ہو، تو اس کو چاہیئے کہ اپنا منشور افانی الفیغیر کو ایسے الفاظ میں پیش کرے کہ مزید، عمر، کمزور سب اپنی اپنی جگہ پر اس کے خیالات سے متاثر ہوں، اور محسوس کریں کہ اس کی اپیل انہیں سے ہے،

جن جن اصولوں کا ابھی ابھی ذکر کیا گیا، عام تجارتی اشتہارات بھی انہی پر منحصر ہوتے ہیں، اگرچہ قومی کی بجائے انفرادی ہوتے ہیں، اور انکا اصل مقصد جلبِ منفعت ہوتا ہے، اور امر سے انہیں بھی اکثر کام لیا جاتا ہے، دلائل البتہ بہت کم ہوتے ہیں، اور ان کی چند ان ضرورت بھی نہیں ہوتی ایسے کہ زیادہ تر تجارتی اشتہارات خورد و نوش، صحت و تفریح، لباس، مکان وغیرہ کے متعلق ہوتے ہیں، اور یہ خواہشات ہر شخص میں فطری طور پر اتنی قوی ہوتی ہیں کہ مزید دلائل کے ذریعہ تقویت پہنچانکی ضرورت نہیں ہوتی، اس لیے صداقت ناموں اور اسناد پر اکتفا کی جاتی ہے، کبھی کبھی کسی سربراہ کو شخص سے انتساب کر کے ہرولنریزی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مثلاً ”گاندھی اسٹور“ یا ”سرپرستی ماؤق الملک“ وغیرہ، دیل کے بجائے دعووں سے البتہ کام لیا جاتا ہے، مثلاً شدتِ فوق کے ساتھ اپنی مشترہ اشیاء کو بہترین بتایا جاتا ہے،

عوام الناس جب بہرہ راس قسم کے دعویٰ کو سنتے ہیں، تو کسی قدر ان سے متاثر ہوتے ہیں اور اس طرح ان چیزوں کی خرید کی اوجھیں ترغیب ہوتی ہے، لوگوں میں فرحت پیدا کرنے اور اذکی توجہ مائل کرنے کے لیے مختلف ترکیبیں کی جاتی ہیں کبھی کبھی مضحکہ خیز تصاویر سے بھی کام لیا جاتا ہے، اسم صفت کا استعمال نہایت فراخ دلی سے ہوتا ہے، ”بہترین“، ”ارزان ترین“، ”نہایت پاکدار“ ایسی ہی دوسری مثالیں ہیں۔

تمام اشتہارات کی مشترکہ صفت، ان میں کسی نہ کسی جدت کی موجودگی ہے، خواہ یہ جدت کسی تصویر کے استعمال سے پیدا ہوئی ہو، یا عنوانِ اشتہار، یا نفسِ اشتہار سے پیدا ہوئی ہو، اب سوال یہ ہے کہ ترکیبِ اشتہار میں جو جدت طرائد ان کی جاتی ہیں وہ بامعنی، اور اشیائے مشترکہ کے حسبِ حال ہونی چاہئیں یا بے سرو پا جن کا کہ نفسِ اشتہار سے کوئی تعلق ہی نہ ہو، زیادہ تر اشتہارات جو اپنی نظر سے گزرتے ہیں، وہ اسی مؤخر الذکر قسم کے ہوتے ہیں، تصاویر اگر دیجاتی ہیں تو وہ ایسی کہ ان میں اور اشیاءِ مشترکہ میں فی نفسہ کوئی مناسبت ہی نہیں ہوتی، عبارت کی دلچسپی کا بھی یہی حال ہے، عنوانات ایسے مضحکہ خیز لکھے جاتے ہیں جو غالباً توجہ تو بیشک ہوتے ہیں لیکن نفسِ اشتہار سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، بدقسمتی سے یہ سب عیب ہمارے ہندوستانی اشتہارات میں بدرجہ اولیٰ نظر آتے ہیں چند مثالیں درج ذیل ہیں،

(۱) ایک صاحبِ امراضِ خفیہ کی دواؤں کا اشتہار دیا کرتے ہیں عنوان میں لکھا ہوتا ہے،

”مرا دآباد میں مردہ زندہ ہو گیا“

نفسِ مضمون کو پڑھو تو عنوان سے کوئی تعلق نہیں رکھتا،

(۲) ایک صاحبِ ناظرین کی توجہ مبذول کرانے کے لیے عنوان میں لکھتے ہیں،

”آپ کو خدا کی قسم مجھے ضرور پڑھئے“

(۳) ایک صاحب سرمہ کا اشتہار دیتے ہیں، عنوان میں یہ فقرہ ہوتا ہے:-

”آکھیں کھل گئیں جب چاند نظر آیا“

غالباً یہ تین اشتہارات، ہندوستانی اشتہار بازوں کی فنِ اشتہار بازی کی طرف سے لاطینی کا

کافی ثبوت ہیں، اخبارات کے کالموں سے ایسے متعدد اشتہارات جمع کیے جاسکتے ہیں،

مذکورہ بالا اشتہارات، اس میں شک نہیں کہ پڑھنے والوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتے

ہیں، اور ان کی سُرخیان پڑھکر ایک طرح کا خوشگوار، یا تعجب کا اثر ضرور ہوتا ہے، مگر استمار توجہ کی

صلاحیت ان میں نہیں ہوتی، اور متعدد بار شائع ہونا بجائے اس کے کہ ان اشتہاروں کو مقبول

بنائے، برعکس نتیجہ پیدا کرتا ہے، ان عنوانات کے بدلے، اگر ایسے عنوانات قائم کیے جائیں جو نفس

مضمون سے تعلق رکھتے ہیں، ایسی عبارت استعمال کی جائے جو نفسیاتی اعتبار سے ترغیب کے جملہ عناصر

اپنے اندر موجود رکھتی ہو، ایسی تصاویر کا استعمال کیا جائے جو پڑھنے والوں کی ضروریات کو زیادہ واضح

کریں، اور محض زینتِ اشتہار کا منشا نہ ہو، تو کمین زیادہ عملی فوائد حاصل ہونے کی اُمید ہو سکتی ہے

انگریزی، امریکی تجارت کے فروغ کے اسباب تلاش کرو تو جہان اور بہت سے معاشی یا سیاسی اسباب نظر

آئیں گے وہیں فنِ اشتہار بازی کی زیادہ واقفیت بھی ایک بڑا سبب معلوم ہوگا جن لوگوں نے گلیکس

(GLOXO) ایلو لکٹین (Albulactine) اسٹیفن کی روشنائیوں اور لپٹن کی چائے

کے اشتہارات دیکھے ہیں وہ بتلا سکتے ہیں کہ یہ سب کتنے مربوط اور مسلسل ہوتے ہیں، اپنے مختلف محاسن

کے اعتبار سے دوسروں کے جذبات کو کس طرح تحریک دیتے ہیں،

توجہ کو برقرار رکھنے، اور لوگوں کو کامیاب طور پر ترغیب دینے کی بہترین صورت یہ ہو سکتی

ہے کہ معمولی وسائل دلچسپی کے علاوہ اشتہارات کے ذریعہ ان خواہشات اور رجحانات سے اپیل

کی جائے جن کی تشفی اشیائے مشترکہ کر سکتی ہوں، کامیاب مشہورین وہی ہوتے ہیں جو اس گرو کو

سمجھ لیتے ہیں اور اپنے اشتہار کے آغاز میں پہلے تو خواہشات کو اس طرح اگستہ ہیں کہ اشیاء مشہور کی ضرورت واضح ہو جائے اور پھر دوسرے مشہورین کے مقابلہ میں اپنی فوقیت کا اظہار کچھ ایسی خوش سلوکی سے کرتے ہیں کہ ادعائی بیان کے بجائے لوگوں کو وہ حقیقت نظر آتا ہے، مثلاً خضاب کا ایک اشتہار ہے،

”کیا تم پیری میں جوان بننا چاہتے ہو“

یہ دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا کہ جس خواہش کو اس عنوان کے ذریعہ تحریک دی گئی ہے، وہ کل ضعیف العمر حضرات کے قلوب میں موجود ہوتی ہے، پھر بھی کم از کم خضاب استعمال کرنے والا طبقہ اس طرزِ مخاطبت سے متاثر ہوتا ہے، آگے چلکر خضابوں کے مختلف عیوب بتائے جاتے ہیں، مثلاً تیزابیت کا ہونا، یا جلد پر داغ ڈالنا، یا دیر پا نہ ہونا وغیرہ سب سے آخر میں اپنے خضاب کو ان عیوب سے بری بتلا کر دو تین مستند ڈاکٹروں کے صداقت نامے دیئے جاتے ہیں، اس اشتہار کو نفسیاتی اعتبار سے مکمل تو نہیں کہا جاسکتا، اس کا عنوان بہت ممکن ہو کہ اکثر حضرات میں ضد (Contravariance) کا ادھ پیدا کر دے کیونکہ اگر خضاب کے استعمال کا غرض مفید ہی کیون نہ ہو جو عنوان میں ظاہر کیا گیا ہے، تاہم اس خواہش کا شعور غرضی سے کال کر شعور کے سامنے لانا، مخاطب افراد کے فیمینین ایک طرح کی غلط پیدا کر دیتا ہے وہ دراصل کم عمر معلوم ہونا چاہتے ہیں، لیکن یہ بھی نہیں چاہتے کہ کوئی ان کی اس خواہش کو پہچانے اس قسم کے باوجود، اس اشتہار میں کامیاب اشتہارات کے اکثر خصائص نفسی نظر آتے ہیں،

غرض کہ اشتہارات میں کسی فطری خواہش کو تحریک دینا ضروری ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ مختلف فطری خواہشات میں سے ایسی کون سی چیزیں ہیں جن میں سے مشہورین زیادہ مدد لے سکتے ہیں، امریکہ کے ایک مشہور انہرنیسیات ڈاکٹر ایڈورڈک، اسٹرانگ (Edward H. Strong) نے اس بارہ میں متعدد تجربے کیے ہیں، اور ان کی بنا پر چند مفید اصولوں کا استقصال کیا ہے، ایک تجربہ یہ تھا کہ مشیاء خورد و نوش کے متعلق میں مختلف اشتہارات جمع کیے گئے، ان میں ان اشتہارات کی نقلیں پچاس

بی۔ اسے کامیاب اور بی، اسے شعلین کے حوالہ کی گئیں، ان لوگوں کو ہدایت کی گئی کہ ان اشتہارات کو بنو پر نہیں، اور ایک علیحدہ کاغذ پر ان کی ترغیبی قوت کو لکھتے جائیں، یعنی یہ کہ اگر وہ خود ان اشیاء کو خریدیں تو مختلف مشترین میں سے کس سے خرید کریں گے جو اشتہار سب زیادہ ترغیب دیتا ہو اسے نمبر اول پر رکھ کر بقیہ کو علی الترتیب اس کے نیچے درج کرتے جائیں، جب یہ مختلف نتائج تجربہ کنندہ کے حوالہ کیے گئے اور ان کو جانچا گیا تو معلوم ہوا کہ غلبہ آرا جس اشتہار کو سب سے پہلے نمبر پر رکھا گیا وہ جب ذیل تھا،

”ہمارے یہاں خور و نوش کی جملہ اشیاء صاف ستھرے باورچی خانوں میں، پاک و صاف لوگوں کے ہاتھ سے صاف ستھرے برتنوں میں تیار ہوتی ہیں، قانون غیر آمیزش خوراک مورخہ ۱۹۰۶ء کے ماتحت ہماری دوکان کی گارنٹی ہو چکی ہے، ہر سال ہزار ہا افراد ہمارا باورچی خانوں میں آکر بچشم خود چیزوں کو تیار دیکھتے ہیں“

ڈاکٹر صاحب موصوف ان صفات کی ترتیب جن کی بنا پر مذکور بالا اشتہارات کم یا زیادہ مقبول ہوئے، درجہ دار حسب ذیل کرتے ہیں،

(۱) سب سے زیادہ ترجیح پاکی و صفائی کو دیکھی،

(۲) جن اشتہارات نے جلدی صداقت نامے دیئے تھے ان کی مقبولیت دوسرے نمبر پر تھی،

(۳) واللہ اور صحت کی طرف جن اشتہارات نے اشارہ کیا تھا، ان کا نمبر تیسرا رہا،

(۴) چوتھا نمبر ان اشتہارات کا تھا جنہیں کارخانوں کی تداامت اور شہرت کا ذکر تھا، اور جمہوریت

امریکہ کے سابق صدر روزولٹ (ROOSEVELT) کی سفارش اور ارزانی کی طرف اشارہ کیا گیا تھا،

(۵) پانچویں نمبر پر وہ اشتہارات تھے جن میں حسب ذیل، یا انہی معنوں کے دوسرے جملے

درج تھے، ہر جگہ فروخت ہوتی ہیں، ”ملکی تجارت کو فروغ دو“، عظیم الشان کارخانوں میں تیار ہوتی ہیں“ وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے تجربات دیکھ پ ہونے کے علاوہ سبق آموز بھی ہوتے ہیں، اور اگر زیادہ بڑے پائے پر لکھے جائیں تو ان کی بنا پر صحیح نتائج بھی مستنبط ہو سکتے ہیں جو ظاہر ہے کہ تجارتی حیثیت سے بہت کچھ مفید ہوں گے،

لیکن ایسے تجربات کا ایک نقص یہ ہوتا ہے کہ ان کے استقرار میں قیام کا جو ذمہ نہیں ہوتا، ایک محدود حلقہ کے اندر یہ البتہ صحیح ہوتے ہیں مثلاً اسی تجربہ میں دیکھو کہ اگر کسی میں اشتہار رات کسی جامعہ کھلیبے کی بجائے فوج کے سپاہیوں کے حوالہ کیے جاتے تو مختلف صنفات کی تبویب اور ترتیب موجودہ صورت سے ضرور مختلف ہوتی، بہت ممکن ہے کہ صفائی کے بجائے روز و لٹ کی سفارش یا ازرائی کی صفائی ان لوگوں پر زیادہ اثر کرے، تاہم اس قسم کے تجربات سے آنا ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ غالب ذرائع کو کسی خواہشات قوی ترین، اور کوئی کمزور، اور اسی بنا پر اشتہارات کی عمارت تیار کی جاسکتی ہے، دوسری بات جو مذکورہ بالا تجربہ سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہتنا زیادہ ترغیبی پہلو کسی اشتہار میں نمایاں ہوگا، اسی قدر کم اجمال اس کی کامیابی کا ہے، انسانی طبائع کا خاصہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص ہم پر کوئی خاص اثر ڈال رہا ہے تو ان میں ایک طرح کی ضد پیدا ہو جاتی ہے، اور قوت ارادی کی خاص کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس اثر کو قبول نہ کیا جاوے، اسی طرح سے اشتہارات کی ترغیبی پہلی ہی وقت کا سیلاب ہو سکتی ہے، جب یہ ”بند“ پیرایہ میں اور بالواسطہ دی جا رہی ہو، جس اشتہار کو اگر ذرا شہرت ہو تو اس نمبر پر رکھا گیا تھا، اسی میں دیکھو، تو ترغیبی پہلو کمین صاف نہیں نظر آتا، ہندوستانی مشہرین، اس اصول کو بھلائے ہوئے ہیں، اور اکثر اشتہارات ہماری نظر سے ایسے گزرتے ہیں جن میں بعض اوقات تسہن تک دی جاتی ہیں، اور اکیڈمی عبارت مثلاً ”آج ہی آرڈر دیجئے،“ ”ضرور خرید لیے،“ ”دیکھیے دیر نہ کیجئے ورنہ پھر موقع

ہاتھ نہ آئے گا مروج ہوتی ہے،

اشتہار بازی کا ایک جدید اسلوب جو امریکہ اور یورپ کے مشہرین استعمال کر رہے ہیں، بحیثیت
آکر ترغیب بہت کچھ کامیاب ثابت ہوا ہے، اس طریقہ میں نہ تو غیر متعلق اور بے کمی تصویروں سے مدد لی جاتی
ہے، اور نہ کوئی بے معنی عنوان قائم کیا جاتا ہے، ”مضمون“ کی طرح ایک آدھ کالم کی مسلسل عبارت ہوتی ہے
جس میں منشاء اشتہار کے مطابق کوئی عملی، سیاسی، طبی بحث ہوتی ہے، ناظر کو تا وقتیکہ پوری عبارت
نہ پڑھی جائے یہ معلوم کرنا دشوار ہوتا ہے کہ یہ اشتہار ہے یا کوئی بحث، اسی سلسلہ میں عجیب بے ساختگی
کے ساتھ شے مشہرہ کا حوالہ دیا جاتا ہے، ذیل میں اسی قسم کے ایک انگریزی اشتہار کا (جو آئی۔ ڈی۔ ٹی
آلفیڈ مورخہ، رمی شہرہ سے لیا گیا ہے) ترجمہ درج کیا جاتا ہے،

”و اگر تمہارے گردن میں کھڑکیاں ہوتیں“

تو تم دیکھتے کہ جو معاصیل، گرہ، جگر، مثانہ، اور معدہ کے جملہ امراض انفلاؤنزا، شدید
نزہہ، ریڑھ کا درد، ضعف وغیرہ سب کی سب تیزاب کے اثر اور خون کے فساد کی وجہ سے
پیدا ہوتے ہیں۔“

ڈبلو جی، ایسٹ جو، ۳۰ سال تک کیمبرج میں معلم ورزش رہ چکا ہے، کہتا ہے۔

”غیر خون صحت کیلئے جوئے امراض کا علاج کرنا محض تصنع اوقات ہی“

یہ تو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور آسانی اس کا ثبوت فراہم کیا جاسکتا ہے کہ مختلف عضویاتی
امراض، اور دیگر شکایات جسمانی، سب براہ راست جراثیم، تیزاب، زہر آلود مادہ اور دیگر فسادات
کی وجہ سے رونما ہوتی ہیں، مثلاً یورک ایسڈ کے اثرات سے ٹشیا اور اعصابی امراض، اور معدے کے
تیزابوں کے اثر سے بڑھتی پیدا ہوتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ٹیوبرکیولاس (TUBERCULOSIS)
اور مولی زکام کے درمیانی تمام امراض صحت اختیا رکھتے ہیں تب طبیوں کو یہ فکر ہوتی ہے

کہ کسی طرح زہر کا دغیہ کیا جائے، لیکن احتیاط کا تقاضا تو یہ ہونا چاہیے کہ قبل از قبل خون کی صفائی مد نظر رکھی جائے، ہر شخص کو چاہیے کہ وہ متافوقاً جگر کو تقویت پہنچا کر، معدہ اور گردن کا تنقیہ کر کے خون صاف کرتا رہے تاکہ تولیدِ جراثیم کوئی مرکز ہی نہ رہے، اور یہ خون میں سرایت نہ کرنے پاوے، خون اور نظامِ عصبی کو جراثیم اور دیگر نساوی مادے سے صاف کئے ہی بغیر ازالہ مرض کی کوشش کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا بغیر آگ کے بجھائے ہوئے دھوئیں کو دودھ کرنے کی کوشش کرنا، تم اس کا ثبوت خود فراہم کر سکتے ہو اور وہ اس طرح کہ اپنے دوا فروش سے ایک کم قیمت دوا جس کا جبری شدہ نام الکلیسا لٹریس (بیکسل سفون) ALKIA-

SALRATES — ہے، حاصل کرو، سائے پانی کے ایک گلاس میں چھپ بھر سفون ملا کر پیو، دو تین دن کے استعمال کے بعد تم کو معلوم ہوگا کہ تمہارے امراض رفتہ رفتہ رخصت ہو رہے ہیں اور تمہاری صحت اور قوت میں بین اضافہ ہوتا جاتا ہے،

اس قسم کے اشتہارات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ استدلال سے زیادہ اپیل کی جاتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ کسی طرح کی ظاہری ترغیب کا پتہ نہیں چل سکتا، اور ضد پیدا ہونے کے بدلے اثر زیادہ ہوتا ہے،

اشتہار بازی کا جدید ترین طریقہ بانسکوپ کا استعمال ہے، شین کے ذریعہ محرک تصاویر پر پردہ کھائی جاتی ہیں، مثلاً لیٹن کی جائے کے اشتہارات بانسکوپ میں اس طریقہ پر دیئے جاتے ہیں کہ پہلے دوکان کی تصویر نظر آتی ہے، پھر کچھ لوگ آکر دوکان میں بیٹھے ہیں تھوڑی دیر میں چائے تیار ہو کر اون کے سامنے آتی ہے جس کو پی کر وہ بہت محظوظ ہوتے ہیں، سب کچھ ہو چکنے کے بعد کردہ ارض کی تصویر نظر آتی ہے، ایک شخص لیٹن چائے کی پیالی پھینکتا ہے، جو کردہ ارض پر پھیل جاتی ہے، جس سے یہ کھانا منقوش ہے کہ تمام دنیا میں اس کی طلب ہے، پھر عبارت لکھی نظر آتی ہے:-

”لپٹن کی جائے بہترین چائے ہوتی ہے“

اس طریقہ اشتہار بازی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ناظرین سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں اور پھر متحرک تصاویر کی وجہ سے تفریح اور مسرت کا تاثر پیدا ہوتا رہتا ہے،

کامیاب اشتہارات کی جو کچھ خصوصیات اوپر بتائی گئی ہیں، ان کے علاوہ ایک دوسری شرط اوں کی کامیابی کی یہ ہے کہ انھیں متعدد مرتبہ شائع کیا جائے تاکہ بہتر شخص انھیں پڑھ سکے، اور بار بار پڑھے، جب تم متعدد مرتبہ ایک ہی اشتہار کو دیکھتے ہو، اور تار کے ستونوں پر، مکان اور دیواروں پر اخبارات کے کالموں اور ریل کے ڈبوں میں سب جگہ تم کو وہی ایک مضمون، اختلاف عبارت کے ساتھ نظر آتا ہو، تو تحسُّس و دراک کی حالت سے گزر کر یہ اشتہار بھی جزو نفس بن جاتا ہے اور کبھی نہ کبھی تم اس سے متاثر ضرور ہوتے ہو، مگر اسے کسی شے کے جزو نفس بن جانے کی عام ترین مثال یہ ہو سکتی ہے کہ اگر کوئی شے تمھارے کمرہ میں ہمیشہ ایک مقام پر رکھی جاتی ہو، اور تمھاری لاعلمی میں وہ وہاں سے ہٹائی جائے تو خواہ تم کو اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو، تمھارے نفس میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے، ایک طرح کے خلا کا احساس ہوتا ہو، یہ احساس مل مر کی دلیل ہو کہ وہ چیز تکرار ایک ہی مقام پر موجود رہنے سے، تمھارے شعور میں سرایت کر گئی تھی، متبغین کا بار بار کسی خیال کا اظہار کرنا اسی مصلحت سے ہوتا ہے، عام مقولہ ہے کہ ”کننے سننے سے دیوار میں ٹل جاتی ہیں“ اسی حقیقت کے ایک صُح کو ظاہر کرتا ہے

ترغیب کی دیگر اقسام کی طرح، اشتہارات کا استعمال بھی ناجائز طور پر کیا جاسکتا ہو، سیاسی امور میں اشتہارات کی باطل ترین ترغیبن بہت کچھ عام ہیں، اؤ کا استعمال زیادہ تر افراد کی دماغی کمزوریوں یا دیگر نقائص طبی سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، تجارتی اشتہارات میں بھی یہی عیوب ہو سکتے ہیں،

ہندوستان میں اشتہاری دوا فروشوں کی بدنامی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے، ان میں سے اکثر افراد ناکارہ اشیاء فروخت کر کے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور تجارت میں خوش معاہلی سے کام نہیں لیتے

ظاہر ہے کہ جن لوگوں کی نیت یہ ہو وہ ناجائز وسائل کے استعمال سے گریز نہ کریں گے، رائد سے رائد تعداد کو اپنے قبضہ میں لانے کی غرض سے یہ حضرات ادنیٰ درجہ کے جذبات کو شتمیل کرنا بھی میسب نہیں سمجھتے، تاؤنی بندشوں کی موجودگی میں بھی بعض اوقات فحش ترین اشتہارات ہماری نظروں سے گزرتے ہیں، کم سمجھ لوگوں سے سنجیدہ قبولیت حاصل کرنے کے لیے محض یہ لکھنا کافی خیال کیا جاتا ہے، کہ "نیشن" حال کے مطابق ہے، "کبھی کبھی انتہائی مبالغہ سے بھی کام لیا جاتا ہے، سنسنی پیدا کرنے والے الفاظ میں اشتہار دینا اشتہار باز کی بہترین اسلوب خیال کیا جاتا ہے، ہم ذیل میں ایسے اشتہارات کی چند مثالیں درج کرتے ہیں، واضح رہے کہ یہ خالص علمی بحث ہے، ذاتیات سے بحث کرنا مقصود نہیں،

(۱) خون سے بچے

یعنی ہمارے یہاں نئے نئے ریکارڈ سنکر دل خوش کیجئے،

(۲) بڑے دن کو خون ہوگا،

گراموفون کے ریکارڈوں کا اشتہار،

(۳) یورپ اپنے گھر میں رہے،

مصر کے کسی بزرگ کی تصنیف "مستقبل الاسلام" کا اشتہار ہے،

(۴) زار روس کی ہتھکڑیاں،

رسائل شیخ سنوسی کے ترجمہ کا اشتہار ہے،

(۵) ہندوستان میں جہاد،

حمود کی تاخت ہند اور حملہ سومنات کے متعلق ایک کتاب کا اشتہار ہے،

مذکورہ بالا اشتہارات کی سرخیوں میں مضمون سے جو کچھ ربط رکھتی ہیں ظاہر ہے، ان سے صرف

مطلب توجہ مقصود ہے، اور اس میں شک نہیں کہ ان پر نظر پڑتے ہی طبیعت میں ایک طرح کا انتشار

آئین شوق پیدا ہوتا ہے، لیکن دوسری سطر پر نظر پڑتے ہی بے ساختہ ہنسی آتی ہے، اور ترغیب کے بدستور کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، ذیل کی مثال سے واضح ہو گا کہ اس قسم کے اشتہارات جلب منفعت کے لیے کس طرح دیئے جاتے ہیں،

ہندوستان میں طاعون

ڈاکٹر دن نے پیشین گوئی کی ہے کہ غرقیب طاعون بہت شدت کے ساتھ پھیلنے والا ہے، لوگوں کو چاہیے کہ قبل از قیل الخ..... (کم فہم لوگوں کا اس دھوکہ میں آجانا، اور شترہ دو خریدنا مقام تعجب نہیں ہو سکتا)

اشتہاروں میں مذکورہ بالا عیوب کی موجودگی کی ایک اہم وجہ سامان طباعت کی گرانی، اور اشتہارات کے بڑھے ہوئے نرخ ہیں، کچھ تو اس وجہ سے کہ اشتہار بازی کو محض ایک معمولی چیز سمجھا جاتا ہے اور زیادہ تر قلمبازوں کی وجہ سے مشہورین اس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ کم سے کم جگہ میں اپنے طلبک ادا کریں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دلائل دہراہین کے استعمال سے قاصر رہ کر، میاں لہ آمیز متوش عبارت کا استعمال کیا جاتا ہے کہ گنجائش ہی کم کی جائے اور ان کے غلط خیالات کے مطابق، اثر بھی زیادہ ہو، اشتہارات میں غلط بیانی، مبالغہ، بے سرو پا تقادیر، بے تکے عنوانات وغیرہ کا وجود اسی سبب سے ہوتا ہے،

مذکورہ بالا وجہ کے علاوہ ایک اور وجہ آجکل کی شدید مسابقت ہے، اگر میں برس قبل کے اشتہارات کا آجکل کے اشتہارات سے مقابلہ کرو تو مؤخر الذکر میں تم کو ان عیوب کا رنگ زیادہ گہرا نظر آئے گا، اسکی وجہ ظاہری، تمدن کی ترقی، ضروریات کی کثرت، اور وسائل آمد و رفت کی سہولتوں نے مختلف ممالک کی تجارت کا ہون کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر دیا ہے، چونکہ خریداروں کا حلقہ انتخاب وسیع ہو گیا ہے لہذا ہر شترہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ دوسروں پر اپنے تفوق کا اظہار کرے، اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو ذرائع بھی کام دیں گے، استعمال کرے، زمانہ کارنگ بتا رہا ہے کہ آئندہ اس سے بھی سخت

مقابلہ ہوگا اور ممکن ہو کہ اشتہارات کی مبالغہ آمیزی، فریب دہی اور کثرت بھی اب سے کمین زیادہ ہو جائے، ہندوستان کے مشہور ترین اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے، جب تک کہ وہ اشتہار بازی کو علمی حیثیت دینے کے لیے تیار نہ ہوں، اس مخصوص بحث پر مضامین و کتب کی ضرورت ہی نفسیات کا ذوق رکھنے والے حضرات محو بالاجہیز کی طرح بہت سے مفید تجربات کر سکتے ہیں، اور اس طرح سے نہ صرف ایک مفید علمی مقصد بلکہ بالواسطہ ہندوستان کی تجارت کو بھی مدد دے سکتے ہیں،

ہمارے ہندوستانی مشہور ترین جو اشتہار بازی کے پیش پا افتادہ اصولوں سے بھی ناواقف ہیں، شاید یہ سیکرٹ تعجب کریں کہ ویلے کی عظیم الشان نمائش میں جہان اور بہت سے شعبے اور محکمے قائم ہیں وہ ان اشتہار بازی کا بھی ایک مستقل شعبہ ہے جو ”بین الاقوامی مجلس اشتہارات“ (INTER

NATIONAL ADVERTISING CONVENTION) کے نام سے موسوم ہے، ابھی حال ہی میں اس مجلس کا ایک اجلاس ہوا ہے، جس میں تمام دنیا کے شاہیر تجار و دیگر سربراہان اور وہ اصحاب کے روبرو ہندوستان میں یورپی اشتہار بازی کے متعلق تقریریں ہوئیں، ان تقریروں میں اگرچہ اشتہار بازی کے نفسیاتی اصولوں سے کوئی بحث نہیں کی گئی، پھر بھی ایسی باتوں پر بحث کی گئی جو شاید ہندوستانی اور خصوصاً اردو مشہورین کے لیے غالی از منفعت نہ ہوں، ان تقریروں کے ضروری اقتباسات اپنے خیالات کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں، ان سے چاہے یہاں کے مشہورین کو معلوم ہو جائے گا کہ ہندوستان میں مغربی تجارت کی کامیابی میں اور ان کی کامیاب اشتہار بازی کا کمان تک نفل ہوگا وہ لوگ اشتہارات میں کن اصولوں کو مد نظر رکھتے ہیں،

سب سے پہلے مشرور نیگیویمبر نے ہندوستانی بازاروں کی حالت پر تبصرہ کیا، ان کی یہ رائے نہایت صحیح ہے کہ دوسرے ممالک کی بہ نسبت ہندوستان میں اشتہارات کی کامیابی کے بہت زیادہ مواقع ہیں، اس کی وجہ یہ ہو کہ یہاں کے بائع، دوکاندار اور نمائش اشیا کے اصولوں سے ناواقف ہیں

دوسرے درجہ کے شہروں کا ذکر کریں کیا، بڑے بڑے تجارتی شہروں میں بھی بہت کم ایسی ہندوستانی دوکانیں نظر آئیں گی جہاں کہ اشیا کو خوشنما اور جالب قوجہ طریقہ پر سجایا جاتا ہو، — *Shop* — *Windows* — (دریچہ ہائے دوکان) جو ہر انگریزی دوکان کا ضروری جزو خیال کیجاتی ہیں، ہماری نظروں میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں، اس کا راز اگر ایک طرف ہماری تجارتی پستی میں منفر ہے، تو دوسری طرف ہندی بلکہ ایشیائی فطرت بھی اس کی بڑی حد تک ذمہ دار ہے، ہماری فطرت سادگی پسند ہے، اور تجارت میں نمائش سے اتنی ہی دور دور رہتی ہے جتنی کہ زندگی کے اکثر شعبوں میں، اس میں شک نہیں کہ مغربی اصولوں کے تصادم سے یہ بات رفتہ رفتہ ملتی جا رہی ہے، لیکن اب بھی کم از کم ساٹھ فیصد تجارتی جہاز اور دوکانا ایسے نظر آتے ہیں جو یا تو بازاروں میں سڑکوں پر اپنا بسا طحانہ پھیلانے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں، یا پھر اپنی دوکان کے اندر ایک عجیب بے نیازی کے ساتھ بیٹھے یا لیٹے نظر آتے ہیں، اور اپنی کساد بازار سی کو خریداروں کے فقدان مذاق پر محمول کرتے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس دور رسالقت نے گاؤں یا شہروں کے حدود کو توڑ کر تمام عالم کو مقابل کر دیا ہے، اور آج کل مشک کی خوشبو کے علاوہ عطار کی یادہ گوئی کا بھی تجارت کی کامیابی میں بہت بڑا دخل ہو گیا ہے،

دریچوں کی نمائش کے علاوہ، اشتہار بازی کا ایک اور طریقہ یہ بھی ہے کہ بڑے بڑے کاغذ نویس جلی قلم سے اشتہار لکھ کر شہر کے متعدد حصوں میں اسے چپان کیا جائے، بڑے بڑے شہروں میں ہمیں اس قسم کے ”پوسٹر“ نظر آتے ہیں، لیکن ان سے بھی پوری طرح فائدہ نہیں اٹھایا جاتا، ان میں سے اکثر تو کھیل، بانسکوپ وغیرہ کے اشتہارات ہوتے ہیں، اور اگر کسی چیز کے متعلق کبھی اشتہار دیا جاتا ہے تو وہ ایسا محکم درجہ سرو یا ہوتا ہے کہ خریداروں کی احتیاج میں شدت پیدا کرنا تو درکنار، اس سے اولٹا منفرد پیدا ہوتا ہے، کبھی اشتہار میں جلی قلم سے ”خوشخبری“ لکھا ہوا ہوتا ہے، اوس کے نیچے کسی نئی دوکان کے قائم ہونے کی اطلاع ہوتی ہے، کہیں بڑے بڑے حرفوں میں ”مفت، مفت، مفت“،

لکھا ہوا نظر آتا ہو، پورسٹ اشتہارات کی عبارت ایسی ہونی چاہیے کہ جتنی مرتبہ انھیں پڑھا جائے اتنا ہی وہ اپنی مختلف ترقیبی خصوصیات کی بدولت زیادہ جزو نفس بنتے رہیں اور اندر ہی اندر تحریک و حرکت کی خواہشات کو اکساتے رہیں، انگریزی مشہورین نے گلی کوچوں میں اشتہار بازی کا ایک نیا طریقہ اختیار کیا ہے، وہ لوہے کی روغنی چادروں کا استعمال کرتے ہیں، اور انھیں شہر کے ممتاز مقامات، شہر، شیشہ، پتھر، باغ وغیرہ میں آویزاں کر دیتے ہیں، اگر ان چادروں کا استعمال ایک طرف اپنی قیمت کی وجہ سے بے سرو پا اشتہار بازی کو روکتا ہے، تو دوسری جانب یہ زیادہ پائیدار بھی ہوتی ہیں، اور پوسٹروں کی طرح موسمی تغیرات کا اثر اس پر نہیں ہوتا، میلنس نوڈ *London food* پیرس سوپ (Peas) اسٹین کی روشنائیاں، غرضکہ متعدد چیزوں کے اشتہارات ہیں انھیں چادروں پر لکھے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن کسی ہندوستانی شہر کی طرف سے ایسا ایک بھی اشتہار ہماری نظروں سے نہیں گذرتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف تو اخبارات کی زیادتی انھیں انہی ٹکڑوں کے مستقل خواندہ نہیں دیکھنے دیتی، علاوہ ازیں وہ اپنے انوکھے، جالب توجہ اور مضحکہ خیز اشتہارات کے لیے ان کو موزوں نہیں پاتے، کیونکہ ان کو ہمیشہ نئی سرخیوں کی فکر رہتی ہے، مشرکیم کی رائے میں، ان روغنی ٹکڑوں کا استعمال اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ:-

”عام طور پر، ادنیٰ وجہ کے ہندوستانی ان ٹکڑوں کو اپنی دیواروں کی زیبائش یا چھتوں میں لگانے

کی غرض سے پھرایا کرتے ہیں“

اس رائے کے متعلق ہم صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک انگریز کی رائے ہے، جسے وہ ہندی خلاق کی بستی سے تعبیر کرتے ہیں، اس سے ہم صرف ہندی مشہورین کی لاعلمی کا نتیجہ سمجھتے ہیں، تعجب ہے کہ انگریزی مشہورین کی طرف سے جو روغنی چادریں شہر مختلف حصوں میں آویزاں کی جاتی ہیں، انھیں انہیں نہیں چرایا جاتا!

ہندوستان میں جہاں زندگی کے دوسرے شعبے، مذہب، رسم و رواج، ذات اور روایات کے پیچیدہ اندرون کے تابع ہیں، اسی طرح خرید و فروخت، تجارت وغیرہ بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں، مثلاً اکثر ذاتیں خاص خاص اشیاء خورد و نوش کا استعمال مذہباً ناجائز سمجھتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہاں ان چیزوں کے اشتہارات زیادہ کامیاب نہیں ہوتے اور دوسری اشیاء کے اشتہارات میں بھی اس کا خاص طور پر خیال رکھنا پڑتا ہے کہ یہ کسی ذات یا فرقہ کے حیثیات کے خلاف نہ ہوں، تعجب افسوس کی بات ہے کہ اس معاملہ میں مغربی مشہورین، ہندوستانی اشتہار بازوں سے زیادہ ہندوستانی فطرت کو سمجھے ہوئے ہیں، ایک انگریز مقرر کے الفاظ سنو،

”یورپ میں اشتہار بازی، ہندوستان کی بہ نسبت کمین زیادہ آسان ہے، ذات کی تفریق، رسم و رواج، مختلف اقوام کا مختلف خورداک سے پرہیز کرنا، ان سب باتوں کی وجہ سے کچھ دیر ہندوستان کے لئے موزوں اشتہار تیار کر سکتے ہیں جو وہاں کا تجربہ اور مقامی حالات سے واقفیت رکھتے ہوں۔“

اشتہارات وہی کامیاب ہوتے ہیں جن کے تیار کرنے والے انسانی فطرت، اس کی خوبیوں اور کمزوریوں سے واقف ہوں، اور عملی نفسیات کی واقفیت کے ساتھ ساتھ وسیع نظر بھی رکھتے ہوں، اور نوعی اور انفرادی اختلافات طبائع کو بھی پیش نظر رکھتے ہوں، عام طور پر نفس انسانی بے شمار داخلی محرکات کے زیر اثر ہے، لیکن انہی محرکات میں سے بعض ایسے ہیں جن کا اثر کسی ایک قوم میں دوسرے کی بہ نسبت زیادہ دیکھنے میں آتا ہے، اپنے گزشتہ صفحات میں ہم نے ان نفسیاتی خصائص سے بحث کی تھی جن پر اشتہار کی ترغیب منحصر ہے، لیکن کیا ہمارے مشہورین ان سے واقف ہیں یا ان پر عمل کرتے ہیں؟ وہ صرف یہ کوشش کرتے ہیں کہ اشتہارات پڑھ کر بڑ جائے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے عجیب پسندیدہ فطری حقوق سے کام لیتے ہیں، اور صرف ”عنوان“ اور ”مخبرین“ کے درپے رہتے ہیں، اب

تھوڑی دیر کے لیے یہ ان بھی لیا جائے کہ عجائب پسندی کا شوق، "مشرقی اقوام میں مغربی قوموں کی نسبت زیادہ ہے، پھر بھی صرف یہی ایک محرک اشتہار کی کامیابی کا ضامن نہیں ہو سکتا، اس شوق سے کام لیکر ہم ناظرین کے ذہن میں کسی سلسلہ خیالات کا آغاز ضرور کر سکتے ہیں، لیکن اس کے استمرار کی بھی کوئی سبیل ہونا چاہیے، اس حقیقت کو ابھی تک نہیں سمجھا گیا ہے، مثلاً اسطوت، یا شخصیت کے اثر ہی کو لو، ہر قوم ان سے متاثر ہوتی ہے، لیکن نسبتاً ان کا چرچا ہندوستان میں زیادہ ہے، دوسرے ممالک کے مقابلہ میں یہاں نام زیادہ بکتا ہے، اگر ایک مرتبہ عوام کی نظروں میں کسی کا اعتبار قائم ہو جائے تو اسکو آسانی کے ساتھ شہرت دوام حاصل ہو جاتی ہے، "راجہوں" (Rajahs) کے چاقو چھریاں، ہنگس کے لیمپ، ڈیشیز کی دہری قندیلین (Lanterns) لپٹن کی چائے "ہاتھی چھاپ" کاٹی کا تیل، ولیمٹ انڈیکینی کی گھڑیاں، یہ سب کی سب اس مرتبہ کو پہنچ چکی ہیں، اس کے برخلاف اگر ایسے ہندوستانی مشہورین کو تلاش کرو جو ان ہی کی طرح مشہور و مقبول ہو چکے ہوں تو یقیناً معدودے چند مثالیں نظر آئیں گی، کیر صاحب ہندی فطرت کی اس خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں،

ہندوستان کے متعلق میرا تجربہ یہ ہے کہ وہاں انگلستان کی طرح فوری اثر تو نہیں ہوتا، لیکن نتائج ضرور دیر پا ہوتے ہیں، اور اسی وجہ سے ہندوستان میں ایک دفعہ "بہوار" کا قیام ہو جانا انگلستان کے اتنے ہی بڑے "بہوار" سے کمین زیادہ مفید ہوتا ہے، قدیم زمانے میں ہندوستان میں راجہوں کے چاقو اور چھریاں بہت کچھ مشہور ہوئے تھے اور بساطوں کے لئے ایسی چیزوں کو "راجہوں" کے کارخانہ بتلا کر جہاں بہت آسان تھا، جو اس کے کارخانہ میں کبھی تیار بھی نہیں ہوئے، مثلاً انگریزی ٹوپیاں، ہندوستان میں کسی اچھے نام کو دیکھ کر، اس کے ساتھ جھٹ جانے، کی ایک ادنیٰ مثال ہے،

کیا ہمارے ہندوستانی شہرین، ہندی فطرت کی اس خصوصیت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اگر وہ با اصول اور صداقت آمیز تجارت و اشتہار بازی سے ایک دفعہ اپنا وقار قائم کر لیں، تو ان کو روز بروز عجیب و غریب اشتہارات دینے کی ضرورت نہ ہو،

دیکھ لے کی "مین۔ تومی مجلس اشتہارات"، اس غرض سے قائم ہوئی ہے کہ تمام ممالک میں اخباری اشتہارات کی اصلاح کرے، یہ مجلس فن اشتہار بازی کے متعلق ایک کتاب کی ترتیب بھی کر رہی ہے، جو ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے، ان لوگوں کے لیے جو تفصیلات سے واقف نہیں ہیں، یہ کتاب بہت مفید ہوگی، کیا ہمارے بیان کے مشہورین اب بھی پرانی روش پر پڑے رہیں گے، اور بالواسطہ، ہندوستانی تجارت کو نقصان پہنچاتے رہیں گے، ضرورت ہے کہ اردو اشتہارات کو بھی ادون کی موجودہ سطح سے بلند کیا جائے ورنہ ان کی بدلی ہوئی حالتوں کے اعتبار سے انھیں بھی بدلاجائے، کسی زمانہ میں انگریزی اشتہار میں بھی غوغائیت (Exaggeration) کا دور دورہ تھا، آج کل کے ہندی اشتہارات کی طرح کبھی انگریزی اشتہارات بھی اپنی بلند آہنگی کے لیے مشہور تھے، اڈنبرگ کا ایک واقعہ ہے کہ وہاں کسی بازاریں ایک مصور نے اپنی دوکان قائم کی اور اس پر لکھ دیا:—

”یہاں اڈنبرا میں سب سے زیادہ اچھی تصویریں تیار کی جاتی ہیں“

اتفاق سے دوکان کو خوب فروغ ہوا، ایک اور مصور نے بھی وہیں اپنی دوکان کھولی، اور اپنی فوقیت ظاہر کرنے کے لیے اس پر یہ لکھوایا:—

لفٹننٹ نیاس ٹیلر، بارنم (نائبہ بلائٹ) ایک امریکی "مستند" (convalescent) تھے تجارت میں شافی شہر اور جھگامہ آرائی کے سب سے پہلے نمونہ تھے، انھیں چیزوں کو وہ تجارت کی کامیابی کا راز سمجھتے تھے، ان کا اصول تھا کہ جو کچھ سب سے زیادہ بلند آہنگی کے ساتھ اپنا مال شہر کرے گا، وہی سب سے زیادہ کامیاب ہوگا لفظ بارنم (BARNUM)

Amism انھیں کے نام سے مشہور ہوئے تھے بجائے "بارنیت" کے "غوغائیت کو زیادہ پسند کیا، ملاوٹ والی دین،

”یہاں تمام انگلستان سے اچھی تصویریں تیار ہوتی ہیں“

ان دونوں کے چلتے ہوئے کاروبار کو دیکھ کر ایک اور مصور نے بھی وہیں دکان کرایہ پر لی اور عجیب طیفانہ انداز میں اپنے پیشروں پر اپنی برتری کا اظہار کیا، اس نے صرف یہ عبارت استعمال کی،

”یہاں اس گلی میں سب سے اچھی تصویریں بنائی جاتی ہیں“

لیکن آج کل اس صفت کا استعمال پہلے کی طرح فحش و فحشہ کے ساتھ نہیں ہوتا، اور وہ بھی کیسے سکتا ہے؟ اس قسم کے مشترک صرف بدنام ہوتے ہیں، بلکہ عام طور پر لوگوں کو اشتہارات کی طرف سے بدظن کر دیتے ہیں، چنانچہ ہمارے یہاں اشتہاری کا لفظ عموماً تحقیر کے لیے مستعمل ہوتا ہی، جیسے اشتہاری حکیم، یا اشتہاری دوا، اشتہاری مدرسہ وغیرہ،

آج کل تجارت، اور اشتہارات کی کامیابی کے لیے صداقت بہت ضروری ہے، لہذا کن (London) کا قول ہے:-

”تم کچھ لوگوں کو متشبہ و متوہن بنا سکتے ہو، اور سب لوگوں کو تھوڑے عرصہ کے لیے دھوکہ دے سکتے

ہو، لیکن تم ہمیشہ سب لوگوں کی آنکھ میں خاک نہیں ڈال سکتے“

بڑے بڑے تجارتی ماس سیرٹ (پیرسوپ کے کارخانہ کے مالک)، اب آجکل اس کا خاص طور پر لحاظ رکھتے ہیں کہ کوئی غلط بیان نہ درج کیا جائے، اب رفتہ رفتہ اشتہار بازی کو بھی تعزلات سے باہر نکالنے کی کوششیں ہو رہی ہیں تاکہ لوگوں کو شہرتین کی خوش معاشی کا تجربہ ہو جائے، اور اخباری اشتہارات کی طرف سے ان کا سدھن جاتا رہے، جیسے کی مجلس اشتہارات نے جن اصولوں کو مد نظر رکھا اس اصلاح کی کوشش کی ہے، وہ اگرچہ مفصل طور پر اسی وقت معلوم ہو سکیں گے جبکہ ان کی مکمل روئد اوشائع ہو تاہم مجلہ وہ حسب ذیل ہیں،

۱۔ اشتہار اس اعتماد کا مظہر ہوگا جو کسی شہرت کو اپنے مشترک اسباب کی عہدگی پر ہوا کرتا ہے،

گویا کہ تقریبی حیثیت سے قطع نظر اس کی حیثیت آئندہ ایک ایسے صداقت نامہ کی سی ہوگی جو عام طور پر قابل قبول ہو،

(۲) یہ دیانت اور صدق نیت کا ضامن ہوگا، اگر کوئی اشتہار ایسا نہ ہو تو اس کے شہر کو ضرور

ناکام رہنا پڑے گا،

۳۔ اشتہار کا کام یہ ہوگا کہ وہ لوگوں میں "طلب" پیدا کر کے بڑے پیمانہ پر تیار ہی اشتہار کا

محکم ہو،

۴۔ اشتہار بازی کی ایک مین، قومی مجلس کے قیام سے لوگوں میں ایک طرح کا اعتماد ہوگا، اور

مجلس کی کوشش یہ ہوگی کہ اس اعتماد میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے،

یہ ہیں وہ اصول جن کی اشاعت کا ذمہ ویسے کی مجلس نے لیا ہے، کیا ہندوستانی مشترکین بھی اس

قسم کی مجلس کا خواب دیکھ سکتے ہیں، ہم اسے ناممکن نہیں سمجھتے، لیکن انفرادی اصلاح اور بیداری کے بغیر

اس قسم کی مشترک جدوجہد دشوار ضرور ہے، ہم بشرط فرصت اس چیز کے متعلق اپنے خیالات غریب

ایک کتاب کی صورت میں پیش کریں گے السعی منی ولا یتام من اللہ،

انہ رات، اشتہارات کی ترغیب جن اصولوں کی بنا پر ہوتی ہے اور جن طریقوں سے

اس کا ناجائز استعمال کیا جا سکتا ہے، ان سب کا اطلاق محنت کے ساتھ اخبارات کی ترغیب پر

بھی ہو سکتا ہے، اس موقع پر ان کا اعادہ نہ کیا جائے گا اور من اعین انون سے بحث کی جاگی

جو اخبارات کی ترغیب کے لئے مخصوص ہیں،

اخبارات کا وجود ہماری موجودہ زندگی کی ضروریات میں سے ہے، بے شمار فوائد سے ہم

انکار نہیں کر سکتے، اگر ترغیب کی حیثیت سے دیکھو، تو اون کا حلقہ اثر بہت بڑھا ہوا ہے، نشر و اتقا

کے علاوہ عام اناس کے سامنے مسائل حاضرہ پیش کرنا، اور ان کو کسی نہ کسی خیال کی تائید پر لٹانا

یہ بھی چند ان معیوب نہیں کہا جاسکتا، یہ سب کچھ تو ہی لیکن اگر تصویر کے دوسرے رخ پر نظر ڈالو، اخبارات کی باطل ترغیب کے طریقے دیکھو، تو تمہیں اون میں یہ خرابیاں اشتہارات سے بھی کمین زیادہ نظر آئیں گی مؤخر الذکر میں قلت گنجائش، مختصر عبارت چاہتی ہے، لیکن اخبارات میں سنسنی خیز واقعات کے علاوہ، غلط استدلال اور ناقص تمثیلات سے کام لیسکر ترغیب باطل کا حلقہ اثر زیادہ وسیع کیا جاسکتا ہے، جماعتوں کی باطل ترغیبات کے کرشمے بھی اون میں نظر آتے ہیں،

ایک زمانہ تھا کہ جب ہمارے اخبارات حقیقی معنوں میں ہندوستان کے اخبارات کہے جاسکتے تھے، اور کل ملک کے متحدہ نقطہ خیال کو ظاہر کرتے تھے، لیکن فرقوں کے (سیاسی اور مذہبی) وجوہ نے اس چیز کو باقی نہ رکھا، جیسے جیسے کہ افراد آزادی خیالی سے دست بردار ہو کر مخصوص حلقوں میں سمٹنے لگے، ویسے ویسے اخبارات بھی خاص خاص فرقوں کے خیالات کی نمایندگی کرنے لگے، حتیٰ کہ آج اس وسیع ملک میں ایک اخبار بھی ایسا نہیں ہے جسے حقیقی معنوں میں متحدہ ہندوستان کی آواز کہا جاسکے، برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر اخبار ایک خاص حلقہ اثر اور ایک مخصوص نقطہ خیال کی حمایت کا بیڑا اٹھایا ہے، اور اس کے وجود کا انحصار اس پر ہے کہ جب کبھی آزادانہ اظہار رائے کی ضرورت ہو، تو اپنی پارٹی کا گراموفون بنے، اور اوسے کے خیالات کو ظاہر کرے، لبرل پارٹی کا اخبار، ماڈریٹ پارٹی کا اخبار، سواراج پارٹی کا اخبار، غرض کہ اسی طرح فرقہ وارانہ اخبارات نظر آتے ہیں،

ہر اخبار کا اصلی طوائف امتیاز یہ ہونا چاہیے کہ مسائل متنازعہ فیہ پر آزادانہ اظہار خیال کرے، ہمارے یہاں کے اخبارات اپنے اغراض و مقاصد میں سب سے پہلے اسی آزادانہ اظہار خیال کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن آزادانہ اظہار خیال سے مراد کیا ہے، ظاہر ہے کہ صرف گورنمنٹ کے مقابلہ میں آزادی کے ساتھ رائے دینا اس مقصد پر حاوی نہیں ہے، اس کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ

ہر مسئلہ پر، صداقت کا پہلو ہاتھ سے نہ دیکر، استدلال اور حقائق سے بحث کی جائے، پھر دیکھو کہ فرقہ دار اخبارات کمان تک یہ کرتے ہیں؛ اپنی جماعت کے خیالات و مقصدات کی روشنی میں کسی مسئلہ کا حل نہ تو آزادانہ، کہا جاسکتا ہو، اور نہ منہی برصداقت، ایسے اخبارات کی ترغیب بالکل وہی اثر کرتی ہے جو جماعات کی باطل ترغیب، اور جس سے ہم میرے باب میں مفصل بحث چکے ہیں، ایسے اخبارات بھی ہیں جن کو اس بیان سے مستثنیٰ کیا جاسکتا ہو،

ہندوستان میں تو خیر ابھی نہیں، لیکن امریکہ میں اور یورپ میں اخبارات کی حیثیت
بالکل تجارتی ہو گئی ہے، اگر کوئی اخبار کسی سرمایہ دار پارٹی کا ترجمان ہے، تو صرف اسی جماعت کی آراء کی ترجمانی کو اپنا فرض سمجھتا ہے، مفاد میں کے طبع کرنے سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کا شایع کرنا کمپنی کے ڈائریکٹروں کے خلاف تو نہ ہوگا، بعض وقت یہ ہوتا ہے کہ کوئی ذمی اثر اقدار سپر شخص کی اخبار خرید لیتا ہے، اور ان سے اپنے منشاء کے مطابق کام لیتا ہے، اخفاقات میں بھی تامل نہیں کیا جاتا، غلط بیانیان بھی ہوتی ہیں، لاڈلہ نارتھ کلٹ (LORD NORTHCLIFFE)

جن کا انتقال ۱۸۹۸ء میں ہوا ہے، انگلستان میں خبروں کے بادشاہ کہلاتے تھے، تین سربراہان اور کثیر الاشاعت اخبارات ان کی ملک تھے، جو ان کی مرضی کے موافق ہر مسئلہ پر عوام الناس کی رائے کو متاثر کرتے تھے،

کبھی یہ ہوتا ہے کہ متحدہ اخبارات متحد ہو کر کسی خاص مقصد کی اشاعت کو اپنا فرض
بنالیتے ہیں، اس کے اثر سے ابھی ہندوستان بچا ہوا ہے، لیکن اخبار فرشی، یہاں بھی ہوتی ہے، اخبار ایک ملک کے قبضہ سے بلکہ دوسرے کے قبضے میں برابر متعلق ہوتا ہے، اس کا لازمی نقصان یہ ہے کہ ان میں یکجہتی، اور ان کی پالیسی میں یکسانیت کا فقدان ہوتا ہے، یہ چیزیں مختلف ملکوں کے ساتھ ساتھ

مطلب شرمین لاڈلہ میرٹھ کی ایک تقریر کے اقتباسات دیے گئے ہیں انکا مطلب لاڈلہ نارتھ کلٹ ہے یہ تھا، مختلف

بدلتی رہتی ہیں، تجارتی نقطہ نگاہ سے دیکھو تو کسی اخبار کے اس طرح فروخت کیے جانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا، لیکن کسی قوم کی دماغی ترقی کے اعتبار سے، یہ شرح و بیع قابل تعریف نہیں معلوم ہوتی، بازار طباعت میں آزادی رائے کا سودا کچھ خوش نہیں آتا،

اخبارات کی خانگی اور ذاتی ملکیت توجہ عیوب رکھتی ہے وہ ظاہر ہے، لیکن جب کبھی کوئی حکومت اپنے ملک کے پریس کو اپنے قبضہ اختیار میں لے لیتی ہے، تو اس سے بھی زیادہ مضر نتائج پیدا ہوتے ہیں، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ عوام الناس فطرتی طور پر بظن ہو جاتے ہیں، اخفاء افعات کتمان حق، ایک طرفہ اظہار رائے، یہ سب عیوب پیدا ہو جاتے ہیں، اور حاکم و محکوم کے تعلقات میں فرق پیدا کر دیتے ہیں، انڈین پریس ایکٹ کے نفاذ نے ملک میں جو بے چینی پیدا کر دی تھی وہ ہر شخص جانتا ہے، ہمارے یہاں کے سرکاری اور نیم سرکاری اخبارات کو عام رائے جس نظر سے دیکھتی ہے وہ بھی محتاج بیان نہیں، ایک خاص طبقہ سے قطع نظر، بقیہ تمام ہندوستان ان اخبارات کی جبرون کو بلا تصدیق مزید سچ نہیں جانتا،

ضرورت اس باگمی ہو کہ ہم اپنے ملک کے اخبارات کو جماعتی اثر سے نکال کر، ایسے اصولوں پر چلائیں جن سے مفاد عامہ مد نظر ہو، اس ضرورت کی اہمیت سے تو شاید کسی کو انکار نہ ہو، لیکن یہ سوال کہ ایسا ہونا ممکن بھی ہے، آسانی سے حل ہوتا ہو، امین معلوم ہوتا، جب تک جماعت اپنا اقتدار برقرار رکھیں گی اوس وقت تک اخبارات پر یہی رنگ غالب رہے گا، جماعتوں کے ناجائز اور مضر اقتدار توڑنے کے لئے ہم کو ان اصولوں پر کاربند رہنا چاہیئے، جو باب چہارم میں بتائے جا چکے ہیں،



باب ہفتم

ترغیب لفظی کتابوں و تقریریں کی ترغیب

کتابوں، اور تقریروں کی ترغیبی حیثیت، سہ گانہ عناصر ترغیب کا
اون میں استعمال، دلائل، توضیحات، ظرافت، خوش طبعی، تشنیع
وغیرہ، ترغیب کا موضوع

کتاب اور تقریروں کی ترغیب، | اب تک ہماری بحث ترغیب لفظی کی اُن مختلف صورتوں
سے رہی ہے، جو اگرچہ مفہوم اور ساخت کے لحاظ سے ترغیب تشویق کے کام تو ضرور آتی ہیں،
لیکن پھر بھی عام طور پر اُن کو الہ ترغیب نہیں کہا جاتا ہے، مثلاً اشتہارات، اخبارات، فن
بیع وغیرہ وغیرہ، اس باب میں ہماری بحث ترغیب لفظی کے اُن بڑے بڑے شعبوں سے ہوگی،
جو عورت عام میں ترغیب کہے جاتے ہیں (مثلاً کتابوں اور تقریروں کی ترغیب) اور خاص
مقاصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں، مثلاً سیاسی، یا معاشی، اخلاقی یا قانونی، اور مذہبی خیالات
کی نشر و اشاعت، اس کا محاذ ہے کہ جس طرح بحیثیت ایک نفسی عمل ہونے کے، ترغیب کے عناصر
ترکیبی، ذہن، تخیل اور جذبہ ہوتے ہیں اسی طرح سے کتب اور تقاریر کی ترغیبات میں بھی یہی تینوں
عامل رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی وساطت سے ترغیب کو مؤثر بناتے رہتے ہیں، کسی مصنف یا

مقرر کی مثال ہو، تم دیکھو گے کہ اوس کی ترغیب اوس وقت تک با اثر نہیں ہو سکتی، جب تک کہ وہ اپنے خیالات غلطیوں کے سامنے مل، یا کم از کم دلیل ناپیرایہ میں پیش نہ کرے، ساتھ ہی ساتھ اوس کے لیے یہ بھی ضروری ہو کہ سامعین یا ناظرین کی قوت متخیلہ کو بھی تحریک دے اور جذبات اور جذبات سے اپیل کرے اور کو بھی ہم آہنگ بنا نا ضروری ہو، اس باب میں ہم یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ ذہن، تخیل، اور جذبات کا یہ تیلان ثلاثہ کیا ہوں، اور تقریر کی ترغیب میں کس طرح عمل ہوا، جسے پہلے عنقریب دیکھ لیں گے۔

عنصر عقلی کا استعمال کتب اور تقریر میں

عنصر ذہنی کا عام ترین استعمال دلائل و براہین کی صورت میں ہوتا ہے، ان سے کام لیکر دوسروں سے اپنے مجوزہ طریق کار کو منوایا جاتا ہے، یوں تو دلیلین کئی قسم کی ہوتی ہیں لیکن عام طور پر ان سب کو صرف دو اقسام پر منقسم کر سکتے ہیں، یعنی دلیل استقرائی اور دلیل استحضاری ہر مصنف یا مقرر کے لیے ان دو طریقوں میں سے کسی ایک کا استعمال ناگزیر ہے، یا تو وہ عوارض و واقعات سے نتائج اخذ کرے گا، یا پھر کلیات اور عام اصولوں کی بنا پر خاص خاص نتائج کا استنتاج کرے گا، کوئی بھی واقعہ ہو، اگر تم اسے دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہو، تو بہترین طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس پر غور کرو کہ کس دلیل کا استعمال کیا جائے، آیا استقرا، کب جائے، یا دلیل استحضاری کو کام میں لایا جائے، فرض کرو کہ تم کسی جلسہ میں کوئی تقریر کر رہے ہو، یا کسی کتاب میں دلائل سے کوئی بات ثابت کرنا چاہتے ہو، تو اس کے ثبوت میں تم ان میں سے کسی ایک، یا دونوں کا استعمال ضرور کرو گے، مثلاً اسی کتاب میں یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ”عمل ترغیب، ایک جذباتی عمل ہے“ میں دونوں طریقوں سے کام لے سکتا ہوں، اگر میں یہ کہوں،

(۱) عمل ترغیب کا آغاز مقدمات سے ہوتا ہے،

(۲) مقدمات دلائل کی بنا پر نہیں، بلکہ جذبات کی مشہ سے قائم ہوتے ہیں،

(۳) عمل ترغیب جذبی عمل ہے،

تو یہ استخراج ہوا، (۱) کلیہ ہے یعنی ایک عام نتیجہ اسے منطق میں مقدمہ صغریٰ کہتے ہیں، (۲) مقدمہ کبریٰ ہے اور (۳) نتیجہ

دوسری صورت یہ ہوگی کہ میں متعدد مثالیں پیش کروں، مثلاً

(۱) جذبہ سے لوگ اپنی رائے بدل دیتے ہیں، ترغیبات کی کاپلیٹ ہو جاتی ہے،

(۲) جذبہ گوشہ دیگر لوگوں کو زیادہ آسانی سے ترغیب دی جاسکتی ہے،

(۳) بغیر جذبہ کی تحریک کے عمل ترغیب کا آغاز نہیں ہوتا،

(۴)

(۵)

(۶)

اسذا عمل ترغیب جذباتی عمل ہے،

اس صورت میں استیقرار کیا گیا، یعنی خاص خاص واقعات، اور صورتوں سے کوئی عام نتیجہ یا کلیہ نکالنا،

عام طور پر ان ہر دو اقسام دلائل کے متعلق یہ ہدایت کی جاسکتی ہے کہ اگر اس کا یقین

ہو کہ مخاطبین، پیش کردہ کلیات، و مسلمات کو قبول کریں گے تو دلیل استخراجی کا استعمال کیا جائے

لیکن اگر کلیات ہی کو لوگ تسلیم نہیں کرتے تو اس صورت میں قائل کرنے کا بہترین طریقہ دلیل استقرائی

کا استعمال ہے، کیونکہ ثبوتی واقعات اور مثالوں کے پیش کر دینے کے بعد تمہاری حسب خواہش نتیجہ

نکالنے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، یہ جو کچھ کہا گیا، بر سبیل تذکرہ تھا، ورنہ اصلیت یہ ہے کہ خواہ

کلیات ہوں، یا متفرق مثالیں، ایک دوسرے پر بغایت منحصر ہے، عام طور پر یہ دو اقسام دلائل کا ساتھ ساتھ استعمال کیا جاتا ہے

دلیل استخراجی، ترقیبی یا استعمالی | اب سے کچھ ہی زمانہ قبل لوگوں کا رجحان دلیل استخراجی کی طرف زیادہ تھا، اور آج بھی جب کبھی معاملات انسانی پر بحث آ پڑتی ہو، تو اسی دلیل کا استعمال زیادہ تر کیا جاتا ہے، ماہران سیاست، عالمان معاشیات، مصلحان قومی، مشیران قانونی، علمائے دین، نوضمکہ ہر گروہ کے پاس اوس کے حسب حال کلیات کا ایک ذخیرہ موجود رہتا ہے، اور انہی کلیات کی روشنی میں مسائل حاضرہ حل کیے جاتے ہیں، اس طریقہ کو اگر محدود و مخصوص طور پر استعمال کیا جائے تو کسی کو بھی مجال اعتراض نہو، اسلئے مباحثہ اور نظام خیالات کی ہر صنف میں کچھ نہ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو بجا طور پر کلیات کا مفہوم پورا کر سکتی ہیں، اور ان میں تمسیم بھی ہوتی ہے، لیکن نصیبت تو یہ ہو کہ لوگ دلائل پیش کرنے کی رحمت سے بچنے، اور کفایت وقت کے خیال سے بغیر سوچے سمجھے کلیات پیش کرنے لگتے، اور ان کی بنا پر اپنے منشا کے مطابق نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں، اور یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی جاتی کہ مسائل متنازعہ فیہ پر فی الحقیقت اس کلیہ کا انطباق ہو ہی سکتا ہو یا نہیں، مثلاً اب سیاست میں قدامت پسندوں ہی کے فرد کو، یہ حضرات بجائے اس کے کہ کسی جدید تجویز پر غور و خوض کریں، دلائل و براہین سے حالیہ واقعات اور تغیرات حالات کی روشنی میں اسے دیکھیں، سرے سے اس کو مسترد کر دیتے ہیں، اور جواب میں یہ کلیہ پیش کر دیتے ہیں کہ شہ نظام عمل بہت کچھ کام یاب رہا ہے، ہر جدید تجویز قدیم نظام سیاست کے خلاف ہے، لہذا یہ بھی اوسے زمرہ میں ہے،

اس قسم کے متغیرات میں سب سے بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ عوارض و حالات کی تبدیلی کو قطعاً نظر انداز کر دیا جاتا ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ فلاں کلیہ، جو آج سے دس یا بیس برس

پہلے صحیح تھا، حالات کے بدلنے سے آج بھی قابل قبول ہے یا نہیں؟ آنکھ بند کر کے ماضی کی حال پر تطبیق کی جاتی ہو، سیاست پر موقوف نہیں، بلکہ حیات انسانی کے ہر شعبہ میں جہاں رسم و رواج کی بندشیں، اور قدیم رواج کی کورانہ تقلید ترقی کی راہ میں مغل ہو گئی، تم کو یہی کیفیت نظر آئیگی، قائدین جماعات، یا بچان عدالت کی تقریروں کو سُنو تو تقدیرات (HYPOTHESIS) اور کلیات کی یہ گرم بازاری وہاں بھی نظر آئے گی، دلائل اول تو ہونگے نہیں، اور اگر کچھ ہوں، اور تمہارا تجسس اون کے سرخسہ کی تلاش کرے تو دیکھو گے کہ جن اہل مسلمات پر اونھوں نے لیلوں کی عمارت کھڑی کی ہو، وہ آج سے ۲۵ یا ۳۰ برس پہلے تو ضرور عامل و صحیح تھے، لیکن آج زمانہ کے بدل جانے کی وجہ سے ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی، ناظرین جہن معات کریں ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ جو شخص کسی سلسلہ بحث میں دعویٰ کرے کہ میرے قائم کردہ مقدمات اہل ہن، وہ ہرگز قابل اعتبار نہیں، ہمارے نزدیک اوس کا دعویٰ محض ایک دھوکہ کی ٹٹی ہے، جو اس کی ذاتی ناقابلیت پر استدلال و استقراء سے نتائج کی کافی پردہ پوشی نہیں کرتی۔

کلیات کا استقراء واقعات اور مسئلہ سے کیا جاتا ہے، دلیل استقرائی میں یہ کلیات قائم کیے جاتے ہیں، اور دلیل استخراجی میں کسی کلیہ کو مقدمہ بنا کر اس سے کوئی خاص نتیجہ نکالا جاتا ہے، مثالیں اور واقعات جیسے کچھ تغیر پذیر ہیں ظاہر ہی ہے، پھر اب اگر زمانہ قدیم کے بعض کلیات آج قابل وقوع نہ سمجھے جائیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہو، اون کی تردید سے اون کے واضح پر کوئی حرف نہیں آتا، اوس کے علم و قیاس میں وہ یقیناً مسلمات، کی حیثیت رکھتے تھے، لیکن آج واقعات بدل گئے ہیں تو وہ کلیات بھی بد بنا چاہئیں، قدیم زمانہ میں خیال رائج تھا کہ آفتاب سیارہ ہے جو زمین کے گرد گھومتا ہے، اس قیاس کی حیثیت اوس وقت کے علوم ہیئت و ہندسہ میں بے شک کلیہ کی تھی، لیکن اگر آج کوئی شخص اسی قدیم کلیہ کو مقدمہ بنا کر

بنا کر کوئی نیا نتیجہ نکالے، یا نظریہ پیش کرے تو تم کمان تک اس سے صحیح سمجھو گے؟ یہی حال تمام کلیات کا ہوا بہت سے یقیناً ایسے بھی ہیں جو آج اپنی قدیم حالت پر قائم ہیں، ان کی تعلیل کا ہٹانے کوئی سبب تلاش نہیں کیا، لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو اب صحیح نہیں رہے ہیں، پس ان کو استعمال کر کے غلطیوں کو کوئی ترغیب دینا، باطل ترغیب کہلائے گا، اوسے شخص کا ان کلیات کی بنا پر کسی ترغیب کو قبول کر لینا، ترغیب کی غریب دہی میں داخل ہوگا، انتخاب کو نسل میں عورتوں کے حق رائے کا مسئلہ جب پیش تھا، تو اس وقت اس تجویز کے مخالفین کا عام ترین طریقہ استدلال یہ تھا کہ وہ اپنی تقریر کو عورتوں کی ناقص العقلی کے اظہار سے شروع کرے، حاضرین کو اپنے حسبِ منشا ترغیب دیتے تھے، ان کی دلیل بے شک صحیح ہوتی بشرطیکہ وہ اپنے اس کلیہ کو بھی ثابت کر دیتے کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں، کلیہ ہی ثبوت طلب تھا، تو اس کی بنا پر اخذ کردہ نتیجہ کب صحیح ہو سکتا تھا، لیکن بہت کم لوگ تھے جو اسے سمجھتے، اور جو سمجھ گئے، انہوں نے ان کی ترغیبات سے متاثر نہ ہوا چھوڑ دیا، اگر مکتھوری دیر کے لیے حیات، اور جذبات کے دائرہ سے الگ ہنکڑ ٹھنڈے دل سے تو ہونے والے زوال اور فنا کی وجہ تلاش کرو، تو اکثر صورتوں میں تم دیکھو گے کہ ان کی بربادی میں دوزبردست ترین عوامل روایات اور سند (AUTHORITY) رہے ہیں، کسی قوم نے اس وقت تک ترقی نہیں کی جب تک روایات کے دائرہ سے ٹکڑے مطابقت ماحول کے اصول پر کاربند نہ ہوئی ہو، اور بدلی ہوئی حالت کے اعتبار سے اپنے طرزِ عمل اور خیالات کو نہ بدلا ہو، واضح رہے کہ ہم متکون و لازمی کی بحثیں نہیں کر رہے ہیں، بلکہ استمرار حیات انفرادی و ملی کی زبردست ترین شرط بتا رہے ہیں

دَرْ مَعِ الدَّهْرِ كَيْفَ مَا دَارَا

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا اَنْفُسَهُمْ

اور:-

اسی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ:-

روایات کی مقبولیت کی وجہ تلاش کرو، تو یہی نظر آئیگی کہ انسان دلائل استخراجی کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے، اور یہ اس لیے کہ دوسروں کے بنائے ہوئے مسلمات اور کلیات کو قبول کر لینا، استقرار، تلاش، افعات تحقیق، مسئلہ، فراہمی ثبوت، اور بہت سی دوسری رحمتوں سے بچا دیتا ہے، اور ترغیب دہندہ، اور اس ترغیب کے دینے والے دونوں اس سے مطمئن ہو جاتے ہیں، اس استخراج پسندی کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اے عقائد، و معتقدات، مجھ اور مرکز ہو کر مجرد اصطلاحات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، اور سکھ رائج الوقت کی طرح عام گفتگو میں دخل پالتے ہیں، اس قسم کی اصطلاحات کثرت سے اخباروں اور عام تقریروں میں استعمال کی جاتی ہیں اور باعتبار زمانہ ان کی حالت بدلتی رہتی ہے، فی زمانہ کسی تحریک کے لیے یہ کہہ دینا کہ اس میں استبدادیت، کی بُرائی ہے یا کسی طریقہ تعلیم کے لیے یہ کہہ دینا کہ غلامی سکھاتا ہے، ان دونوں کے مردود بنانے کو کافی ہے، اور کسی مزید ثبوت لانے کی ضرورت نہیں رہتی، تقاضائے عقل تو یہ ہونا چاہیے، لیکن ثبوت کی زحمت کون کوا کرے، اور اسی لیے ان اصطلاحات کو کلیہ کی حیثیت دیدی جاتی ہے، فاضل مصنف "فلسفۂ اجتماع" نے بھی اپنی اس کتاب میں جماعتوں کے خصائص سے بحث کرتے وقت اس قسم کی مجرد اصطلاحات کا ذکر کیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں،

”کسی شے کے برائیاں، یا خوبیاں تفصیلاً بیان کرنے کے بجائے، اس کا محض ذکر ایسے

الفاظ سے کرنا جو اندر نفرت یا رغبت کے جذبات پوشیدہ رکھتے ہیں، تجسس کے متناظر کرنے

میں کامیاب ہوتا ہے۔“

عبارت بالا میں تشریح طلب جملہ یہ ہے کہ ”اصطلاحات نفرت یا رغبت کے جذبات

کیون پوشیدہ رکھتے ہیں؟“ اس کا جواب ہمارے گزشتہ بیان سے مل جاتا ہے، استبدادیت، حریت، نوکر شاہی، قوم پسندی، دفتری اقتدار ایسے بہت سے الفاظ جو اخباروں میں نظر

آتے ہیں، کہنے والے، اور پڑھنے والوں کے معتقدات اور کارائے منہ ہیں، ان الفاظ کے کہہ دینے کے بعد، کہنے والے اور سننے والے، بخیال خود، کسی مزید توضیح و ثبوت کے محتاج نہیں رہتے، اور بہت سے دلائل سے نجات پا جاتے ہیں، پھر سمجھے ہوئے محض ایک لفظ کا اطلاق کسی شے پر ہوتے دیکھ کر اس کو برا تصور کر لیا، اور یہ نہ غور کرنا کہ اس کا لفظ کا یہ اطلاق صحیح ہی یا غلط، بدابہتہ جذبہ کے تسلط اور دلیل کی قوت کے فقدان کا ثبوت ہے،

ترغیب میں دلائل استقرائی، | اب تک ترغیب میں دلیل استخراجی کے استعمال سے بحث کی گئی، اور ان کے اقسام کا استعمال، | اب دیکھنا یہ ہے کہ دلیل استقرائی کا استعمال جو عام طور پر لوگوں کو سمجھانے

کے لیے کیا جاتا ہے، کہاں تک صحیح ہوتا ہے اور کس حد تک اس میں غلطی کا اندیشہ ہے،

(۱) دلیل استقرائی کا عام ترین استعمال تو اس طرح کیا جاتا ہے کہ ایک یا کئی شایہ پیش کرنے کے بعد کسی قضیہ کا بیان کر دیتے ہیں، مثلاً کسی پالی کو مفترت رسان اور قابل تمنع قرار دینے کے لیے پہلے خاص خاص مثالیں اس کے مضراثرات کی بیان کی جاتی ہیں، اور پھر کشیت مجموعی اس کا مضر ہونا غافلین پر ثابت کر دیا جاتا ہے،

(۲) دوسری قسم دلیل استقرائی کی وہ ہوتی ہے جو جب مختلف اشیاء یا واقعات میں علاقہ سمیت کی موجودگی کی بنا پر، کوئی استنتاج کیا جائے، اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ علت سے معلول کا استنتاج کیا جائے، اور دوسری یہ کہ اس کے برعکس ہو، اول الذکر کی مثال تو یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ درآمد سامان پر محاصل بڑھ چکے ہیں، لہذا ملکی تجارت کو فروغ ہوگا، اور ثانی الذکر کی مثال یہ ہو کہ ملک میں اجناس گر کر ان میں اسلئے شاید اول کی برآمد آزادانہ طور پر ہو رہی ہے،

(۳) دلیل استقرائی کی تیسری قسم میں تشبیہات کے ذریعہ سے استدلال کیا جاتا ہے

اور شبہہ سے شبہہ کے متعلق انتاج کیا جاتا ہے مثلاً یہ شعر ہے

فرد قایم ربط ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں موح ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

اس قسم کے استدلال عقلی کی ابھی مثال ہو، اکثر مغربین تاریخ سے مثالیں پیش کرتے ہیں، اون کی طرز استدلال بھی اسی قسم کی ہوتی ہے، چنانچہ مشہور انگریزی خطیب برک (BURK) نے جب پارلیمنٹ کے سامنے امریکہ سے صلح کرنے کی تائید میں تقریر کی، تو اس نے مثال میں آئرلینڈ اور ویلز کو پیش کیا، اور یہ کہا کہ جس طرح ہنری ہنرم کے عہد سے پہلے یہ دونوں حصے ہمیشہ انگلستان سے برسرِ پیکار رہے لیکن چون ہی کہ ان کو حقوق آزادی عطا کیے گئے، جنگ وجدل بھی موقوف ہو گئی، اس طرح امریکی نوآبادیات کو دوست بنانے کا بہترین طریقہ ان کو آزادی، اور انتظام سلطنت میں دخل دینا ہے،

ان ہر سہ اقسام استقرائے کسی واقعہ کا قطعی ثبوت اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان میں سے ہر ایک کے متعلق شرائط کی پیروی نہ کی جائے، مثلاً قسم اول میں مثالوں کا ناکافی یا ناقابل اطلاق ہونا، دلیل کو غلط کر دیتا ہے، قسم دوم میں علاقہ جہیت کا پایا جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ملت قریب یا بعید، مستقیم یا غیر مستقیم کو بھی دیکھنا ہوتا ہے، اسی طرح سے قسم سوم میں استدلال کے صحیح ہونے کا دار و مدار کل وجہ تشبیہ کے نام اور کامل ہونے پر ہے، یہ توجہ ایسی غامیان ہیں جن کا احتمال ہر دلیل استقرائی میں ہوتا ہے، لیکن سب اہم نقص اس کا یہ ہے کہ واقعات اور حالات انسانی سے بحث کرتے وقت تم مکمل اور حتمی طور پر کسی قسم کا استقرا نہیں کر سکتے، ہاں مسائل سائنس یا موجودات غیر ذی حس سے بحث کرتے وقت اس کا استعمال البتہ قطعیت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ غریب موضوع سیاسی، معاشی، اخلاقی، عرفی کچھ ہی کیوں نہ ہو، مگر بہت پیچیدہ ہے، علاوہ برین فطرت انسانی کے مظاہرات اس قدر تفسیر پذیر اور غیر قطعی ہوتے ہیں کہ اون میں کسی خالص علمی یا عقلی ثبوت کی گنجائش ہی نہیں، معاملات انسانی پر جو لوگ اظہار خیال کرتے ہیں، اون سے تم صرف اسی قدر محبت استدلال اور ثبوت کی توقع رکھ سکتے ہو، جس کی اون کا موضوع بحث اجازت دے، کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی

مدبر سلطنت یا سیاست دان، قانون سلطنت وضع کرتے وقت عام طور پر فطرت انسانی کے متعلق کوئی دعویٰ کر سکے، ہرگز نہیں، اوس کے دعوں میں تمیم اور جامعیت ہو ہی نہیں سکتی، ہاں یہ بے شک ممکن ہے کہ کچھ افراد یا غالب تعداد افراد کے لحاظ سے اوس کا دعویٰ بے شک صحیح ہو، اس ایک مثال کو پیش نظر رکھو، تو معاملات انسانی میں دلیل استقرائی کے محدود، اور غیر جامع ہونے کی ایک اور وجہ بھی نظر آتی ہے، کسی عالم طبیعیات کے پاس ثبوت کا ایک اور وسیلہ اختیار (EXPERIMENT) ہے، لیکن اگر کسی سیاست دان کی حالت پر غور کرو تو اوس کے موضوع میں اس کا امکان ہی نہیں پایا جاتا، فطرت انسانی پر تجربہ کرنا آسان نہیں ہے، تاریخ آج تک محمد تعلق، چارلس اول، اور لوئس شاہ فرانس کی خام خیالی کا ماتم کر رہی ہے، ہماری تحریک عدم تعاون، ہجرت وغیرہ کا سبق بھی، بالخصوص اس باب میں کچھ کم عبرت آموز نہیں ہے،

قصہ مختصر یہ کہ کسی ترغیبی عمل میں دلائل استقرائی کو آئندہ بند کر کے قبول نہ کرنا چاہیئے، ایسا کرنا، اور ظاہری معقولیت سے مرعوب ہو جانا فریب دہ ہوگا، تم شاید یہ اعتراض کرو کہ جب ہر دو اقسام استدلال (استقرائی، اور استخراجی) میں غلطیوں کا اتنا احتمال ہے، تو پھر عنصر ذہنی کی وساطت سے جائز طور پر ترغیب دینا کس طرح ممکن ہے؟ یہ جو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ہر معاملہ کے دو رخ ہوتے ہیں“ یہ واقعی صحیح بھی ہے، ترغیب دہندہ کا کام صرف اسی قدر ہے کہ جس ”رخ“ کو وہ سمجھتا ہے اور پسند کرتا ہے، اوسے حتی الوسع واضح اور مدلل بنا کر اپنے مخاطبین کے سامنے پیش کرے، اور قطعیت کے ساتھ حکم لگانے سے باز رہے، استدلال کا استعمال تکیا سی، اور اعتباری حیثیت سے تو ترغیب میں البتہ ہوسکتا لیکن دعویٰ کے ساتھ ممکن نہیں،

کتابوں اور تقریروں میں عنصر تجبیلی کا استعمال

ترغیب میں عنصر ذہنی کا جو کچھ حصہ ہوتا ہے، وہ اور نیز اوس کے استعمال سے ہم بحث کر چکے

اب ترغیب کے دوسرے عنصر یعنی تخیل، کو لیتے ہیں۔

توضیحات **باجس طرح** عنصر ذہنی کا عام ترین استعمال دلائل کی صورت میں ہوتا ہے، اسی طرح عنصر تخیلی کا استعمال توضیحات کی صورت میں کیا جاتا ہے، ان توضیحات میں زیادہ تر منطقی لفظی استعمال ہوتا ہے، مثلاً تمثیل، استعارہ، تضاد، مبالغہ وغیرہ کہنے کو تو توضیحات اور دلائل علیحدہ علیحدہ الفاظ ہیں، لیکن بیشتر ان میں کوئی زیادہ تفاوت قائم نہیں کیا جاسکتا، کتابوں اور تقریروں میں بہت سے دلائل ایسے نظر آتے ہیں، جن کی ثبوتی حیثیت، منطقی اعتبار سے، توضیحات سے زیادہ نہیں ہوتی، بات دراصل یہ ہے کہ توضیح کا خواہ زبانی ہو، یا تحریری، اشیائے محسوسہ کے ذریعہ سے کی جائے یا لفظی مثال دی جائے، مقصد اولیٰ یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کے دماغ میں کسی مسئلہ کے متعلق جو تصورات و خیالات دھندلے اور مبہم ہوں، ان میں وضاحت پیدا کر دی جائے، ظاہر ہے کہ کسی مسئلہ کے ثبوت، یا کسی طرز عمل کی پروری کے لیے وضاحت خیالات ناگزیر ہے، توضیحات سے چونکہ یہ بات پیدا ہوتی ہے اسلئے اکثر اوقات ان کا اثر بھی ہوتا ہے جو دلائل کا ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جتنا زیادہ جو خیال ہمارے دماغ میں واضح اور صاف ہوتا ہے، اتنا ہی زیادہ سہولت کے ساتھ وہ عملی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے، اس اعتبار سے بھی ترغیب میں توضیحات کی اچھی خاصی اہمیت ہے، ان کی وساطت سے ترغیب دہندہ اپنے حسبِ منتہا افعال کر سکتا ہے، تیسری بات توضیحات میں یہ ہوتی ہے کہ وہ مخاطب میں ایک طرح کی فرحت اور خوشنودی کا اثر پیدا کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے ان میں اخذ اور قبول کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے، اس نقطہ نظر سے دیکھو، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عنصر جذباتی بھی ہم آہنگ ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ توضیحات، دلائل اور جذبات کی ہمنوائی کرتی ہیں، لیکن اصلیت ان کی حیثیت تخیلی ہے نہ کہ عقلی یا جذباتی، عام طور سے یوں کہہ سکتے ہو کہ جس طرح سے کہ ترغیب میں عنصر عقلی و لیلوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اسی طرح سے عنصر تخیلی توضیحات کی وساطت سے اپنا کام کرتا ہے۔

ذیل کے اقتباس سے توضیح کا عنصر تخلیقی ہونا، بخوبی ثابت ہو جائے گا، نیز یہ بھی معلوم

ہو جائے گا کہ ترغیب میں اس کا استعمال کس طریقہ پر کیا جاتا ہے، یہ اقتباس جان برائٹ کی تقریر سے لیا گیا ہے، مقرر کا متنازعہ ثابت کرنا تھا کہ حکومت کی حرفیانہ خارجی پالیسی کی قربان گاہ پر رعایا کی ”گاڑھی کمائی“ اور ملک کی ثروت کس طرح نذر کی جا رہی ہے، اس کی توضیح میں آپ کہتے ہیں:-

”میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ اس پچھلاوہ (توازن اقتدار- آزادی یورپ) کی عبث

تلاش میں ہمارے اس چھوٹے سے بے بضاعت جڑ پکے سے، اور رعایا کی گاڑھی کمائی سے حاصل کیے

ہوئے کم از کم ۲ ارب پونڈ بے دریغ خرچ کر دیئے گئے ہیں، میں اس رقم کا خیالی اندازہ بھی نہیں

لگا سکتا، اسی لئے میں آپ حضرات کو بھی کوئی اندازہ نہیں بتا سکتا کہ یہ رقم کس قدر ہوتی ہے، لیکن

جب کبھی میں اس رقم کا خیال کرتا ہوں تو میری آنکھوں کے سامنے ایک عجیب و غریب مرقع

آ جاتا ہے، میری نظر کے سامنے آپ کے ملک کا شریف کسان زمین کھودتا اور ہل چلاتا ہوا معلوم

ہوتا ہے، فصل بوتا ہے، پھر اسے کاٹتا ہے، گرمیوں کے سورج کی تیز شعاعیں اس کو پسینہ میں تر

بہا کر کے دیتی ہیں، یا شدید جاڑے اسے قبل از قبل ضعیف بنائے دیتے ہیں، پھر میرے خیال میں آپ کے

ملک کے شریف اور مضبوط دست کار کی تصویر آتی ہو، اس کا مردانہ چہرہ، اس کی مہارت فن

میری آنکھوں میں گھوم جاتی ہو، میں دیکھتا ہوں کہ وہ بچہ پر مٹھا ہوا دیدہ ریزی کر رہا ہے، یا بھٹی

کے پاس موجود ہے، اس کے بعد میرے پیش نظر آپ کے ملک کے شمالی حصہ کے کارخانے آتے

ہیں، مجھے ایک کام کرنے والے کی دھندلی تصویر اب بھی نظر آتی ہے، لیکن تصویر جب زیادہ

صاف ہوتی ہے تو عورت کی شکل معلوم ہوتی ہے، عورت کیا بلکہ یون کہتے کہ ایک شریف اور

با حیا و دنیہ جیسی کہ میری یا آپ کی بہنیں اور بیٹیاں ہیں دیکھتا ہوں کہ یہ غریب لڑکی پڑھ

چلانے میں ہمہ تن مصروف ہے، جس کی گردشوں کے سامنے اس کی آنکھ تنک تنک جاتی ہے، اس جگر خراش منظر کے بعد میرے خیالی موقع میں آپ کے ملک کے ایک اور فرقہ آبادی کی تصویر آتی ہے۔ میں غریب کان کنوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتا ہوں، جن کو زیر زمین رہتے ہوئے اتنی مدت گزری کہ آفتاب کا وجود ان کے لیے خیالی شے سے زیادہ وقت نہیں رکھتا، یہ جیسا زمین کا جگر شق کر کے اس ملک کے تمول اور اس کی ثمرت کے عناصر نکالتے ہیں، میں یہ سب نظارے دیکھ چکنا ہوں تو بھی مجھے ڈوب پونڈ کا تصور ٹھیک طور سے نہیں ہو سکتا، ہاں ایک بات کا تصور البتہ واضح تر ہو جاتا ہے، اور وہ کیا؟ آپ کی حکومت کی شدید ترین غلطی جس کی مہلک پالیسی کی بدولت اس ملک کی آدمی دولت کم از کم ایک ثلث ہر سال فضول خرچ ہو جاتی ہے، خداوند تعالیٰ کا منشا تو یہ تھا کہ کثیر رقم جو آپ لوگوں کی محنت سے حاصل کی جاتی ہے، اس ملک کی بہبود اوس کی سرسبزی، اور زرخیزی میں کام آئے، لیکن یہی رقم دنیا کے ہر گوشہ میں ہر سال کال بے دردی سے لٹا دی جاتی ہے، جس سے اہل انگلستان کو کسی طرح کا کوئی فائدہ نہیں،

مقابلہ موازنہ، مقابلہ اور موازنہ سے کبھی اکثر اوقات کتابوں اور تقریروں میں اتفاقات کی توضیح کی جاتی ہے، دیگر اقسام توضیحات کی طرح ان کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ واقعات میں وضاحت پیدا کر دیں، اور ساتھ ہی ساتھ دلچسپی اور جدت بھی ہوتی رہے، مقابلہ اور موازنہ سے ایک خاص فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی وساطت سے کوئی تقریر یا مصنف ایک ہی واقعہ کو تکرار پیش کر سکتا ہے، لیکن اس تکرار سے مخاطبین کی دلچسپی میں فرق نہیں آتا، حالانکہ عام طور پر تکرار اور دلچسپی میں نسبت منکوسہ یعنی اول الذکر میں اضافہ دوسرے میں کمی کو مستلزم ہے، دوسری بات یہ کہ مقابلوں اور موازنوں کے ذریعہ سے کتابوں اور تقریروں میں زندہ دلی اور لطافت کی جھلک بھی پیدا ہو جاتی ہے، اور یہ دونوں باتیں ترغیب کی کامیابی میں بہت کچھ مدد و معاون ہوتی ہیں، ہر مقابلہ میں مشترک اصول یہ ہوتا ہے

کہ قیقہ انہم چیزوں کو سہل اور معلوم چیزوں کے ذریعہ ذہن نشین کیا جاتا ہے، یا تجریدی خیالات کو سمجھانے کی غرض سے، تجربات حسی اور اشیائے محسوسہ کو استعمال کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام اعلیٰ درجہ کے موازنوں اور مقابلوں میں موجودات قدرت، حیات باقی و حیوانی، اعمال نشوونما، مشاغل اور تفریحات انسانی وغیرہ کا استعمال نہایت لطافت کے ساتھ کیا جاتا ہے، مقابلوں کی توصیحات میں وہی حیثیت ہوتی ہے جو تمثیلات کی دلائل میں، اور کبھی کبھی توازی دونوں میں فرق کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے، اگر ان دونوں کو عمیق نظر سے دیکھو تو پتہ چلتا ہے کہ جسے تمثیل کہتے ہیں اس کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ اصل واقعہ یا اصل حالت سے ملنے جلتے واقعات اور حالات کا بیان کر دیا جائے، واقعات، اور حالات سے یہ مراد کہ جو حقیقت کسی وقت میں پیش آچکے ہوں، اس کے بالکل برعکس، مقابلہ میں کبھی اتنے کو سمجھانے کے لیے کوئی فرضی مثال یا اختراعی واقعہ استعمال کیا جاتا ہے، واقعیت کا پایا جانا اس میں ضروری نہیں سمجھا جاتا، تمثیلات اور توصیحات میں دوسرا فرق یہ ہے کہ تمثیل کو دلائل میں استعمال کرتے وقت اس کا خاص لحاظ کرنا پڑتا ہے کہ مثل اور مثل خاص خاص باتوں میں ایک دوسرے سے انتہائی مشابہت رکھتے ہوں، برخلاف اس کے مقابلہ کو بحقیقت تو وضع استعمال کرتے وقت فرضی سطحی مشابہت یا ظاہری فرق پر اتفاق کی جاتی ہے، ذیل کی مثال کو غور سے دیکھو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ دو چیزوں کا مقابلہ یا موازنہ محض سطحی فرق یا مشابہت کی بنا پر کس طرح کیا جاتا ہے، یہ قیاس رائٹ آرنیبل رابرٹ ٹوکی اوس تقریر کا ہے جو صاحب موصوف نے ۲۶ اپریل ۱۹۳۷ء میں راجھوٹا انگلستان میں کی موضوع بحث ”اصلاح پارلیمنٹ“ تھا، صاحب موصوف کے مخالفین نے یہ رائے ظاہر کی کہ اگر حق رائے جو اس وقت خاص اہمیت کی بنا پر لوگوں کو حاصل ہے عام کر دیا جائے، تو رائے دہندگان کی خرابیاں، مثلاً رشوت ستانی وغیرہ خود بخود دھو دھو جائیں، اس کی مخالفت کرتے ہوئے صاحب موصوف نے حسب ذیل مقابلہ تو ضمنی سے کام لیا:۔

”ہمارے مخالفین کا بیان ہے کہ موجودہ بیماری کا علاج یہ ہے کہ ایک کثیر تعداد کو حق کرائے
دیکر اس زہر کی قوت کو کم کر دیا جائے جس طرح سے کہ تیزاب میں پانی ملائے سے اس کا
اثر کم ہو جاتا ہے،

اگر بیماری کی طرح صحت بھی متعدی ہو ا کرتی، اور اس کا سران بھی ممکن ہوتا، تو ہم اس
نزاعی منطق کے بے شک قائل ہو جاتے، لیکن واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے، اگر میرے پاس
نصف درجن بیمار مویشی ہوں، اور میں ۱۰۰ عدد مندرست مویشیوں کو ان کے ساتھ رکھوں
تو میری اس تدبیر سے صحیح مویشی تو البتہ بیمار پڑ سکتے ہیں، لیکن پہلے کے بیمار مویشی کسی
طرح اچھے نہیں ہو سکتے۔“

غور سے دیکھو کہ رشوت ستان، اسے دہندگان پر بیمار مویشی کی تطبیق کس ص

ہمک درست کہی جا سکتی ہے؟ رشوت ستانی، کو مرض متعدی، بنا کر اس کی بنا پر استدلال کرنا
کس قدر سطحی اور غیر حقیقی مقابلہ ہے، لیکن مقابلہ میں یہ چیزیں جائز ہیں، تمثیل میں نہیں،

قصہ گوئی، روایت، حکایت، **توضیح کی ایک** اور قسم جس کی بنا منطق کے اصول مشابہت

پر ہے، کسی قصہ یا روایت کا بیان کرنا ہی، جو قصے جائز طور پر استعمال کیے جاتے ہیں، ان میں کسلی سی
ہی صورت حالات کا بیان ہوتا ہے، جیسی کہ موضوع بحث میں موجود ہے، ان میں سے موخر الذکر پر روشنی
پڑتی ہے، فرضی اور غیر متعلق قصے ترغیب کو ناجائز بنا دیتے ہیں، اور مخاطبین ان کے دھوکے میں آسانی
آجاتے ہیں،

قصوں کا استعمال کتابوں اور تقریروں میں بہت عام ہے، شروع مضمون میں

ان سے تمہید کا کام لیا جاتا ہے، اور مخاطبین کو آئندہ خیالات کے سمجھنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے، ان
مضمون میں ان سے تفہیم میں مدد ملتی ہے، مذہبی مباحث میں قصوں کا استعمال بہت کثرت سے ہوتا ہے

اس کی وجہ یہی ہے کہ روحانیت، حقانیت، عقائد اور اعمال کی تجدیدی بحثیں بغیر اس قسم کی توضیح کے عام لوگوں کی سمجھ سے باہر ہوتی ہیں، کتب لہامی میں کثرت سے قصے ہوتے ہیں، اور ان سے پیچیدہ باتوں کے سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے،

سر توضیحی قصہ کی صفت خصوصی یہ ہونا چاہیے کہ معاملہ زیر بحث پر اس کا تحقیقی معنوں میں اطلاق ہو سکے، محض لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ایسے قصے بیان کرنا جنہیں اور موضوع بحث میں کوئی اتحاد اور رابطہ ہی نہ ہو، ترغیب باطل کا پتہ دیتا ہے، توضیحات عام طور پر جالب توجہ ہوتی ہیں اور دلچسپی پیدا کرتی ہیں، اسی وجہ سے اکثر اوقات مقررین اور مصنفین کو ان کے استعمال کی خاص خواہش ہوتی ہے، اس لیے نہیں کہ نضمون زیر بحث پر اس سے روشنی پڑے، بلکہ محض اس لیے کہ لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف مائل کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ نام نہاد خطیب اور بازاری زعماء اپنی تقریروں میں ایسی مثالیں بیان کرتے ہیں، جو دائرہ بحث سے باہر، اور بے ربط ہوتی ہیں، یا ایسے موازنوں اور قصوں کا استعمال کر جاتے ہیں جن کا تعلق نفس بحث کے ساتھ سطحی اور غیر حقیقی ہوتا ہے، اور جن کی حیثیت تبلیغات سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوتی، ہر اخبار میں، ذرا سی کوشش اور تلاش سے اس قسم کی مثالیں سیاسی تقریروں سے ڈھونڈ سکتا ہے،

عنصر جذبی کا استعمال کتابوں و تقریروں میں

ترغیب کے لیے جذبہ کا دھڑلہ ہی جس طرح عنصر ذہنی کا عام ترین اظہار دلائل اور عنصر تخیلی کا توضیحات کی شکل میں ہوتا ہے، اسی طرح سے عنصر جذبی کا اظہار چند خاص خاص صورتوں میں کیا جاتا ہے، مثلاً استغناء، مہملہ، کینا، یا کلمہ حیرت کا استعمال (اللہ- اللہ! آج وہ دن ہے کہ.....) مخاطبت یا ندا ”بھائی! مسلمانو!، دیش بندھو، وغیرہ، پیش رائے مثلاً ”وہ دن دور نہیں ہے کہ جب....“ وغیرہ وغیرہ (جیسے ان لوگوں پر خدا کی بار ہو وغیرہ) خداوند تعالیٰ کو مخاطب کرنا جیسے

خدا یا تیرے ہاتھ بڑے ہیں.....)

اگرچہ فی زمانہ متانت اور سنجیدگی کے مواقع پر جذبات کو تحریک دینا خطا بہت کا کمال تصور نہیں ہوتا، بلکہ ادھنیں محض رکھنا اور استدلال کا پہلو لے ہوئے بحث جاری رکھنا جزو فصاحت ہو گیا ہی تاہم مذکورہ بالا صورتوں میں سے بہت سی آج کل بھی رائج ہیں، ایسی تحریریں ناظرین کو الہلال کی مجلدات - اور بالخصوص مقالات افتتاحیہ میں بہت کثرت سے نظر آئیں گی، تقریری ترغیب میں تو ان کا استعمال بہت ہی زیادہ ہوتا ہے، تحریروں پر فرصت کے مواقع پر غور کیا جاسکتا ہے، لیکن مقرر دن کو اتنی فرصت کمان کہ مدلل بحثوں سے اپنا مقصد حاصل کریں، لہذا وہ زیادہ تر جذبات سے بحث کرتے ہیں، اور سامعین کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں،

جذبات کی اپیل اگرچہ بہت سے نقائص رکھتی ہے تاہم ترغیب کی کامیابی کے لیے ان کا استعمال ناگزیر ہے، جذبہ شل ایک توت عر کے ہے، جو ترغیب و ہندہ کی ذات سے گزر کر اوس کے مخاطبین پر بھی اثر کرتی ہے، اور ان سے کسی مجوزہ طرز عمل کی پیروی کراتی ہے، اس کے بغیر ترغیب ہو ہی نہیں سکتی، جب ہم کسی روش یا نقطہ خیال کی مخالفت کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے دل میں رنج، شرم، خوف، توہین وغیرہ میں سے کسی ایک جذبہ کا تسلط ہونا ضروری ہے، اور اسی کو ہم اپنے مخاطبین میں پیدا کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں، بعینہ جب ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو کسی طرز عمل کی طرف مائل کیا جائے تو اس صورت میں ہم ادون جذبات سے مدد لیتے ہیں جن سے تقویت یا تحریک ہو سکے، مثلاً اُمید، حُب الوطنی، رشک، غصہ، ان دو صورتوں کے علاوہ کچھ اور جذبات ایسے بھی ہوتے ہیں جو اگرچہ بذات خود تحریک یا زدید کی صلاحیت نہیں رکھتے، لیکن پھر بھی مذکورہ بالا قسموں میں سے کسی ایک کے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں، انکی مثالیں

یہ ہیں۔ خوشی، محبت، قدر۔ ہمدردی وغیرہ۔

ترغیب میں جذبات کو بالواسطہ، یہ ایک عجیب بات ہے کہ باوجودیکہ ہر ترغیب کا جزو لاینفک جذبہ تحریک دی جاتی ہے، ہی ہوتا ہے، لیکن پھر بھی ترغیب دہندہ کا مقصد لوگوں پر یہی ظاہر کرنا ہوتا ہے

کہ گویا دلائل کے ذریعہ سے یقین دلایا جا رہا ہے، دوسروں کو ترغیب دیتے وقت اس بات کی ممکن گزشتہ کی جاتی ہے کہ اون کو یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ ہم اون کے جذبات پر اثر ڈال رہے ہیں، اسی وجہ سے ترغیب میں براہ راست جذبات کو تحریک نہیں دی جاتی بلکہ عقل یا تخیل کی ریشہ دوانیوں سے اون کو بیدار کیا جاتا ہے کسی موضوع سے بحث کرتے وقت ہم دھپ اور واضح ترین طریقہ پر اس کا احضار کرتے ہیں، اور اس ترکیب سے مخاطبین کی کسی خواہش یا جذبہ کو تحریک دیتے ہیں، اس کا بھی خاص التزام کیا جاتا ہے کہ مخاطبین کہیں یہ خیال نہ کریں کہ ہم عمداً اون کے تاثرات یا جذبات کو براہِ گنجتہ کر رہے ہیں، اس اخفا کے لیے مضمون کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ ناظرین کو یقین ہو جائے کہ اون کے جذبات کو بجا طور پر اشتعال دیا گیا ہے، اور وہ یہ محسوس کریں کہ ہماری ترغیب کے بموجب عمل کرنے سے ان جذبات کی تشفی ہو سکے گی،

جذبہ کو بالواسطہ ترغیب دینے کے طریقے، (۱) کسی شے کو ممکن اور قریح ثابت کر دیکھانا، دلیل کی اگرچہ

با اعتبار اسکی حیثیت کے تاثرات پر عقلی سے ہوتی ہے، لیکن جذبات کے براہِ گنجتہ کرنے میں اسکا بھی اچھا خاصہ حصہ ہو سکتا ہے، یہ اس طرح ہوتا ہے کہ فراہمی ثبوت، اور دیگر شواہد عقلی و نقلی کی بنیاد پر لوگوں کے ذہن میں کسی چیز کے متعلق متیقن کی کیفیت پیدا کر دی جاتی ہے، یا کم از کم اسکا امکان اون پر ثابت کر دیا جاتا ہے، یہ امکان، متیقن کی تو متیقن رفتہ رفتہ معتقدات کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور یہیں سے جذبات کا عمل شروع ہو جاتا ہے، فرض کرو کہ کسی مقدمہ کی سماعت کے وقت وکیل استغاثہ، بیج اور جوہری کو لازم کے جرم کا یقین دلادے، تو اس متیقن کی کیفیت کے ساتھ ہی ساتھ

ایک طرف تو ان اصحاب میں احساسِ فرض کا جذبہ پیدا ہوتا ہی، اور دوسری طرف جرم اور اوس کے مفسر اثرات کا تصور ان کے جذبہ غضب کو اشتعالک دیتا ہی، ان ہر دو جذبات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بالآخر ملزم کے مجرم ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا جاتا ہی، اسی مثال میں دیکھو کہ وکیل کی تقریر سے قبل، جج یا جوری کے قلوب پر کسی جذبہ کا اثر نہ تھا، جس سے اون کے فیصلہ پر اثر پڑتا لیکن وکیل کے دلائل نے یقین اور یقین نے جذبات پیدا کر دیئے، مختصر یہ کہ کسی واقعہ یا صورتِ حال کو اس اسلوب سے پیش کرنا کہ وہ ممکن معلوم دینے لگے، بالواسطہ تحریکِ جذبات میں بہت کچھ کارگر ہوتا ہے،

(۲) کسی شے کو صداقت نہ ماننا کر پیش کرنا:۔ مذکورہ بالا مقصد حاصل

کرنے کی ایک دوسری سبیل یہ ہے کہ حضراتِ واقعات میں بجائے امکان کے صداقت نہائی پیدا کر دی جائے، عام طور سے کسی شے کو ممکن وقوع ثابت کر دکھانے اور اسے صداقت نہا، بنانے میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا، یہ دونوں چیزیں جذبات کی تحریک میں معاون ہوتی ہیں اور اس اعتبار سے ادھن ایک کہہ سکتے ہو لیکن کسی شے میں امکان پیدا کرنا، دلیل چاہتا ہے، اور فاعل کی قوت استدلال پر منحصر ہے، مگر صداقت نہائی واقعات کی صفت ہوتی ہے، جو اپنی ساخت یا رنگ آمیزی کی وجہ سے لوگوں میں توجہ اور شوق پیدا کرتے ہیں، جس طرح سے اول الذکر کا تعلق ترغیب کے عنصر عقلی سے ہے، اسی طرح سے مؤخر الذکر عنصر تخیلی سے علاقہ رکھتی ہے، کسی حیوان کو صداقت نہا اس صورت میں کہا جاتا ہے، جب اوس کی ظاہری حالت کو اس طرح بنا دیا جائے کہ واقعات، اون کی ترتیب اور اون کے اپنی رشتے بالکل قدرتی اور ناگزیر نظر آئیں، اور ہمارے علم تجربات سے اون کی تصدیق ہوتی ہو، اس قسم کے بیانات کو ذہنِ بخوشی سنتا ہے، اور انہیں حقیقی اور واقعی مان لینے کے لیے جلد آمادہ ہو جاتا ہے، لیکن اگر کسی بیان میں ایسے مجموعہ خیالات کا

اظہار کیا جائے جن کی تائید و توثیق عام تجربات نہیں کرتے، تو ذہن کو اس کے سمجھنے میں دقت کا سامنا ہوتا ہے، اور انھیں خلافتِ فطرت - ناقابلِ یقین - یا باطل سمجھ کر مسترد کر دینے کا میلان طبیعت میں پیدا ہو جاتا ہے کسی بیان میں خواہ امکان پایا جائے یا نہ پایا جائے، محض صداقت نامائی، کی صفت ہی غاطبین میں ایک طرح کی فرحت پیدا کر دیتی ہے، اور ترغیب و ثبات ہوتی ہو مثلاً اگر راستہ میں کوئی فقیر تم سے اپنی مصیبتوں کی داستان و پھسپ اور صداقت ناما پیرایہ میں بیان کرے تو خواہ تم اس کے بیان کی صداقت میں شبہ ہی کیوں نہ کرو۔ لیکن اس کی مدد کرنے کو مستعد ہو جاتے ہو۔ اس صورت میں ترغیب کا کل وجہ عمل صداقت نامائی کے اثر سے ہے، چونکہ یہ متخیلہ سے اہل کرتی ہے اور ایک تسم کی ترویج و اثر پیدا کرتی ہو۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ ترغیب کے معین و مؤید جذبات کو بیدار کرنے میں یہ امکان، سے کمین زیادہ کارگر ہوتی ہو، لیکن جب واضح اور مقررہ واقعات سے بحث ہو رہی ہو، یا فیصلہ کی نوعیت پر بہت سی ضروری باتوں کا انحصار ہو (مثلاً کسی مقدمہ میں) تو اس وقت امکان، کو زیادہ موثر خیال کرنا چاہیے، ایسی صورت میں صداقت نامائی پر نہ جانا چاہیے،

ہمضمون زیر بحث کی اہمیت پر زور دینا ذہن اور تخیل کے واسطہ سے جذبہ کو بیدار کرنے کی ایک نیری ترکیب یہ کہ ہمضمون ترغیب کی اہمیت پر زور دیا جائے۔ اس ترکیب سے اول تو توجہ زیادہ مرکوز ہوتی ہو، دوسرے خیالات کی قوت اور ادنیٰ وضاحت میں اضافہ ہوتا ہے یہ دونوں باتیں مل جل کر جذبات کی قوت کو زیادہ کر دیتی ہیں، مثلاً اگر تم کسی فرد یا قوم کے فحش فعل کو بدترین صورت میں اپنے غاطبین کے سامنے پیش کرو، یا کم از کم انھیں اس کا یقین دلا دو کہ اس فعل کے مضر اثرات کی اہمیت بہت کچھ ہوگی تو تم اپنے غاطبین میں غصہ کے جذبات کو بہت کچھ شدت کے ساتھ اشتعال دے سکتے ہو۔

۴ ترغیب دیتے وقت ایسے واقعات کا بیان کرنا جو حال ہی میں رونما ہوئے ہوں، یا جن کے متعلق یہ پیش گوئی کی جاسکے کہ عنقریب رونما ہونے والے ہوں (اور ان واقعات کی نسبت جو بہت زمانہ قبل وقوع میں آچکے ہوں) جذبات کو کمین زیادہ تحریک دیتا ہے، جذبات کے مشتعل کرنے میں قرب زمانی کی بہ نسبت قرب مکانی بھی کمین زیادہ مفید ہوتا ہے، تم ایسے واقعات سے جو دور و دراز ملکوں میں وقوع پذیر ہوئے ہوں، اتنے زیادہ متاثر نہیں ہوتے جتنا کہ خود اپنے ملک یا اپنے قبیلہ کے واقعات سے، اگر آج امریکہ میں کوئی عالمگیر اثر رکھنے والا حادثہ پیش آئے۔ اور آج ہی حیدرآباد میں کوئی معمولی حادثہ ہو جائے تو کل کا صحیفہ پڑھتے وقت سب سے پہلے میں مقامی حالات میں اس واقعہ کے حالات پڑھنے کی خواہش کروں گا۔ اور اس کے بعد دنیا کی اہم ترین باتوں کی طرف توجہ کروں گا،

(۵) ترغیب میں جذبات کے حصہ سے بحث کرتے وقت ایک اور بات جس کا لحاظ ضروری ہے، یہ ہے کہ مصنف یا مقرر (ترغیب دہندہ) اور اس کے موضوع ترغیب کا مخاطب میں سے کتنا گہرا تعلق ہے، جب حیدرآباد وکن میں ایک عام جلسہ میں مولانا حالی مرحوم نے اپنی نظم چپ کی داد کا آغاز اس طرح کیا ہے

اے ماؤں، بہنو، بیٹو
دنیا کی زینت تم سے ہے

تو سامعین نے اس کا بہت کچھ اثر لیا۔ اونیوں نے محسوس کیا کہ مولانا مرحوم کی نظم کا ان سے قریب بن تعلق ہے، برخلاف اس کے اگر وہ مخاطب کا یہ طریقہ اختیار کرتے تو شاید اتنا اثر نہ ہوتا اسی طرح جب مارک انٹونی، جو لیس سینز کے قتل کے بعد جمع سے ان الفاظ میں یہ خطاب کرتا ہے،
”دوستو! رد میو! اہم وطنو!!“

تو اس کا اثر جمع بہت زیادہ ہوتا ہے۔ الفاظ کی ترتیب پر غور کرو۔ دوسرا پہلے سے زیادہ

اور میرا دوسرے سے زیادہ مقرر کو مخاطبین کی ہمدردی کا مستحق ثابت کرتا ہے۔ ظالم کے حامیوں میں خدا و انتقام کے جذبات جو کی ظالم کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں، وہ اتنے شدید نہیں ہوتے جتنے کہ مظلوم سے تعلق رکھنے والوں کے دلوں میں، ستمنا میں، مکر کوں کا کشت خون دنیا کے اسلام میں تھلکہ ڈالتا ہے۔ لیکن ہندوستان کے ہندو اس سے اتنے زیادہ متاثر نہیں ہوتے جتنے کہ یہاں مسلمان۔ اگر کوئی مقرر اپنے سامعین کو یہ باور کرائے کہ فلاں فعل اون کو بھی متاثر کرے گا۔ تو وہ اُن کے جذبات کو یقیناً زیادہ کامیابی کے ساتھ براہِ نگہتہ کر سیکے گا۔ طبع انسانی کچھ اس طرح پرواقع ہوتی ہے کہ غیر متعلق اثرات کی نسبت اپنی ذات تک پہنچنے والے نتائج کا کہیں زیادہ اثر لیتی ہے یہ جو کسی نے کہا۔ ع۔

گزرتی ہے جو دیرِ مبتلا کے مبتلا جانے

واقعی سچ بھی ہے، سیدھی سی بات ہے کہ جب تم کسی شخص کا ناجائز طور پر نقصان ہوتے دیکھتے ہو، تو تمہیں غصہ تو ضرور آتا ہے، لیکن خود اس شخص کے غصہ کی سی شدت تم میں نہیں پیدا ہوتی، تمہارا غصہ یہ چاہتا ہے کہ نقصان رسان سے کسی طرح کا تاوان لیا جائے۔ یا اس سے منفعل اور شرمندہ کیا جائے۔ لیکن اس شخص کا غصہ (جس کا نقصان ہوا ہے) بعض وقت اتنا شدید ہوتا ہے کہ انتقام کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اسی طرح سے دیکھو کہ کسی خیر المزاج شخص کی فیاضی کا حال سنکر تم میں صرف مسرت اور امتنان کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں، لیکن جو شخص کہ فی الحقیقت اس فیاضی کا مہون منت ہے اس کے جذبات مسرت اور امتنان سے گزر کر، تشکر، احسان مندی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ مذکور بالا بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مقرر اپنے مخاطبین کے جذبات کو قوی تر بنانا چاہے تو اس کی ترکیب یہ ہے کہ وہ کسی فعل کو ایسے پیرایہ میں پیش کرے کہ یہ مخاطبین بھی اس کے اثرات اپنی ذات پر محسوس کر سکیں۔ مثلاً پہلی مثال میں اگر تمہیں یہ باور کرایا جائے کہ جو

نقصانِ فلان شخص کو پہنچایا گیا ہے، اس کے اثرات تم تک بھی پہنچتے ہیں۔ تو لا محالہ تمہارے جذبات بھی انتقام کی شکل اختیار کر لیں گے۔ فردوسیؒ میں بہار میں زبردست سیلاب آیا تھا جس سے کئی گاؤں تباہ، اور ہزاروں لوگ بے خانان ہو گئے تھے، دوسرے صوبوں کے باشندوں نے بھی اس مصیبت کا حال پڑھا تھا، ان کے طلب میں یہ پڑھ کر ایک سرسری رنج و ہمدردی کی کیفیت ضرور پیدا ہوئی تھی، لیکن اس کیفیت میں کسی طرح کی شدت نہ تھی، بات یہ تھی کہ یہ لوگ یہ محسوس کر سکتے تھے کہ اس طوفان کے اثرات خود ان کی ذات پر کیا ہیں۔ لیکن جب چند جادو بیان مقرر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور انھوں نے ہندوستان کے تمام حصوں میں دورہ لگا کر اپنی تقریر سے لوگوں کو اس کا احساس کرایا تو سب نے چند دینا شروع کر دیا وجہ صرف یہ تھی کہ بعد مکانی، عدم واقفیت۔ اور بے تعلقی کی وجہ سے پہلے لوگوں کے جذبات صرف سرسری ہمدردی اور رنج کے تھے، لیکن جب چشم دید حالات سنا گئے، تباہ شدہ علاقوں کی تصویریں کھلائی گئیں، اور لوگوں کو یقین دلا گیا کہ وہ بھی بحیثیت انسان اور ہندوستانی ہونے کے اس سے متاثر ہوتے ہیں تو ان کے جذبات شدید اور ارادی ہمدردی میں منتقل ہو گئے، اور چندہ دینے کے محرک ہوئے۔

ظرافت، اور خوش طبعی، **آترغیب میں** اکثر اوقات ظرافت، اور خوش طبعی بھی بہت کچھ مؤثر ہوتی ہیں، یہ تو عام تجربہ بتاتا ہے کہ وہی ایک بات جب غلیظانہ خشکی اور دبدبانہ متانت کے ساتھ کہی جاتی ہے، وماغ پر اتنا اثر نہیں کرتی، جتنا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جب یہی بات ظریفانہ اور خوش طبعی کے سپر ایہ میں پیش کی جاتی ہے، اول الذکر صورت میں وماغ تجریدی بحثوں سے پریشان ہوتا ہے، ثانی الذکر صورت میں سرلیح الفہم ہونے کے علاوہ ایک طرح کا خوشگوار تاثر بھی پیدا ہوتا ہے۔ دلیل اور منطق کے خنک ٹکڑے عام طور پر قابل قبول نہیں ہوتے، لیکن جب ان میں

ظرافت اور خوش طبعی کی چاشنی دیدی جاتی ہے، تو یہ ہر شخص کے پسند خاطر ہوتے ہیں، مگر دین و تقویٰ کی ناقدری پر ہندوستان کے متعدد و فاضل علمائے مسلمانوں کو توجہ دلائی۔ آیات قرآنی اور دلائل سے ان کی ضرورت کو واضح کیا، اوس کو اکبر مرحوم نے ایک ظریفانہ پیرایہ میں پیش کیا۔ ہر پڑھنے والے کے دل پر اثر ہوا۔ وہی ہوا۔

کچر یون میں ہر پرش گرجو میوں کی شرک پہ مانگ ہو تلیوں کی اور میٹوں کی
نہیں جو پوچھ تو بس علم دین و تقویٰ کی خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے میٹوں کی

یا

سید اٹھے جو گزرتے لیکے تو لاکھوں لاکے شیخ قرآن کھاتے پھرے پیسہ نہ بلا
اکبر مرحوم کی شاعری اور سجاد حسین مرحوم کے اخبار اور مدینہ کی مقبولیت کی یہی وجہ ہے، انجمن سالہا سال سے پنچ، جو اثر عام رائے پر ڈال رہا ہے وہ صرف ان سیاست کی مدلل تقریروں سے ہرگز نہ پیدا ہو سکتا تھا،

ظرافت اور خوش طبعی حقیقت میں علحدہ و ملحدہ چیزیں ہیں۔ لیکن ان کے درمیان
کوئی ممتاز حد فاصل قائم نہیں کی جاسکتی۔ اور نہ ان کی مختلف اشکال میں باہمی تمیز ہو سکتی ہے کہ یہ ظرافت کی شکل ہو۔ اور یہ خوش طبعی کی، ان دونوں کی مشترکہ صفت یہ ہے کہ ہماری فطرت کے ہر عناصر ذہنی، تخیلی اور جذباتی سے مناسبت رکھتی ہیں۔ جب متیقن کی کیفیت پیدا کریں۔ تو ان کا تعلق غصہ و نفرت سے ہوتا ہے، جب خیالی موازنوں سے کام لیا جاتا ہے، اور خوشگوار اثر پیدا کیا جاتا ہے، تو ان کا عمل غصہ و نفرت پر منحصر ہوتا ہے۔ اور جب احساسات کو بیدار کیا جاتا ہے، تو جذباتی غصہ لگاؤ ہوتا ہے،

ظرافت ہو یا خوش طبعی، ان کے اثر کی وجہ تلاش کرو تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان دونوں میں

بظاہر ہے تعلق، اور بے سرو پا خیالات کو اس طرح سے مخلوط کر دیا جاتا ہے۔ کہ تعجب اور خوشی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، خوش طبعی میں ”تعجب“ کا تاثر اتنا نہیں پیدا ہوتا جتنا کہ ظرافت میں۔ وہ زیادہ تر جذبہ بی ہوتی جو اور بی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی اور اس کا لازمی جز ہے، بقول بشیر کہ ”خوش طبعی نام ہی محبت اور ظرافت کے مجموعہ کا“، کارلائل کہتا ہے کہ ”خوش طبعی ہمیدہ طبیعت اور کل موجودات کے ساتھ پُر جوش خلوص اور محبت چاہتی ہے“، یہی وجہ ہے کہ خوش طبعی کی استدلالی اہمیت کچھ زیادہ نہیں ہوتی، ہاں جذبات کا لگاؤ البتہ بہت کچھ ہوتا ہے اور خوش طبع شخص کی طرف ہر شخص کا دل خود بخود مائل ہوتا ہے۔

ترغیب میں ظرافت کا اثر خوش طبعی کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ اور موضوع ترغیب سے اس کا تعلق بھی بہت کچھ گہرا ہوتا ہے۔ ظرافت کے معنی میں تعقل اور استدلال بھی داخل ہے اور ظرافت کے ہر نمونہ میں تم کو دیلون کا شائبہ زیادہ نظر آئے گا۔ خوش طبعی کی نسبت اس میں تعجب کی کیفیت کو کم دخل ہوتا ہے، اس کا حربہ زیادہ باطن دار ہوتا ہے، اور گہرا کا شائبہ خوش طبع شخص معصومیت کے ساتھ مہنسا ہے، اور دوسروں کو مہنسا تا ہے، ظریف آدمی دانتوں کے نیچے ہونٹ و باکر مسکراتا ہے، اوکی آنکھوں میں شرارت کی چمک ہوتی ہے، یہ غیر متعلق لوگوں کو مہنسا تا ہے، لیکن جن پر اس کا وار ہوتا ہے وہ دل میں روتے ہیں جب ظرافت، کتا یہ یا تسخر، طنز یا جو طبع کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ تو اس کا وار زیادہ سخت ہو جاتا ہے، خوش طبعی کی مثال میں ہم کلام اکبر کو پیش کر سکتے ہیں۔ اس کا بیشتر حصہ جو طبع سے پاک ہے اور پر لطف پیرایہ میں اظہار خیالات کرتا ہے ظرافت کی مثالیں زیادہ تر اوپر دھنچ کی پُرانی جملات میں نظر آئیں گی، اور اس کی مذکور بالا اقسام میں نظر آئیں گی، ہم ذیل میں کچھ اقتباسات دیتے ہیں جن سے متین اور سنجیدہ تحریروں میں طنز اور جو طبع کا استعمال بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے،

سنہری گراموفون سے ایک نیا نغمہ لیڈری کا طوطی کہنے مشق

(اس مضمون میں ہنر پائیس آغا خان کی اس تجویز پر کہ ترکوں کو جنگ بلقان سے کنارہ کش ہو کر صلح کر لینی چاہیے اعتراضات کیے گئے ہیں)

”میں نے اُن کا مشورہ ہو کر اسلام کو اپنے یورپین مقبوضات سے فوراً جلا وطن ہو جانا چاہئے“
صرف ایشیا ہی پر نواخت کرنا چاہیے، ایسا کرنے سے ایک نعمت گران مایہ یعنی ”دولت علیہ برطانیہ“
کی سرپرستانہ اعانت اور اسلام نوازانہ ہر نوازش کی دولت لازوال حاصل ہو جائے گی۔
یہ ایک بانسری کی نئی حکایت ”ایا گراموفون کا نغمہ تازہ ہو۔ جو ہنر پائیس کے ساز وجود سے
منتقل ہو کر، سامعہ نواز بزم و انجمن ہو رہا ہے،

بعض ظاہرین بد مزہ ہو رہے ہیں کہ یہ آواز تو کچھ خوش آئند نہیں، لیکن باطن شناسان
حقیقت کہتے ہیں کہ ملامت بے فائدہ ہے، تم اُن تاروں کو دیکھتے ہو جن سے آواز نکلتی ہے، اور جاری
نظر اُن انگلیوں پر جو اپنے زیر و بالا پڑ رہی ہیں!

نغمہ از نایست، نے از ”نے“ بدان!

ہنر پائیس نے اس ایک چٹھی میں اپنے ”باطنی“ کمالات کے کتنے عجیبے بدے ہیں! آغاز
تحریر میں ترکوں کی ہمدردی کرتے ہوئے اپنے مین مسلمان ظاہر کرتے ہیں، کچھ دیکر بعد اُن کو
اس خیال سے سخت پریشانی ہوتی ہے کہ ”جنگ دوبارہ جاری کر دی جائے“ یہاں اگر وہ موجود
سیحی جہاد کے مقدس علم بردار شاہ (فرڈیننڈ) کے ہاتھ بیعت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کیونکہ
صوفیائے بعینہ ہی آواز دہرائی گئی ہے کہ ترکوں کو جنگ جاری رکھنے کا مشورہ نہ دیا جائے،

آگے چلا اور ان کا چہرہ زیادہ صاف نظر آتا ہے، وہ بے کلام مشورہ دینے کے لیے بڑھتے ہیں کہ
 ”اسد کم لے بہتر ہے کہ یورپ کو خالی کر دے“ اب اون کا لباس بنگالی وضع کی جگہ اون کی پہلی
 انگریزی وضع اختیار کر لیتا ہے، کیونکہ اس مذہب کے ابولا بار مشرک لکھا اسٹون نے بھی ^{۷۷}
 میں یہی رائے دی تھی کہ

”بس اب ترکی کے لئے صرف ایک ہی کام رہ گیا ہے، یعنی فوراً اپنے مدیروں تک
 باشندوں، قاتل معاموں، اور باشی بزتون کو ساتھ لیکر اپنی گھڑی اور پیچھے سمیت باغورس
 کے پار ایشیا میں چلی جائے“

البتہ گلیڈ اسٹون کا نیا تنا سخی نسبتہ اچھے لفظوں میں ہوا ہے۔

اس مثال سے طنز اور سچو طبع کے معائب اور محاسن بحسب محرکات ترغیب بخوبی ظاہر
 ہو جاتے ہیں۔ جس چیز کی مخالفت کی گئی ہو وہ البتہ ایسی ہے کہ اس کی مخالفت اس وقت کی
 حالت کا محاذ کر کے کرنا چاہیے تھی لیکن استدلال کا ثابہ اس میں بہت کم ہے۔ صرف اس چیز
 کی کوشش کی گئی ہے کہ ناظرین کے دل میں استدلال سے نہیں بلکہ نفرت کے جذبات برنگھمتہ
 کر کے اس تحریک کی مخالفت پیدا کی جائے جن الفاظ پر خط کھینچا گیا ہے، اون پر غور کرؤ اون کا شمار
 بس یہی ہے کہ کسی طرح سے تحریک اور محرک دونوں کی طرف سے لوگوں کو بدظن کر دیا جائے ”جلاوطن
 لفظ اسوج سے استعمال کیا گیا ہے کہ ترکوں کی طرف سے ہمدردی، اور محرک کی طرف سے غصہ کے جذبات
 پیدا کئے جائیں“ نعمت گران مایہ طنزاً استعمال کیا گیا ہے۔ مقصود اس پر خاش کا اظہار ہے۔
 جو برطانیہ کو ترکوں کے ساتھ ہو۔ ”جاری نظر اور انگلیوں پر ہو“ پڑ رہی ہیں“
 اس کنایہ سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ہر پائیس انگریزی دباؤ سے متاثر ہو کر اپنی تحریک پیش کر رہے
 ہیں ”مسلمان“ طنزاً استعمال کیا گیا ہے۔ اس کو خاص طور سے ان ”کامین اس وجہ کو کھا گیا ہے“

کہ لوگ ہنرمانس سے ہمدردی اسلام کی توقع نہ کریں۔ اون کی اصلی انگریزی وضع یہ بھی ایک حملہ ہے، اور محرک کی انگریزی پرستی، کا ذکر کر کے لوگوں کو اون کی طرف سے بدظن کرنا مقصود ہے گلیڈ اسٹون کا نیا نسخہ بیان پر مضمون نگار نے محسوس کیا کہ گلیڈ اسٹون کی پالیسی کا ہنرمانس آغا خان سے انتساب حقیقت نہیں ہے، اون کے خیالات کچھ اور ہیں، لہذا بجائے ان الفاظ کو ظاہر کر کے جو ہنرمانس نے ہتھول کے طنزاً کہا کہ نیا نسخہ نسبتاً اچھے لفظوں میں ہوا ہے، انصاف تقاضا یہ ہونا چاہیے تھا کہ اون کے اصلی خیالات پیش کر دیے جاتے۔ مگر ایسا کرنے سے گلیڈ اسٹون کی پالیسی سے اون کی مشابہت ثابت نہ ہو سکتی تھی، اور مضمون نگار کا مدعا یہی تھا کہ گلیڈ اسٹون کا ذکر کر کے ناظرین کے جذبات نفراور شدید کر دیے جائیں، ساتھ ہی ساتھ اپنا پہلو بچانے کے لیے یہ جملہ معترضہ بھی طنزاً پیرایہ میں لکھ دیا گیا۔

اگر ناظرین مذکورہ بالا اقتباس کو پڑھتے وقت ہمارے بتائے ہوئے جملوں کی اصلیت پر غور کریں، تو شاید وہ اس تحریر سے زیادہ متاثر نہ ہوں لیکن جب کسی چیز کو استدلال کی تیز اور صاف روشنی کی بجائے، تجسّسِ ظرافت اور خوش طبعی کی رنگ برنگ کی روشنیوں میں دیکھا جاتا ہے، تو ناظرین اپنی فرحت اور خوشی کے اثر سے لبریز ہو کر خالص عقلی نقطہ نظر سے اسے نہیں دیکھتے، طنزاً اور تسخر عام طور سے لوگوں کے خلاف استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور ان سے ناظرین یا سامعین کے دلوں میں اپنی فوقیت و برتری کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ گلیڈ اسٹون کا نیا نسخہ ایک طرف تو لوگوں کو ہنساتا ہے، لیکن دوسری طرف ہنرمانس پر اپنی ایک طرح کی برتری بھی ظاہر کرتا ہے، وہ اپنے آپ کو اس قسم کی ریکی، حرکات و افعال محسوس کرتے ہیں، چونکہ مختلف اقسامِ ظرافت مثلاً کنایہ، تجویح و غیرہ مخاطبین میں اس طرح فوقیت کا اثر پیدا کرتے ہیں، لہذا ترغیب میں ان سے بہت کچھ مدد لی جاتی ہے،

ہمارے ناظرین نے شاید یہ خیال قائم کر لیا ہو کہ ترغیب میں ظرافت اور خوش طبعی کا

استعمال سراسر نمائشی اور مصنوعی ہو، اور اس سے صرف ادنیٰ وجہ کے جذبات کو تحریک دی جاتی ہو، یا مسئلہ زیر بحث کو مبہم بنا کر پیش کیا جاتا ہو، ترغیب کے دوسرے وسائل کی طرح ان کا استعمال بھی دھوکہ دہی کے لئے ہو سکتا ہو، لیکن ہمیشہ یہ حالت نہیں ہوتی، اگر ان چیزوں کا باموقع اور مناسب استعمال کیا جائے تو ان سے موضوع پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہو، طبائع انسانی کی فطری خامیوں اور جبلت کمزوریوں مثلاً حیلہ بازی، دو فضیلہ پن، نخوت، نمود کا شوق وغیرہ کے اظہار میں تو اس سے مفید تر دوسرا ذریعہ مافاضل ہے، ان کا ناجائز استعمال جب ہی ہو سکتا ہو کہ یہ محض ہنسنے ہنسانے کے لئے استعمال کی جائیں۔ اور کوئی گہرا مقصد نہان نہ رکھتی ہوں۔ یا مضمون زیر بحث پر ان کا اطلاق نہ ہو سکتا ہو لیکن جب ظریفانہ اور تسخیر آمیز پیرایہ میں مسئلہ متنازعہ پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے، اور ناظرین کو اس کے معائب، یا محاسن سے لطیف انداز میں واقف کرا یا جاتا ہے، تو اس صورت میں ان کا استعمال ناجائز نہیں کہا جاسکتا، یہودہ تسخر اور سنجیدہ ظرافت میں یہی فرق ہے۔

اودہ پہنچ کے پرانے خاں اٹھا کر دیکھو، تم کو معلوم ہوگا کہ کیسے کیسے ادق مباحث (سیاسی اور معاشرتی) پر ظریفانہ انداز میں تبصرہ کیا گیا ہو۔ اور بناوٹ کے ناصحانہ انداز میں بڑے بڑے والیان ریاست اور ان گھستان کے درراء کو کسی کیسی قابلِ قدوتین کی گئی ہیں،

تسخیر کی ایک خاص قسم جس کا استعمال بہت کچھ کامیابی کے ساتھ کیا جاتا ہو،

جو جو ملج ہو، جو جو ملج اوستے کہتے ہیں کہ واقعات کے بالکل برعکس بات کہی جائے۔ تاکہ موازنہ اور ضد سے یہ واقعات بہت زیادہ منکشف ہو جائیں۔ ایک ترکیب قدر ہلکے رنگ کی جو ملج ہوتی ہو۔ اور اس کا استعمال اکثر گفتگو میں ہم کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً کسی دوست سے جب ہم راستہ میں ملتے ہیں۔ اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ ملاقات کا وعدہ کر کے جو وعدہ خلافی کی گئی ہو اس کی طرف اُسے متوجہ کر لیں، تو ہم کہتے ہیں "آپ وعدہ کے بہت پابند ہیں، میں نے سنا ہے کہ آپ کل جمعہ سے ملنے آئے تھے۔۔۔۔۔"

لیکن اس کے علاوہ ایک اقسام بھی تجوہلج کی ہوں، اور یہ ذرا زیادہ تلخ اور مکمل ہوتی ہیں، سخت برہمی اور غصہ اس کے وجود کے لئے لازمی ہیں۔ اور اس کا استعمال زیادہ تر وہ لوگ کرتے ہیں۔ جو دلی ناراضی کے ساتھ ساتھ بلند تخیل بھی رکھتے ہوں، ایک صاف دل شخص انتہائی نینط و غضب کی حالت میں اون لوگوں کو جنھوں نے اسے ناراض کیا ہو بڑا بھلا کہتا ہے، اور اپنے غصہ کے جذبہ کو صاف صاف ظاہر کر دیتا ہے، لیکن ایک رسا اور بلند تخیل رکھنے والا شخص، اس سے بھی شدید غصے کے جذبات کو پوشیدہ رکھتا ہے، اور ان کے اوپر ایک نقاب ڈال دیتا ہے تاکہ اپنی فرحت کے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی تفریح ہوتی رہے، اور جو شخص اس کے غصہ کا نشانہ ہو، وہ نقصان اور شہادت ہمسایہ کا مصداق بنے، جہاں تحریر یا تقریر میں تجوہلج کا سلسلہ دور تک برقرار رکھنا پڑتا ہے، وہاں یہ تمسخر و مذاق کی نقاب کمین کمین سے ذرا سی ہٹا دی جاتی ہے، تاکہ مخاطبین اصلی رنگ کو دیکھ سکیں، اکثر سپیچون میں یہ ہوتا ہے کہ کوئی طریف شخص کسی نقطہ خیال کی مخالفت کرنے کے لئے اٹھتا ہے، لیکن اپنی تقریر میں اس کے حامیوں کی حمایت کرتا ہے، اور آخر میں مصنوعی طور پر خود قابل ہو جاتا ہے۔ یہ ترکیب سامعین کو اس نقطہ خیال کا مخالفت بنانے میں بہت کچھ کارگر ہوتی ہے،

ظرافت اور خوش طبعی سے ترغیب کے اساسی اصول، اور اس کے طریقوں پر کافی روشنی پڑتی ہے، اسلئے کہ ان میں ترغیب کے خاص اجزاء ترکیبی، ذہن تخیلہ اور جذباتیوں کے تینوں باہمی طور پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ ترغیب لفظی میں یہ تینوں عناصر پیشہ ساتھ ساتھ عمل پیرا رہتے ہیں۔ دلائل اور توضیحات میں کوئی ممتاز حد فاصل قائم نہیں کی جاسکتی اسی طرح سے جذبہ کو بھی تخیلہ، اور ذہن کی وساطت سے تحریک پہنچتی رہتی ہے۔ غرض کہ ان تینوں عناصر کا باہمی امتزاج لازمی ہے، لیکن یہ مختلف طریقوں پر ہو سکتا ہے، اور مختلف اقسام کی ترغیب

پیدا کرتا ہے بعض اقسام میں مثلاً مدلل تقاریر، عطف نہی کی زیادتی ہوتی ہے، بعض میں تخیل کی اپیل کا زیادہ حصہ ہوتا ہے، بعض میں جذبی عنصر خاص انحصار اساس ترغیب ہوتا ہے، یہ سوال کہ ان ہر سہ عناصر میں کون سا عنصر کس ترغیب میں زیادہ یا کم ہوگا، ترغیب و ہندہ کی شخصیت اور اس کا بڑی حد تک موضوع ترغیب پر بھی منحصر ہے،

کتابوں، اور تقریروں کی ترغیب کے موضوع

(۱) سیاسی (۲) قانونی (۳) مذہبی (۴) تشہیحی،

عام طور پر، موضوعات ترغیب چار طرح کے ہو سکتے ہیں (۱) سیاسی (ان میں معاشی اور معاشرتی مباحث بھی داخل ہیں) (۲) قانونی (۳) مذہبی (۴) تشہیحی (۱) و (۲) و (۳) توصات ہیں لیکن (۴) تشریح طلب ہے، اس میں وہ جملہ مباحث داخل سمجھے جانا چاہئیں جو پہلے تین اقسام میں شریک نہیں ہیں، لیکن ان سے عام طور پر بحث کی جاتی ہے، اور ان میں ترغیب کے عناصر یکجا جاتے ہیں، ماضی کے سبق آموز نتائج، واقعات حالیہ کی تعبیر نئی تحریکات کی ابتداء، مشہور آدمیوں کی یادگار قائم رکھنے کی تدبیریں، یا تفریح اور مباحث، یہ سب اسی عنوان کے تحت میں آتے ہیں، ان کی تشہیحی اسی وجہ سے کہا گیا کہ ان میں خیالات کا اظہار اور انکشاف اور ان کی تحقیق وغیرہ کا زیادہ دخل ہوتا ہے، تم دیکھو گے کہ ہم نے حاص علمی مباحث کو ترغیب کا موضوع نہیں قرار دیا ہے، یہ اس لیے کہ عام طور پر ان کا استعمال طرز عمل اور معتقدات کو متاثر کرنے کے لیے نہیں کیا جاتا، ہاں حب الہی صورت ہو، تو اس وقت اونکی اہمیت بھی ترغیبی ہو جاتی ہے،

انسانی طرز عمل پر مذکورہ بالا سہر عمل ترغیب کا ایک مشترک خاصہ یہ ہوتا ہے کہ اس میں اولاً موضوعات کا حلقہ تر ہو جاتا ہے | تو انسانی طرز عمل سے بحث ضرور ہوتی ہے، دوسری بات یہ ہے، کہ

مستقبل کی طرف اشارہ بھی ضرور ہوتا ہے، ہر سہ عناصر میں سے کسی ایک کا زیادہ یا کم ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ اس میں انسانی طرز عمل اور مستقبل سے کم بحث کی گئی ہے، یا زیادہ سب سے پہلے ہم مشق اول کو دیکھ کر یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ ہمارے بتائے ہوئے موضوعات ترغیب میں سے ہر ایک کس حد تک متاثر کرتا ہے،

مدبر سلطنت، سیاست دان، اور وکیل، ان تینوں کی ترغیب کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو کسی خاص طرز عمل کی طرف راغب کریں، مثلاً پہلے دو حضرات اس کوشش میں رہتے ہیں کہ اپنی ترغیبانہ تحریروں اور تقریروں سے لوگوں کو کسی خاص پارٹی یا شخص کو ووٹ دینے کے لئے تیار کریں، یا کسی خاص پالیسی کا ان کو موافق یا مخالف بنائیں، وکیل کا مٹح نظریہ ہوتا ہے کہ جج اور جوری کو اپنی جادو دینی سے متاثر کر کے، اپنے مقدمہ کی کامیابی کی صورت پیدا کرے، ان تینوں کے برخلاف (جبکہ مقصد کسی خاص طرز عمل کی پیروی ہے) مذہبی داعیوں کی ترغیب جس طرز عمل کے متعلق ہوتی ہے وہ خاص نہیں، بلکہ عام ہوتا ہے، ان کا مقصد عام حالت کی درستی ہوا کرتا ہے، اور اسی لیے اگرچہ ان کی بعض ترغیبات کسی خاص طرز عمل سے متعلق ہوتی ہیں، لیکن زیادہ تر ان میں طرز عمل کا حلقہ وسیع ہوتا ہے،

تشریحی موضوع ترغیب میں، بقیہ تین موضوعوں کے برخلاف، طرز عمل کی طرف بہت کچھ مبہم اشارہ ہوتا ہے، اور اکثر اوقات تو یہ عمل سے بحث ہی نہیں کرتیں، مثلاً اگر کسی مشہور عالم کی سوانح عمری، خالص علمی بنیاد پر مرتب کی جائے، تو یہ صرف ذہن کو تحریک دے سکتی ہے اور جذبہ یا تخیل سے اپیل نہیں کرتی، اس قسم کی علمی اور اصطلاحی بحثوں کو ہم "ترغیب" کے مفہوم میں شامل نہیں کر سکتے، لیکن اگر یہی سوانح عمری اس طرح تیار کی جائے کہ اس میں ناظرین کو کسی خاص طرز عمل یا کسی خاص بطل (میر و) کی مثال کی تقلید کی ترغیب دی گئی ہو، یا کم از کم ادھن یہ شوق

پیدا کر دیا جائے کہ اس موضوع پر اور اضافہ خیالات کریں، تو اس صورت میں اس کتاب کی حیثیت بھی ابھی خاصی ترغیبی ہو جائے گی،

مستقبل کی طرف اشارہ | اہم دیکھ چکے ہیں کہ ہر ترغیب میں انسانی طرز عمل سے بحث لازمی ہے، اسی طرح سے بالواسطہ، یا بالراست ہر عمل ترغیب کا تعلق مستقبل سے بھی ہوتا ہے، ترغیب و ہندہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آئندہ کے اعتبار سے اپنے مخاطبین کے موجودہ طرز عمل کو بدلے، صرف موجودہ حالت سے بحث نہیں کی جاتی، مثلاً جو چار موضوع ہم اوپر بتا چکے ہیں، ان میں دیکھو، تو مستقبل بالواسطہ یا بالراست بحث ضرور پائے گے، مدبر سلطنت، اور سیاست دان زیادہ تر مستقبل کو سامنے رکھ کر ترغیب دیتے ہیں، ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ گذشتہ اور موجودہ حالات کی خامی دکھا کر اپنے مخاطبین کو آئندہ ان خامیوں سے پاک کر دیں، ہندوستان میں جتنی سیاسی جماعتیں دیکھو گے یہی نظرائے گاکہ ہر ایک اپنے خیال کے موافق مستقبل کی تائیس میں مصروف ہے، بزرگ مولا لاتی "مستقبل کی سوراخ" کو سامنے رکھ کر جذبہ کی تلقین کرتے ہیں، لیکن فرقہ مستقبل کا "اقدار" اور عہدہ سامنے رکھ کر اپنی تبلیغ و افتاء علیحدہ کرتا ہے، یہی حال مذہبی ترغیبات کا ہے، مخاطب کو آئندہ اعمال صالح کرنے کی ترغیب دیا جاتی ہے، اور صرف مستقبل ہی نہیں، بلکہ حیات بعد الممات کو بھی سامنے رکھ کر موجودہ طرز عمل کی درستی کی نصیحت ہوتی ہے، دوسری دنیا، کا ذکر تقریباً ہر مذہب کی ترغیبوں میں ہوتا ہے، وکیل بیچ، اور جوہری کو اس خیال سے ترغیب دیتا ہے کہ مستقبل قریب میں وہ اس کے موافق مقدمہ کا فیصلہ کریں، تشریحی، موضوع ترغیب میں البتہ مستقبل کی طرف زیادہ اشارہ نہیں کیا جاتا، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اس میں زیادہ تر تعریف یا الزام کا دخل ہوتا ہے، طرز عمل سے بھی (جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں)، اس میں بحث نہیں ہوتی، لیکن پھر بھی تھوڑا بہت خیال آئندہ کا اس میں بھی داخل ہے،

ترغیب میں، جہاں ایک طرف مستقبل کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، وہاں ماضی اور حال کو بالکل نظر انداز بھی نہیں کیا جاتا، عدالتوں میں دکلا، ماضی کے قصص پارینہ، جھڑپیں بین نظائر کی تلاش کی جاتی ہے، مقدمات کا حوالہ دیا جاتا ہے، سیاست دان بھی ماضی کی تنقید و تیشیل سے باز نہیں رہتا، اور ماضی کے خراب اثرات کی طرف اشارہ کر کے موجودہ خراب حالت کی توجیہ کرتا ہے، مذہبی واعظ بھی گزشتہ سے بحث کرتے ہیں، گزشتہ بد اعمالیوں کے موجودہ مضر اثرات، یا گزشتہ صالح اعمال کے موجودہ اچھے اثرات سے لوگوں کو واقف کر کے، انہیں ترغیب دیتے ہیں،

سیاسی اور مذہبی موضوعات ترغیب میں بقیہ دو کی بہ نسبت مستقبل کی طرف زیادہ اشارہ پایا جاتا ہے، اسکی ہم بھی ابھی تشریح کر چکے ہیں وہی وجہ ہے، کہ ان اقسام ترغیب میں توضیح، مقابلہ، موازنہ، مثالوں کے استعمال کی زیادہ گنجائش ہے، کیونکہ یہ چیزیں گزشتہ سے موجودہ، اور موجودہ سے آئندہ تک ہماری رہبری کر سکتی ہیں بیان کا حصہ ان دونوں اقسام میں ذرا کم ہے، اور وہ ایسے کہ مستقبل کے متعلق بیان ذرا مشکل ہے، تاہم گزشتہ و موجودہ حالات کی بنا پر جب مستقبل کی تعبیر کی جاتی ہے، تو اس میں قوت بیان کا اچھا خاصہ دخل ہوتا ہے جذبی عنصر سے بھی ان دونوں میں بھی طرح کام لیا جاسکتا ہے، بالخصوص سیاسی مباحث میں تو جذبات کا بہت کچھ دخل ہے، متعدد جذبات کو نشہ دیا جاسکتی ہے، اس لیے کہ کسی خاص طرز عمل کی طرف اشارہ ہوتا ہے، لیکن مذہبی مباحث میں چونکہ مقصد ترغیبیت کچھ گہرا ہے، اور متانت اور سنجیدگی کے ساتھ بحث کرنا پڑتی ہے، اس لیے جذبات کا حلقہ اس موضوع میں ذرا تنگ ہے، ظاہر ہے کہ ایک سیاسی مقرر کے پاس اپنی کامیابی کے لیے استہزاء، تضحیک، طعن، طنز، ہجو، طبع وغیرہ سبھی حربے موجود ہیں، لیکن مذہب میں ان کا استعمال

ادسکی حرمت اور شان کے منافی ہے، استدلال کے استعمال کے لحاظ سے بھی یہ دونوں مختلف ہیں، ہر سیاسی مقرر اپنی تقریر کو واقعات سے ثابت کر سکتا ہے، مشاہدات بھی ممکن ہیں، تجربات میں اضافہ بھی ہوتا ہی رہتا ہے، لیکن مذہبی بحثوں میں جہاں مواد، حشر و روحت حیات بعد المات، اور اس طرح کے دوسرے مابعد الطبیعی مسائل درپیش رہتے ہیں، تجربہ اور مشاہدہ کی گنجائش نہیں رہتی، اور ایک مذہبی مقرر ہمیشہ روایات ہند کی بنا پر بحث کرتا ہے، مذہب کی جو مخالفت، جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے ہوتی ہے، اس کا سب سے بڑا سبب یہی ہے، لیکن کسی قدر مقام شکر ہے کہ زمانہ جدید میں روشنیال علماء، علوم جدیدہ اور مذہب دونوں میں کامل دستگاہ رکھنے لگے ہیں، اور بہت سے مافوق الفہم مسائل کو ایسے دلائل کی رو سے سمجھا سکتے ہیں جنہیں تنگ نظری کا لگاؤ نہیں ہوتا،

قانونی اور توضیحی مباحث میں زیادہ تر گزشتہ اور حال سے بحث کی جاتی ہے، قانونی ترغیبات زیادہ تر ماضی پر مبنی ہوتی ہیں، اسی لیے قوت بیانہ کا ان میں زیادہ حصہ ہوتا ہے، تشریحی مباحث میں توضیح اور تخیل آرائی لازمی شرطیں ہیں، استدلال کا قانونی بحثوں میں زبردست حصہ ہوتا ہے، کیونکہ ماضی کے نظائر سے حال کے واقعات کا اندازہ لگانے میں دلیل کی بہت گنجائش ہے، ہر دو قسم کے دلائل استعمال کئے جاتی ہیں، لیکن زیادہ تر دلیل مستقراتی سے کام لیا جاتا ہے، خاص خاص مثالوں اور واقعات کا بیان کرنے کے بعد، وکیل ایک عام نتیجہ اخذ کرتا ہے، اور اس عام نتیجہ کا مقدمہ زیر بحث پر اطلاق کر کے، منج اور جو رمی کو ترغیب دیتا ہے، تشریحی مباحث میں دلائل کا اتنا استعمال نہیں ہوتا، جذبات کی اپیل بھی ان دونوں میں بہت کم ہوتی ہے، عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ وکیل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عالم کو کسی خاص طرز عمل کی طرف راغب کیا جائے، لہذا قانونی بحث

جذبات سے اپیل ضرور ہونی چاہیے، اکثر بحثوں میں جذبات سے اپیل کی بھی جاتی ہے، جن لوگوں نے محترم مولانا محمد علی کی وہ تقریر جو انھوں نے اپنے مقدمہ میں پونا کے جج کے سامنے کی تھی، پڑھی ہے وہ اس میں کسی قدر جذبات کا شائبہ پائیں گے، خاص کر وہ حصہ جہاں پائیلیٹ (ROMAN PILATE) اور حضرت عیسیٰ کی مثالیں دی گئی ہیں، جذبات سے برتری ہے، ہم اس تقریر کو مثلاً اس لیے پیش کر رہے ہیں کہ قانونی حیثیت سے یہ تقریر فاضل دکیل کی بحث کے مقابلہ میں رکھی جاسکتی ہے، ایسا بہر حال شاذ و نادر ہوتا ہے، اور مدعون تک قانونی عدالتوں میں جذبات کی بحث سننے میں نہیں آتی، قانونی بحثوں میں جذبات سے بحث نہ لینے کے متعلق ذیل کے وجوہات پیش کئے جاسکتے ہیں۔

۱۔ عدالت میں مخاطبین، چیدہ چیدہ لوگ ہوتے ہیں، اور سیاسی جلسوں کی طرح بڑی بڑی اور مختلف خیالات کے لوگوں کی جماعت نہیں ہوتی،

(۲) بہت سے معاملات کا حسب و نحوہ تصفیہ صرف قانونی اصطلاحات استعمال کر کے ممکن ہے،

(۳) جج کو تھنڈے دل سے اظہار خیال کرنا پڑتا ہے، جذبات سے متاثر ہونا اس کی حاکمانہ شان کے منافی ہے اسے ناجائز طرفداری پیدا ہو سکتی ہے،

(۴) دکلہ کو اس بات کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ اس کا مخاطب جج ہے جو ہر بات کو قانونی عینک سے دیکھتا ہے، اور صرف جذبات کی اپیل پر کان نہیں رکھ سکتا،

اب تک ترغیب کے جن جن اقسام کو ہم نے دیکھا ہے، ان میں سے ہر ایک کا ناجائز استعمال ممکن ہو سکتا ہے، اس کے ذریعے زعماء اپنی مقصد برآری بالکل ناجائز طریقوں سے کرتے ہیں، غلط استدلال کا استعمال کیا جاتا ہے، ایسی ایسی مثالوں اور توضیحات سے کام

لیا جاتا ہے جو فاطمین کی توجہ اصل موضوع سے ہٹا کر دوسری طرف مائل کر دین، صداقت ہائی کے پیرایہ میں جھوٹ باتیں بیان کی جاتی ہیں، فاطمین میں فوقیت کا اظہار پیدا کرنے اور نیچے و مخالفت کو ذیل کرنے کے لیے تجویز طبع کا استعمال کیا جاتا ہے، ایسے ایسے جذبات سے اپیل کی جاتی ہے جو مضمون زیر بحث سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتے، واقعات کو غلط روشنی میں پیش کیا جاتا ہے، فاطمین کے جذبات خوف، رشک، خواہش، اقتدار، اور مخفی تحریکات سے ناجائز طور پر کاربہاری کی جاتی ہے، یہ سب کچھ صحیح ہے، لیکن اگر ہم خود اپنی حالت پر غور کریں، تو ان کا شاہد ہم کو اپنی ذات میں بھی نظر آئیگا جو نہی ہم کسی بحث پر منہ کھولتے ہیں، قلم اٹھاتے ہیں، ہم بھی زعمیم بن جاتے ہیں، کوئی مقرر کیسا ہی صاف دل کیون نہ ہو پھر بھی جب دہ اپنی ترغیب کا آغاز کرتا ہے تو تہدید یا خوشامد کو کسی نہ کسی شکل میں، غیر شعوری طور پر استعمال کر ہی جاتا ہے، خواہ یہ استعمال بے غرضانہ ہی کیون نہ ہو،

ترغیب میں، ع

ہر جہ پر خود نہ پسندی بہ دیگران پسند

کے مقولہ پر عمل ہونا چاہیے، جو ذہنی کیفیات خود ہمارے دماغ میں پیدا ہو چکی ہوں، دوسروں کو ترغیب دینے وقت انہی کیفیات کو ان میں بھی پیدا کرنا چاہیے، جو خیالات ہم میں موجود نہ تھے انہیں دوسروں میں بھی پیدا نہ کرنا چاہئیں، جو دلائل خود ہم نے استعمال نہیں کئے ہیں، انہیں دوسروں کے سامنے بھی استعمال نہ کرنا چاہیے، اگر ایسا کیا جائے، تو خود ہماری ترغیب منطقی نقطہ نگاہ سے غلط ہی کیون نہ ہو، لیکن کم از کم صاف دلی تو اس میں ضرور پائی جائیگی، لیکن سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ ہم خود اپنے آپ کو اچھی طرح نہیں جانتے اور ہماری ذاتی ترغیبات بھی غیر شعوری خواہشات اور تحریکات پر مبنی ہوتی ہیں، ان کے فریب سے بچنے

کی ترکیب ہی ہو سکتی ہے کہ ہم اپنی ان تحریکات کو ذہن اور شعور کی روشنی میں دیکھیں، اگر
 یہ کیا جائے تو البستہ ہماری ترغیبات زیادہ باطل اور پر فریب نہ ہو سکیں گی، بلکہ غیر شخصی اور
 موضوعی ہونگی، ذاتیات سے ادن میں بحث نہ ہوگی،

ابستم

مستقبل کی ترغیبات

زمانہ جدید کا رجحان شخصیت کی عظمت، اُسندۂ ترغیبات کا رخ

چند عالیہ نغرات | عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فطرت انسانی کبھی تبدیل نہیں ہوتی، ہمیشہ ایک ہی رہتی ہے، اس بیان سے اگر یہ مراد لیا جائے کہ انسانی فطری خامیاں، اور جبلی کمزوریاں زمانہ کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتیں، تو یہ البتہ کسی قدر سچ ہے، لیکن انسانی دماغی رجحانات ضرور تغیر پذیر ہیں، زمانہ کی گردش نے جو اثر افراد اور اقوام کی دماغی حالت پر کیا ہے، اس کی مثالیں ہر طرف نظر آرہی ہیں، جا پانی قوم کی فضلت میں تھوڑے ہی سے زمانہ میں کیا کچھ تبدیلیاں نہ ہو گئیں، ہندوستانیوں کے نقطہ خیال کی تبدیلی، افغانی قوم کی وسیع النظری اور قدامت پسندی کو چھوڑ کر جدید باتوں کی طرف ان کا میلان، یہ سب باتیں بھی بہت تھوڑے ہی عرصہ میں ظہور فرمائی ہیں، افراد کی ترغیبات بھی اسی طرح بدلتی رہتی ہیں، زمان اور مکان کی خاص خاص تبدیلیاں ان کو بھی اپنے ہی رنگ میں رنگ دیتی ہیں،

ابھی کچھ دنوں پہلے تمام تمدن اقوام میں ایک عام رجحان یہ پیدا ہو گیا تھا کہ علوم صحیح کے مسائل و نتائج کا انطباق، انسانی مباحث، امور معاشرت، سیاست، وغیرہ پر بھی کیا جا سکتا ہے، ہم یہ نہ سمجھتے تھے کہ انسان بے جان تہلی اور آہنی کل پر زون کا مجموعہ نہیں، بلکہ احساسات

جذبات، اور خیالات کا پتلا ہے، موجودات غیر ذی حس کی تم حسب دلخواہ تقسیم و تہویب کر سکتے ہو، اپنی مرضی کے مطابق ان پر تجربات کر کے ان کے متعلق کلیات قائم کر سکتے ہو، لیکن معاملات انسانی میں ایسا ہونا قطعاً ناممکن ہے، خود کو کوئی شخص اپنے متعلق یہ حکم نہیں لگا سکتا کہ فلاں جلاٹ و عوارض میں وہ فلاں طرز عمل اختیار کیے گا، جب اس حقیقت کو فراموش کر دیا گیا تو خفیہ و باؤ اور انتفاع ناجائز کا ظہور ہوا، جماعتی امتیازات و خصوصیات پہلے سے زیادہ معین ہو گئیں اور ہر شخص اپنی جماعت کی فکر کرنے لگا، بجائے انفرادیت اور شخصیت کی عظمت کے، سب کو ایک ہی قانون کے ماتحت فرض کر لیا گیا، متمول سرمایہ داروں کی دولت میں ذرا سے اضافہ کی خاطر انسانی جہتوں کا بے جان آلون کی طرح استعمال کیا گیا، اور ان کے جذبات و احساسات کو کمال خود غرضی کے ساتھ ٹھکرا دیا گیا،

کسی قدر مقام شکر ہے کہ اب اس حالت کا رد ہونا شروع ہوا ہے، لوگ محسوس کرنے لگے ہیں کہ اس نقطہ خیال کی پابندی جماعتوں، اور قوموں کی لڑائی کا باعث ہوتی ہے، جنگ نے ہماری آنکھیں کھول دی ہیں، اور ہم صاف طور پر دیکھ رہے ہیں کہ کسی ہی قوتی قوی سلطنت کیوں نہ ہو، اگر دوسری سلطنتیں یا قوموں کو مطلب برابری کے آلہ کے طور پر استعمال کرنا چاہیگی تو نقصان اٹھائیگی، شخصیت کی عظمت کا سبق جنگ ہی نے ہم کو سکھایا ہے، اب خود وہ شخصیت افراد کی ہو، یا قوموں کی اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، اگر انسان افراد اور فرقوں کی ترقی کی خواہش رکھتا ہے، تو اسے اپنی آئندہ ترغیبات میں اس اصول کی پابندی کرنی چاہیے، زندگی کے ضروری شعبوں مثلاً، فن تعلیم و تربیت، سائنس، سیاسیات، معاشیات وغیرہ میں ہم کو اس تبدیلی کے آثار بھی نظر آنے لگے۔ فن تعلیم و سائنس پر ان تئیر کا اثر آج کل فن کا خاص انخاص معیار یہ مانا جاتا ہے کہ انسانیت کے عینق اور پوشیدہ پہلوؤں پر نظر ڈالی جائے صرف مظاہرات سے قیاس نہ کیا جائے، بلکہ

عورتوں اور مردوں کے انفرادی خیالات، تخیلات اور جذبات کو ظاہر کیا جائے، جدید ترین باتوں میں یہ بات خاص طور پر مد نظر رکھی جاتی ہے، بجائے فتح و شکست کے کارناموں، یا حسن و محبت کے افسانوں کے آج کل کی ناولیں طبع انسانی کے نفسیاتی مطالعہ پر بہت زور دیتی ہیں، غرضی کے بجائے اصلی اور حقیقی زندگی سے بحث کی جاتی ہے، انسانی طبیعتوں میں جو انفرادی اختلافات پائے جاتے ہیں، انہیں ظاہر و روشن کیا جاتا ہے، اس تبدیلی سے ظاہر ہے کہ اس مخصوص شعبہ میں لوگوں کو شخصیت کو پامال کرنے کے بجائے اس کے مناسب حال عظمت دینے کا خیال پیدا ہو چلا ہے، یہ خیال جائز تر غیب کی ضروریات میں سے ہے، شفقت، تحمل، جبر و طاقت کا استیصال یہ باتیں اسی خیال سے ظاہر ہو سکتی ہیں۔

فن کی طرح کسی ملک کا رائج الوقت نظام تعلیم بھی اس وقت کے ملکی اور قومی رجحانات کا اظہار خاصہ منظر ہوتا ہے، چنانچہ تعلیم میں بھی ہم کو انفرادیت کا میلان نظر آتا ہے، آج تک جماعتی تعلیم ہر قومی نظام تعلیم کا بڑا جز تھی، کئی کئی طلباء اپنی ظاہری مساوات استعداد کے لحاظ سے ایک جماعت میں شریک کر دیے جاتے تھے، اور ایک ہی طریقہ تعلیم سے ان کو فیض حاصل کرنے کا موقع حاصل تھا، لیکن پائش ذہنی (Creative Intelligence) اور دیگر جدید ترین نفسیاتی وسائل کی مدد سے اب معلوم ہو گیا ہے، کہ ہر ایک کو اس طرح جماعتوں میں تقسیم کرنا درست نہیں ہے، ہر ایک کا مختلف استعداد و ذہنی اور صلاحیت رکھتا ہے، جماعت بندی کی بدولت قابل طلباء اپنی قابلیت کے اندازہ کے موافق ترقی نہیں کرنے پاتے، اور جو ناکارہ ہوتے ہیں ان کی درستی کی کوئی خاص ترکیب نہیں کی جاتی، اگرچہ اور انگلستان میں جدید نظام تعلیم انہی اصولوں کی بنا پر مرتب کیا جا رہا ہے، انفرادی کوشش اور سعی کو زیادہ قابل ترجیح خیال کیا جاتا ہے، نئے نئے تعلیمی طریقے ایجاد کئے جا رہے ہیں جن سے کہ انفرادی طور پر ہر لڑکے کی اس کے ذہنی اور دماغی استعداد کے اندازہ سے تعلیم و تربیت کی جائے

اب تک مدرسِ جاسنت کو بحیثیت مجموعی پڑھاتا تھا، سوالات و جواب کے علاوہ کوئی اور ذریعہ انفرادی جدوجہد کے مستقل کرنے کا نہ تھا، اب استاد بہت کم گفتگو کرتا ہے، اور طلباء انفرادی طور پر زیادہ کام کرتے ہیں، شخصیت اور انفرادیت کی عظمت کی یہ دوسری روش مثال ہے۔

شعبہ سائنس کے بعض جدید اکتشافات اس میں بھی مذکورہ بالا رجحانات کی موجودگی کا پتہ دے رہے ہیں، تفہیمات میں پہلی حیثیت آج تک علوم صحیحہ کی سی مانی جاتی تھی، اب انفرادی اختلافات اور تغیر پذیر شخصی و ذاتی عوامل پر بہت کچھ زور دیا جا رہا ہے، منطق استقرائی کا حلقہ اثر بھی بہت کچھ وسیع ہو گیا ہے، کسی نتیجہ کا استقرار کرتے وقت صرف مادی اور طبیعی واقعات کی بنا پر فیصلہ نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ نفسیاتی واقعات کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے، بالخصوص جذبات، اہامات فطری، جملی رجحانات کا لحاظ سراسر انسانی معاملہ کے فیصلہ کے وقت ضرور کیا جاتا ہے، ان مادی حالات و عوارض کے علاوہ جتنے ماتحت ہمارے افعال سرزد ہوا کرتے ہیں، ان احساسات اور تاثرات کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے، جو ان افعال کے محرک ہوتے ہیں، یہ چیز بھی شخصیت کی طرف ہمارے میلان کا کافی ثبوت ہے، سیاسیات میں، لوگوں کے سیاسی رجحانات مدیت کی طرف ان کا میلان خواہش اقتدار حب الوطنی، غرور، جنگ پسندی، ذاتی محبت ان سب باتوں کو مد نظر رکھا جاتا ہے، اور انسانی معتقدات اور افعال پر ان کے اثر کو تسلیم کیا جاتا ہے،

بہر اہم مسئلہ میں انسانی طبیعت اور اسکے متعلق جو کچھ معلومات ہوتی ہیں، اسے بھی اہمیت دی جاتی ہے، اس کی توضیح ذیل کے واقعات سے بخوبی ہوتی ہے۔

۱۔ جنگ کے شروع میں انگلستان میں ایک کثیر تعداد انسدادِ نوٹشی کی حامی تھی، عقلی اور استدلالی لحاظ سے اس تجویز کے موافق دلائل بھی بہت کچھ قوی تھے، اور سب کو یقین تھا کہ مخفی شرب فروشی کو بند کرنے کا قانون جاری ہونے والا ہے، لیکن ایسا نہیں ہوا،

زبردست سیاست دانوں نے محسوس کیا کہ مزدوری پیشہ طبقہ کے دلوں میں اس خیال نے اعتقاد کی شکل اختیار کر لی ہے، کہ شراب نوشی سے اول کی کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے، اور اس کا انسداد انفرادی آزادی پر حملہ ہوگا، ان لوگوں کے جذبات کا لحاظ کر کے مدبرانِ سلطنت نے اپنی تجویز کو بدلیا، اور کہتے ہیں کہ صغنی زیادہ آمدنی شراب فروشوں سے دورانِ جنگ میں ہونی اتنی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی،

۲۔ انگلستان میں جب جبریہ فوجی خدمت کا زور شور تھا اس وقت آئرلینڈ کو بھی اس میں شامل کرنے کی تجویز کی گئی تھی، تجویز معقول تھی، آئرلینڈ حکومت انگلستان کا جز تھا، اس کی حمایت سے فائدہ اٹھاتا تھا، اور انگلستان کو لڑنے والوں کی بہت کچھ ضرورت تھی، لیکن رفتہ رفتہ یہ تجویز بھی مسترد کر دی گئی، آئرلینڈ کی کینسلر آبادی کے جذبات کا لحاظ کیا گیا، اور جبریہ فوجی خدمت سے وہاں کے لوگ بری کر دیئے گئے،

۳۔ ذیل کی مثال سے معلوم ہوگا کہ بھان عدالت بھی جو عام طور پر نظائر اور سند پر اعتماد رکھتے ہیں اور ان کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کرتے اس طرح دقیقہ رجانات، اور جذبات سے متاثر ہو کر وسیع نظری سے کام لینے لگتے ہیں،

دارالامرا کے سامنے ایک وراثت نامہ کو منسوخ قرار دینے کے متعلق اپیل پیش ہوئی ایک شخص نے کچھ جائداد *Secular Society* کے نام چھوڑی تھی، اور اس کا مصنف یہ بتایا گیا تھا کہ وقتاً فوقتاً مختلف طریقوں سے اس اصول کی حمایت کی جائے کہ انسانی... طریقوں کی بنیاد طبعی معلومات پر ہونے کے مابعد طبعی، اور حیات مابعد الحیات پر اور بجائے اس کے کہ لوگوں کو یہ ہدایت کی جائے کہ اپنی زندگی دوسری دنیا کی زندگی کو پیش نظر رکھ کر بسر کریں، ان کو یہ تلقین ہونا چاہیے کہ خیالات اور اعمال کا منتہی انسانی ہبہودی کو قرار دین وصی کے وارث قانونی نے کیا

دقت کی منسوخی کی درخواست اس بنا پر دی کہ یہ خلاف قانون ہے، اور اس سے عیسویت،
اور دوسرے مذاہب کا بطلان ہوتا ہے،

جنس *force* جو میں نے اس درخواست کو مسترد کر دیا، اور محکمہ اپیل سے بھی یہ نامنظور
ہوئی، لیکن جب اپیل دارالامرا کے سامنے پیش ہوئی تو لارڈ چانسلر نے اپیل کو قبول کرنے پر
آمادگی ظاہر کی، اور ان کا استدلال یہ تھا کہ زمانہ کے رجحان کی وجہ سے اصول قانونی کیوں بدے
جائیں، اگر ایک کام قانوناً ہر ہے، تو حالات کی تبدیلی اسے اچھا کس طرح بنا سکتی ہے، یہ اور بات
ہے کہ خود وہ قانون ہی جو اس فعل کو برا قرار دیتا ہے بدل دیا جائے، اس استدلال سے عدالتوں
کا قدامت پسندی کا رجحان پایا جاتا ہے، لیکن جب رائے لینے کی نوبت آئی، تو غلبہ آراء سے پہلے
مسترد کر دی گئی، اور وہ زمین دقت کے قبضہ ہی میں رہی،

کیا ہندوستان کی حکومت بھی وسیع النظری، اور احساسات کے پاس دیکھاؤ کی ایسی مثالیں
پیش کر سکتی ہے؟

کسی مسلمہ اصول کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کارآمد نہ فرض کر لینا، اور یہ سمجھنا کہ بعض حالات کے
اضافہ یا درجات کی تبدیلی سے اس میں تبدیلی کا امکان ہے، مرغیب جائز، کا محرک ہوتا ہے، وہ
اصول ہی غلط ہے کہ جس میں تمام ضروری متعلقہ بائین شامل نہ کر لی گئی ہوں، یا ان کا لحاظ نہ کیا
گیا ہو، یہاں تک تو کسی کو بھی کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا، لیکن اگر معاملہ کی دوسری سمت نگاہ دوں
تو یہ بھی ممکن معلوم ہوتا ہے کہ کسی اصول کو حقیقی ہون میں بچاؤ قابل عمل ہو، محض اس وجہ سے مسترد
کر دیا جائے کہ بعض عارضی اور فرضی نئے حالات رونما ہوئے ہیں جنہر اس اصول کا انطباق
نہیں ہوتا، بعض حاکمان عدالت جو جذبات کی اپیل سے مرعوب ہو جاتے ہیں، ایسا ہی کرتے
ہیں، اور انسانی جذبات کے پاس دیکھاؤ میں اس حد تک مبالغہ سے کام لیتے ہیں کہ اصول کی قوت

کو قربان کر دیتے ہیں، مثلاً کوئی سپاہی جنگ پر چلا گیا، وہاں وہ چھ یا سات سال تک رہا، وہاں سے واپس آکر اس نے اپنی بیوی کو بے ونا پایا اور جوش رقابت میں کوئی خلاف قانون جرم مثلاً قتل عمد یا ضرب شدید وغیرہ اس سے سرزد ہوا، اکثر بیچ صاحبان نے ملزم کو ایسی صورتوں میں رہا کر دیا ہے، اور انسانی جذبات (جوش رقابت، انتقام وغیرہ) کی قربان گاہ پر ایک اہم قانونی اصول (قتل عمد کی سزا موت ہے) کو نذر کر دیا، اکثر اوقات ایسے فیصلوں کے جواز کی کوشش ان الفاظ میں کی جاتی ہے کہ "یہ قانون غیر منضبط" (UNWRITTEN LAW) پر مبنی ہیں، یہ ایک صریح بات ہے اس سے انکار نہیں کہ بہت سے مسئلہ اصول ضروری واقعات و حالات کو فرو گداشت کر دیتے ہیں، اور ان میں ضرور تبدیلی ہونا چاہیے، لیکن ساتھ ہی ساتھ بہت سے اصول ایسے بھی ہیں جن کی توقع مسئلہ میں، اور جن کے وضع کرتے وقت تمام ضروری باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے، صداقت کا تقاضا تو یہ ہے کہ کسی اصول کو مسترد کرتے وقت، یا اسے اکٹھا بند کر کے قبول کرنے سے پہلے مذکورہ بالا باتوں کا ضرور لحاظ کیا جائے۔

ترغیب میں کمی *Guantje* | جہاں ایک طرف، عصر جدید کا تقاضا یہ ہوتا جا رہا ہے کہ طرہ بقون کا استعمال، ترغیبات میں وسیع النظری کو دخل دیا جائے، وہاں ساتھ ساتھ ترغیب کے کمی یا مقداری طریقوں کے استعمال کا رجحان بھی پایا جاتا ہے، صرف عام اصول اور کلیات لوگوں کی تشفی کے لیے کافی نہیں رہے ہیں، وہ واقعات چاہتے ہیں اور واقعات بھی کیسے جو اتنے واضح اور معین طور پر بیان کئے گئے ہوں کہ اخذ نتائج میں اول سے مدد ملے اس رجحان کا عام ترین نتیجہ ترغیب میں اعداد و شمار کا استعمال ہے، حکومت کا ہر شعبہ ان کا استعمال کثرت کے ساتھ کرتا ہے، اور اگر نہ کیا جائے، تو اخبارات اس کی طرف توجہ دلاتے ہیں، اور رپورٹس کو تفصیلی حالات ظاہر کرنے پر مجبور کرتے ہیں، اس قسم کے اعداد و شمار سے صحیح اندازہ لگانے میں

بہت کچھ مدد ملی ہے، گزشتہ زمانہ میں اعداد و شمار کا وجود نہ تھا اور معطیات (Data) کی طرف سے مجبور ہو کر لوگ صحیح نتائج کا استقصار نہیں کر سکتے تھے، آج یہ کمی بڑی حد تک بڑی ہو گئی ہے،

اعداد و شمار کی اہمیت ترغیب میں بہت کچھ ہے، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ ہم کسی حالت کا صحیح تصور کر سکتے ہیں، اور اسے وضاحت کے ساتھ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ سکتے ہیں، اساتوین باب میں عنصر خیالی کے استعمال سے بحث کرتے وقت ہم نے جو اقتباس، جان برائیٹ صاحب کی تقریر کا دیا وہ اسی قسم کی ترغیب کی بھی ایک مثال ہے، ۱۲ رب پونڈ کا تصور دلانے کی کوشش کس قدر واضح طور سے کی گئی تھی، ذیل کی مثال بھی اسی قسم کی ترغیب کی ہے۔

”دوران جنگ میں جب ہر شید میں (Herr Scheide mann) ریشتاگ (Reichstag) کے سامنے یہ سوال پیش کر رہے تھے کہ باہمی مراعات دے کر صلح کر لیجائے تو آپ نے فرمایا:-

”فرض کر دو کہ باہمی سمجھوتے کی بنا پر صلح کرنے کا دن گزر گیا، اور اس کے ۱۰۰ دن بعد تک لڑائی جاری رہی، اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہر پونڈ زائد صرف ہو جائیگا، اس زائد صرف میں مقامی طبقوں کا بار، معاشی زندگی کے ناقابل تلافی صدمات اور ان قربانیوں کا شمار نہیں کیا گیا، جو بے شمار خاندانوں کو اپنے اراکین کے مصروف جنگ رہنے کی وجہ سے برداشت کرنا پڑیگی، اگر روزانہ ۲۰۰۰ جرمن مقتول اور ۳۰۰۰ عروج ہوں تو سو دن کا تخمینہ ۲ لاکھ مجروحین اور ایک لاکھ بیس ہزار مقتولین ہوتا ہے، نفقہ دہی کی یہ کیسی خوشنما تصویر ہے؟“

اعداد و شمار کے علاوہ ترفیہائے خیالات کے کئی یا مقداری اظہار کی اور صورتیں بھی

مکن بن، بقول ایک انگریزی مصنف کے، بعض اوقات ایک تصویر اعداد کی قطاروں کی نسبت کہیں زیادہ وضاحت سے اہل صورت حالات کا اظہار کر سکتی ہے، اور زیادہ آسانی سے حافظہ میں محفوظ رہ سکتی ہے، آغاز جنگ سے، ۱۹۱۴ء تک مصروف پیکار ملکوں کی سالانہ آبادی ترقیم (دیکھ مرہ ۷۷) کی شکل میں ظاہر کجائے تو وہ گنجلک ہندسوں کی قطاروں سے کہیں زیادہ آسانی کے ساتھ آبادی کی کمی کو ظاہر کر سکتی ہے، اخراجات جنگ کے متعلق، پہنچ، کا کوئی طریقہ کارٹوں جس میں ترازو کے ایک پڑے میں ایک گول (شیل) بکھا ہو، اور دوسری طرف پونڈ کا انبار ہو، دیکھنے والوں کو مختلف اعداد و شمار سے کہیں زیادہ روشن تصور اخراجات جنگ کا دلا سکتا ہے۔

ترغیب میں کئی طریقوں کا استعمال بہت کچھ محدود ہے، مثلاً اس طریقہ سے کہ تم ایک ہی طرح کی ذہنی حالتوں کے مختلف درجہ معلوم کر سکتے ہو، کسی شخص کی قوت حافظہ یا تیزی مشاہدہ کو ناپ سکتے ہو، لیکن جس وقت ایک دوسرے سے بالکل الگ جذبات اور وجدانات کا سوال درپیش ہو، وہاں یہ طریقہ کم کو زیادہ مدد نہیں دیکھتا، ترغیب میں چونکہ یہی دیکھنا ہوتا ہے کہ کون سے وجدانات وجدانات کی تشفی کے لیے کونسا طریقہ عمل انتخاب کیا جائے، اسلئے اس میں یہ طریقہ زیادہ کارآمد نہیں اگر کوئی مدیر سلطنت یہ فیصلہ کر رہا ہو کہ فلان سلطنت سے جنگ کجائے یا نہیں تو اسے ایک طرف تو دوسری بحث اور صلح سے حاصل ہونے والے مادی وسائل کا خیال کرنا پڑے گا، اور دوسری طرف جنگ نہ کرنے کی صورت میں قومی نفوذ میں کمی، وقار میں فرق وغیرہ کو دیکھنا پڑے گا، اب یہ دو صورتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ان کا توازن ممکن نہیں، اور ان میں کئی طریقہ کی گنجائش نہیں، مشر گریم وولیس (Graham wallace) اپنی کتاب موسومہ "Human Nature in Politics" (انسانی فطرت کا حصہ) میں کئی طریقہ کے محدود ناقص اہل ہونے کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن مذکورہ بالا اعتراض کا

وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ میرا نسلطنت کو عملی طور پر کام کرنا پڑتا ہے اور جو شخص کام کرتا ہے، وہ اپنے پیش نظر تمام ممکنہ صورتوں کا کسی نہ کسی طرح سے توازن کر ہی لیتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ممکنہ صورتوں کا توازن کوئی کمی عمل نہیں ہے، بلکہ ان ممکنہ صورتوں کے کیف، اور ماہیت پر بہت کچھ منحصر ہے، جب کبھی بھی ہم کو دو یا زیادہ مختلف افعال میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑتا ہو تو ہم لازماً، مقدار اور کم، کو چھوڑ کر معاملات کے کیف، پر اتر آتے ہیں،

باوجود ان نقائص، کے کمی طریقے کا استعمال اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ آجکل اصولوں یا روایتوں کو خواہ مخواہ قبول کرنے کے بجائے، آزادانہ اور بے غرضانہ تجسس و اکتفا سے کام لیا جاتا ہے، مسائل سے بہم طور پر بحث نہیں کی جاتی بلکہ واضح طور پر انفرادی حالات، ضروری عوامل وغیرہ کا لحاظ کرتے ہوئے ان پر تبصرہ کیا جاتا ہے، اس قسم کے تبصرہ میں کمی طریقے سے بہت کچھ مدد ملتی ہے، یہ طریقہ جدید زمانہ کی ترغیبات میں طرز استقرار کے وسیع استعمال کا کافی ثبوت ہے،

ترغیب کے دو اصول [ضمنی اور ذیلی، مباحث سے قطع نظر کر کے اگر ذرا غور کرو تو تم کو ترغیبات کے دو اہم اصول اس کتاب میں نظر آئیں گے، (۱) ایک تو اصول استثنائیت ہے جسکی رد سے ہر گز وہ اپنے آپ کو ہر دوسرے گروہ سے علیحدہ تصور کرتا ہے، اور اس خیال کو سامنے رکھ کر باطل اور پر فریب ترغیبات سے کام لیتا ہے (۲) دوسرا اصول طبع انسانی کی عظمت کا ہر جی کو سے کسی فرد یا گروہ کو الگ اسب سے جدا گانہ حیثیت نہیں دیکھتی، اور یہ خیال ہمہ وقت پیش نظر رہتا ہے، کہ ایک کو دوسرے کی مزدورت ہے، اس میں شک نہیں کہ جب تک انسانی جذبات اپنی حالت پر قائم ہیں، تب تک انسانی ترغیبات ان دو اصولوں میں کسی ایک کے زیر اثر رہیں گی، لیکن جہاں تک قیاسات کا دخل ہے، ہمارے زمانہ کے رجحانات اور اہم حالیہ واقعات بتلا رہے ہیں

کہ دوسرے اصول پر زیادہ عمل کیا جائے گا، بالخصوص جماعتی ترغیبات میں تو اس کا اور زیادہ اہمیت ہے۔ گذشتہ زمانے میں جماعتوں کی تنظیم اصول استثنائیت پر مبنی تھی، شاید مستقبل کی ترغیبات عظمت انسانی کے تصور پر منحصر ہوں آج کل کی حالت کو دور تکون کہا جاسکتا ہے، اور اسکی مثالیں بھی موجود ہیں، انجمن ہائے اتحاد مزدوران (TRADES UNION) گذشتہ زمانہ میں جارحانہ حیثیت رکھتی تھیں، اور آج (Consumer) اور مصرف (Consumer) دونوں سے برسرِ پیکار رہتی تھیں، لیکن آج کل ایسی کونسلوں کے انعقاد کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے جو انجمن سرمایہ داروں اور مزدور دن کے نمائندے بحیثیت ایک ہی جماعت کے رکن کے داخل ہوں، جنگ سے کچھ نہ قبل ایک تجویز پیش کی گئی تھی کہ مختلف انجمنیں ایک طرح کے بین الاقوامی رشتہ اتحاد میں منسلک ہو جائیں ظاہر ہے کہ یہ دوسری تجویز پہلے کی بہ نسبت کہیں زیادہ وسیع النظری پر مبنی ہے، اور اگر منظور ہوگی، تو انسانی زندگی پر اس کا معتد بہ اثر پڑے گا، بعض حالیہ واقعات کی بنا پر یہ بھی پیشینگوئی کی جاسکتی ہے کہ مستقبل میں ہمارے تمام معاشری، سیاسی، معاشی مسائل میں الاقوامی اہمیت اختیار کر لینگے۔ لیکن آئینستنز (انجمن اتحاد اقوام) اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ سلطنت کے معاملات میں بھی بین الاقوامی عمل آج پہلے سے کہیں زیادہ مقبولیت حاصل کئے ہوئے ہے، ان باتوں کی بنا پر یہ امید شاید بجا نہ ہو کہ رفتہ رفتہ بین الاقوامی قانون کے ماتحت ہو جائے گی جو انجمن کی طرح خارجی حکومتوں کا اور بڑے دشمن بنوایا ہو قانون ہوگا، بلکہ وہ انسانی ضروریات کے تقاضے سے وجود میں آئے گا، اس کی اسکی اہمیت کی عظمت پر ہوگی، اور اسکا محرک یہ خیال ہوگا کہ

بنی آدم اعضاء یکدیگر اند

— تمت بالخير —

سلسلہ برکے

اس سلسلہ میں تین کتابیں نکل رہی ہیں

”برکے“

اس مجموعہ میں برکے کے سوانح اور فلسفیانہ تصنیفات کی ناقہ اندہ تلخیص اور

اس کے فلسفہ تصورات کی تشریح و تنقید ہے، از پروفیسر عبدالباری ندوی قیمت پچیس روپے

تجادی علم انسانی

برکے کی سب سے معرکہ آرا کتاب ”پرنسپل آف ہیومن منڈج“ کا ترجمہ جس میں ادیت کا

ابحال ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ”ذہن سے باہر مادہ کا کوئی وجود نہیں“ از پروفیسر عبدالباری

ندوی، قیمت پچیس روپے

مکالمات برکے،

برکے کے ڈاٹا گن کا ترجمہ جس میں مکالمہ کی صورت میں برکے نے اپنے خاص

فلسفہ کی تشریح کی ہے، از مولوی عبدالماجد بی اے، قیمت پچیس روپے

”منہج“
دارالافتاء عظیم گڑھ

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعاً
لی کہی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کا
صورت ہیں این آٹھ یوہ یہ ذیرانہ لیا جائے گا۔
